www.KitaboSunnat.com

لقي رسول الله ﷺ جبريل عند أحجار المروة قال: فقال رسول الله ﷺ لجبريل:إنى بعثت إلى أمة أميين فيهم الشيخ الفاني والعجوز الكبيرة والغلام قال: فمرهم فليقرء وا القرآن على سبعة أحرف [قال الترمذی، کتاب القرآت، باب ما جاء أن القرآن انزل علی سبعة احرف]

''مروہ کے پہاڑی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں اَن پڑھ قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ ان میں بوڑھے آدمی، زیادہ عمر کی عورتیں اور جوان شامل ہیں۔ جبریلؑ نے کہا: آپ انہیں حکم دیجئے کہ وہ قرآن مجید سات حروف پر پڑھیں۔''

ایک حدیث کے الفاظ ہیں: « فمن قرأ بحرف منها فهو كما قرأ »

''جس نے ان میں سے کوئی حرف پڑھا وہی درست ہے۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

"فقلت يا جبريل! إنى أرسلت إلى أمة أمية فيهم الرجل والمرأة والغلام والجارية والشيخ الفاني الذى لم يقرأ كتابا قط قال إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف"

''میں نے کہا: اے جبریل! میں اَن پڑھ قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں، ان میں آدمی، عورتیں، بچے، بچیاں اور ایسے بوڑھے ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، جبریلؑ نے کہا: بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

"أنزل القرآن على سبعة أحرف" ''قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔''

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"دخلت المسجد أصلى فدخل رجل فافتتح النحل فقرأ فخالفني فى القراء ة، فلما انفتل قلت: من أقرأك؟ قال: رسول الله ﷺ ثم جاء رجل فقام وصلى فقرأ فافتتح النحل فخالفني وخالف صاحبى، فلما انفتل قلت من أقرأك؟ قال رسول الله ﷺ۔ قال فدخل قلبى من الشك والتكذيب أشد ما كان في الجاهلية۔ فأخذت بأيديهما وانطلقت بهما إلى رسول الله ﷺ فقلت استقرئ هذين۔ فاستقرأ أحدهما فقال: أحسنت فدخل قلبى من الشك والتكذيب أشد مما كان في الجاهلية۔ فضرب رسول الله ﷺ صدرى بيده فقال أعيذك يا أُبي من الشّك! ثم قال: إنَّ جبريل أتانى فقال: إن ربك عزوجل يأمرك أن تقرأ القرآن على حرف واحد فقلت: اللهم خفف عن أمتى ثم عاد فقال إن ربك عزّ وجل يأمرك أن تقرأ القرآن على حرفين فقلت اللهم خفف عن أمتى ثم عاد فقال إن ربّك عزّ وجل يأمرك أن تقرأ القرآن على سبعة أحرف وأعطاك بكل ردة مسألة . الحديث حرث بن ابی اسامہ نے اپنی سند میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

''میں نے مسجد میں نماز پڑھی، اسی اثناء میں ایک آدمی آیا اور اس نے سورہ نحل شروع کی۔ اس نے میری قراءت کے برعکس پڑھا۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے پوچھا: تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے نماز میں سورۂ نحل شروع کی اور قراءت میں ہم دونوں کی مخالفت کی۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے پوچھا: تمہیں اس طرح کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس صورت حال سے میرے دل میں جاہلیت کے دور سے بھی زیادہ شک اور تکذیب پیدا ہوا۔ میں نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا اور عرض کی۔ آپؐ ان دونوں سے تلاوت سنیں۔ آپؐ نے ایک سے سن کر فرمایا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أحسنت۔ میرے دل میں پھر دورِ جاہلیت سے بڑھ کر شک اور تکذیب پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور فرمایا: اے اُبی! میں تمہیں شک سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر فرمایا: جبریلؑ نے میرے پاس آ کر کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ میں نے کہا: اے اللہ میری اُمت سے تخفیف فرمائیں۔ جبریلؑ نے آ کر کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو دو حروف پر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ میری اُمت سے تخفیف فرمائیں۔ پھر جبریلؑ نے آ کر کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ سات حروف پر قرآن مجید کی تلاوت کریں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہر سوال کا جواب دیا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

فمن قرأ على حرف منها فلا يتحوّل إلى غيره رغبة عنه

''جو ان میں سے کسی حرف پر پڑھے تو وہ اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے دوسرے کو اختیار نہ کرے۔''

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

"كلها شاف كاف ما لم يختم آية عذاب برحمة أو آية رحمة بعذاب"

''تمام (حروف) کافی شافی ہیں جب تک عذاب کی آیت کو رحمت یا رحمت کی آیت کو عذاب سے نہ بدل دے۔''

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت یوں ہے:

"فأي ذلك قرأتم فقد أصبتم، ولا تماروا فيه فإن المراء فيه كفر"

''ان میں سے تم جس کی قراءت بھی کرو گے وہ درست ہے اور تم اس میں شک نہ کرو، کیونکہ اس میں شک کرنا کفر ہے۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی طرح بہت سے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پیش آئے۔ اس کی ایک مثال اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان سورہ نحل کے پڑھنے کی صورت میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کی ایک دوسری مثال عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابن قیس حضرت عمرو سے بیان کرتے کہ ایک آدمی نے قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت کی تو سیدنا عمرو نے کہا: یہ تو ایسے ہے اور نبی کریم ﷺ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنَّ هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فأي ذلك قرأتم أصبتم فلا تماروا فيه»

''قرآن کریم سات اَحرف پر نازل ہوا ہے۔ ان میں سے جو بھی پڑھو وہ درست ہے۔ اس لیے تم اس میں شک نہ کرو۔'' یہ حدیث امام احمد نے حسن سند سے روایت کی ہے۔

مسند احمد، ابی عبید اور طبری میں ابو جہم بن صمۃ کی روایت اسی معنی کی بیان کی گئی ہے۔

طبری اور طبرانی میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: أقرأني ابن مسعود سورة أقرأنيها زيد بن ثابت وأقرأنيها أبي بن كعب فاختلفت قراء تهم، فبقراء ة أيهم آخذ؟ فسكت رسول الله ﷺ وعلي إلى جنبه، فقال علي: ليقرأ كل إنسان منكم كما عُلِّم، فإنه حسن جميل"

[معجم الكبير للطبرانی:٤٩٣٨]

''ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم نے ایک سورۃ مختلف قراءات میں پڑھائی ہے۔ میں ان میں سے کس کی قراءت کو اختیار کروں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف فرما تھے انہوں نے فرمایا، ہر انسان کو اس طرح پڑھنا چاہئے۔ جس طرح اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکھایا گیا ہے۔وہی طریقہ بہتر ہے۔‘‘

ابن حبان اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”أقرأني رسول اللهﷺ سورة من آل حم ، فرحت إلى المسجد فقلت لرجل:اقرأها ، فإذا هو يقرأ حروفا ما أقرأها فقال: أقرأنيها رسول اللهﷺ فانطلقت إلى رسول اللهﷺ فأخبرناه فتغير وجهه وقال إنما أهلك من كان قبلكم الاختلاف ، ثم أسر إلى علي شيئا ، فقال علي: إن رسول اللهﷺ يأمركم أن يقرأ كل رجل منكم كما علم ، قال: فانطلقنا وكل رجل منا يقرأ حروفا لا يقرأها صاحبه“[مستدرك الحاكم:٢/ ٢٢٣]

’’رسول اللہ ﷺ نے مجھے آل حم میں سے ایک سورت پڑھائی، مسجد میں آ کر میں نے ایک آدمی سے کہا: تم یہ سورت پڑھو۔اس نے میری قراءت کے برعکس پڑھا اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح پڑھایا ہے۔ہم نے رسول اللہ ﷺ کو جا کر خبر دی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کر دیا۔پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ہر آدمی اسی طرح پڑھے جیسے اسے سکھایا گیا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر ہم چلے آئے اور ہم میں سے ہر شخص الگ الگ حروف میں پڑھتا تھا۔‘‘

ابن جزری شرح میں فرماتے ہیں کہ امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اس حدیث کا نبی کریم ﷺ سے متواتر سند سے نقل ہونا بیان کیا ہے۔اس حدیث کے طرق ایک جزء میں جمع کئے گئے ہیں۔جس میں یہ حدیث درج ذیل صحابہ کرام سے مروی ہے۔عمر بن خطاب، ہشام بن حکیم بن حزام، عبدالرحمٰن بن عوف، اُبی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس ابوسعید خدری، حذیفہ بن یمان، ابوبکرہ، عمرو بن العاص، زید بن ارقم، انس بن مالک، سمرہ بن جندب، عمر بن ابی سلمہ، ابوجہم، ابوطلحہ انصاری اور سیدہ اُم ایوب انصاریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حافظ ابویعلی موصلی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

”أن عثمان بن عفان قال يومًا وهو على المنبر: أذكر الله رجلا سمع النبى قال: إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف ، كلها شاف كاف ، لما قام فقاموا حتى لم يحصوا ، فشهدوا أن رسول اللهﷺ قال: أنزل القرآن على سبعة أحرف كلها شاف كاف ، فقال عثمان ، وأنا أشهد معهم“[سنن نسائی:١/ ٩٤١]

’’ایک دن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: میں اس شخص کو قسم دیتا ہوں جس نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرمان سنا ہے: ’’قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔یہ تمام کافی شافی ہیں۔‘‘ جب آپ کھڑے ہوئے تو لوگ بھی کھڑے ہوگئے (ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ) انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔انہوں نے گواہی دی کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی ان کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔‘‘

قرآن مجید کے سبعہ احرف میں نزول کا سبب

امام ابن جزری رحمہ اللہ نے فرمایا: قرآن مجید کے سبعہ اَحرف پر نازل کرنے کا بنیادی مقصد اس امت کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اس اُمت کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ فرمایا، اپنے فضل سے نوازا، وسعت اور رحمت عطا کی اور اس اُمت کا خاصہ قرار دیا، جیسا کہ اس حدیث ِطیبہ سے معلوم ہوتا ہے۔جب جبریل امین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”إن الله يأمرك أن تقرئ أمتك القرآن على حرف ، فقال سل الله معافاته ومعونته إن أمتي لاتطيق ذلك ، ولم يزل يردّد المسألة حتى بلغ سبعة أحرف“[صحيح مسلم :۸۲۱]

’’اللہ تعالیٰ آپ کوحکم دیتے ہیں کہ آپ اپنی اُمت کوقرآن مجید ایک حرف پر پڑھائیں تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد اور عافیت کا سوال کریں، میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ اسی طرح سوال کرتے رہے یہاں تک کہ سبعہ اَحرف (میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت) تک پہنچ گئے۔‘‘

جیسا کہ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی کہ قرآن مجید سبعہ اَحرف میں نازل ہوا ہے۔ رسول اللہﷺ سے قبل انبیاء کرام خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے جبکہ نبی آخر الزمانﷺ کو پوری دنیا کی تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ وہ عرب جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا، ان کی لغات مختلف اور زبانیں جدا جدا ہیں۔ ان کے لیے ایک لغت سے دوسری اور ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف منتقل ہونا نہایت مشکل ہے حتیٰ کہ بعض لوگ تو تعلیم اور علاج کے ذریعے بھی ایسا نہیں کرسکتے۔ ایسے میں اَن پڑھ بوڑھے اور خواتین وغیرہ کو دوسری لغت یا حرف کا مکلّف بنادیا جاتا تو یہ حکم بجالانا ان کی طاقت سے باہر ہوجاتا اور وہ اس کی اتباع نہ کرپاتے۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اپنی کتاب 'المشکل' میں فرماتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی ہے کہ اس نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ہر اُمت اپنی لغت اور عادت کے مطابق پڑھ لے۔ ہذلی پڑھتے ہیں (عتی حين) ان کا ارادہ حتى حين کا ہوتا ہے، لیکن اس طرح سے وہ تلفظ اَدا کرتے ہیں۔ اسدی لوگ (ألم إعهد إليكم) مضارع کے کسرہ کے ساتھ، بنوتمیم ہمزہ کے ساتھ اور قریشی بغیر ہمزہ کے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے لوگ قيل لهم وغيض الماء ضمہ کے اشمام کو کسرہ کے ساتھ، وبضاعتنا ردّت إلينا۔ کسرہ کے اشمام کو ضمہ کے ساتھ، ما لك لا تأمنا۔ ضمہ کے اشمام کو ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اگر ان میں سے ہر فریق دوسری لغت کو اختیار کرنا چاہے تو ان کے لیے بہت مشکل ہے۔ خاص طور پر بچوں اور بوڑھوں کے لئے۔ البتہ اگر کوئی اس کے لیے سخت محنت اور مسلسل ریاضت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ رحمت اور محبت کا معاملہ فرماتے ہوئے، اس کے لیے یہ کام آسان بنادیتے ہیں۔‘‘

اسی لیے رسول اللہﷺ نے پوری مخلوق کو قرآن مجید کا یہ چیلنج دیا ہے:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾[الاسراء:۸۸]

’’آپ کہہ دیجئے! اگر انسان اور جن اس قرآن جیسی مثال لانے پر متفق ہوجائیں (پھر بھی) وہ اسکی مثال نہیں لاسکتے۔‘‘

اگر قرآن مجید مخاطبین کی لغت کے علاوہ دوسری لغت میں ہوتا تو وہ جواب میں کہہ دیتے، اگر قرآن ہماری لغت میں ہوتا تو پھر ہم اس جیسا کلام بنا کر لے آتے اور قرآن کے اس دعویٰ کو وہ جھوٹ قرار دے دیتے۔ سبعہ احرف میں قرآن مجید پڑھنے کی اجازت کی وجہ سے کسی کے لیے ابہام باقی نہیں رہا۔

سبعہ احرف سے کیا مراد ہے؟

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سبعہ احرف کے معنی کے تعین میں علماء کے تقریباً چالیس اَقوال ہیں۔ البتہ اس بات پر سب کا اِجماع ہے کہ اس سے مشہور سبعہ قراء اور ان کی مروجہ قراءات مراد نہیں ہیں، جیسا کہ عوام الناس میں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ سمجھتے ہیں۔سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری میں ابوبکر بن مجاہد نے قراءات کو جمع کیا۔ اگر حدیث میں موجود سبعہ اَحرف سے یہ سات قراء یا ان کی قراءات مراد ہوتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے قرآن مجید پڑھنا ممکن نہ ہوتا، کیونکہ یہ قراء تابعین کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان کی سبعہ قراءات مشہور ہوئیں۔

قراءت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ثقہ امام سے ایک ایک لفظ لیا جائے وہ اپنے امام سے لے۔ اس طرح اس کی سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے۔ اس طرح اس بات پر بھی سب کا اجماع ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ سات طریقوں سے پڑھا جائے، کیونکہ مشہور مذہب کے مطابق عملی طور پر اس کی ایک کلمہ میں بھی مثال نہیں ملتی۔

سبعہ احرف کی مراد کے بارے میں سب سے بہتر قول امام بیہقی، اَبہری اور اکثر علماء نے اختیار کیا ہے کہ سبعہ احرف سے لغات کی مختلف صورتیں مراد ہیں۔ انہوں نے دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ پیش کی ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾[الحج:۱۱] ’’لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر (شک کی حالت میں) عبادت کرتا ہے۔‘‘

حافظ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے احرف کے معنی کی طرف دو پہلوؤں سے اشارہ فرمایا ہے:

1. قرآن مجید لغات کی سات صورتوں پر نازل کیا گیا۔ احرف حرف کی جمع قلت ہے جس طرح فلس و أفلس۔ حرف سے وجہ بھی مراد لی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾[الحج:۱۱]

یہاں پر ’حرف‘ سے وجہ مراد ہے۔ یعنی اگر اسے نعمتیں ملتی رہیں، معاملات درست رہیں اور وہ مطمئن ہو تو اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اگر حالات بدل جائیں، اللہ تعالیٰ سختی کے ذریعے اس کا امتحان لیں تو عبادت چھوڑ کر کفر اختیار کرتا ہے۔ اس طرح وہ ایک وجہ (صورت) میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ قراءات اور لغات کی مختلف وجھوں کا نام اَحرف رکھا ہے یعنی ان میں سے ہر صورت ایک وجہ ہے۔

2. قراءات کا نام وسعت کے طور پر ’احرف‘ رکھ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرب کی عادت ہے وہ کسی چیز کا نام اس کے کسی حصے یا اس سے متعلق کسی چیز کے نام پر رکھ دیتے ہیں مثلاً کسی جملے کا نام اس کے کسی اسم پر رکھ دیا جائے۔ کلمہ ’ترحیب‘ کے نام پر مقرر پوری تقریر کر جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے قراءت کا نام حرف رکھ دیا، اگرچہ وہ ایک لمبی کلام ہوتی ہے، کیونکہ اس کے کسی حرف میں ضمہ یا کسرہ کو تبدیل کر دیا۔ کسی حرف کو دوسرے سے بدل دیا، کوئی کمی یا اضافہ کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مختلف قراءات میں آتا ہے، تو عرب کی عادت کے مطابق اس میں سے حرف کا نام قراءۃ رکھ دیا۔

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس معنی کا احتمال دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ ”سبعة أحرف، أی سبعة أوجه“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں دوسرے معنی کا زیادہ احتمال ہے۔ جب آپ نے فرمایا: سمعت هشاما يقرأ سورة الفرقان على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله ﷺ۔ میں نے ہشام کو سورہ فرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ دوسری روایت کے لفظ ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سمعته يقرأ أحرفا لم يكن رسول اللهﷺ أقرأنيها ”میں نے اسے ایسے احرف پڑھتے ہوئے سنا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔“

أوجه سے لغات مراد لینے کی تائید اس بات سے بھی ملتی ہے، کہ قرآن مجید کو سبعہ احرف پر نازل کرنے کی حکمت تخفیف اور آسانی ہے۔ تاکہ اس امت کے لوگ اپنی لغت کے مطابق آسانی سے تلاوت کرسکیں۔ اس بات کی صراحت صحیح احادیث سے ملتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: أسأل الله معافاته و مغفرته ”میں اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور مدد کا طلب گار ہوں۔“ دوسرے مقام پر فرمایا: إن ربی أرسل إلي أن أقرأ القرآن على حرف واحد فرددت عليه أن هون على أمتي ولم يزل يردد حتى بلغ سبعة أحرف ”میرے رب نے میری طرف (حکم) نازل کیا کہ میں قرآن مجید ایک حرف پر پڑھوں۔ میں عرض کرتا رہا کہ میری امت پر آسانی فرمائیں، حتیٰ کہ سبعہ احرف تک رخصت مل گئی۔“ آپ ﷺ نے جبریلؑ سے فرمایا: « إني أرسلت إلى أمة أمية فيهم الرجل والمرأة والغلام والجارية والشيخ الفاني الذى لم يقرأ كتابا قط» ”میں اُمی (اَن پڑھ) قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ان میں مرد، عورت، بچے اور ایسے بوڑھے ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔“

رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی زبانوں میں انتہا درجے کا اختلاف ہے۔ یہ تمام قرآن مجید کے مخاطب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ [المزمل:۲۰] اگر انہیں ایک لغت کا مکلّف بنا دیا جائے تو ان کے لیے مشکل ہوجائے گی اور کچھ لوگ تو کوشش کے باوجود اپنی لغت چھوڑ نہ پائیں گے۔ لہٰذا دین کی آسانی کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کو مختلف لغات میں پڑھا جائے۔

سبعہ اَحرف کا اختلاف تنوع اور تغایر کا ہے نا کہ تضاد و تناقض کا

رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ قراءات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ہمیں جو اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ تنوع کا ہے۔ کلام اللہ میں تضاد کا پایا جانا محال ہے۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء:۸۲]

”کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔“

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے قراءات کے اختلاف میں غور کیا تو اس کی تین صورتیں نظر آئیں۔

1. لفظ کا اختلاف ہے معنی میں کوئی اختلاف نہیں۔
2. دونوں کا اختلاف ایسا ہے جسے ایک ہی چیز میں جمع کیا جاسکتا ہے۔
3. دونوں کے اختلاف کو ایک چیز میں جمع کیا جاسکتا ہے بلکہ دوسرے پہلو سے دونوں متفق ہوجاتی ہیں جن میں تضاد باقی نہیں رہتا۔

پہلی صورت کی مثال: اس اختلاف کی مثالیں: الصِّرَاطَ ، عَلَيْهِمْ ، يُؤَدِّهِ ، الْقُدُس اور يَحْسَبُ وغیرہ ہے، ان تمام کو السِّرَاطَ ، عَلَيْهُمْ ، يُؤَدِّهْ ، الْقُدْس اور يَحْسِبُ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ اختلاف لغات کا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری صورت کی مثال: سورہ فاتحہ میں مَالِكِ اور مَلِكِ پڑھا جاتا ہے۔جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک اور اس کا بادشاہ ہے۔ دوسری مثال یکْذِبُون اور یُکَذِّبُونَ ہے۔اس سے مراد منافق ہیں، کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کا انکار کرتے اور آپؐ کی باتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔اسی طرح نُنشِرُھَا (راء کے ساتھ) اور نُنشِزُھَا (زاء کے ساتھ) دونوں کا مطلب ہڈیاں ہیں۔أنشرھا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور أنشزھا انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھا۔ یہاں تک وہ اکٹھی ہوکر جڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں معانی دونوں قراءتوں میں جمع کردیئے۔

تیسری صورت کی مثال: ﴿ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا﴾ تشدید اور تخفیف کے ساتھ۔ دوسری مثال ﴿وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ ایک قراءت میں پہلے لام کے فتحہ اور دوسرے کے رفع کے ساتھ اور دوسری قراءت میں پہلے کسرہ اور دوسرے کے فتحہ کے ساتھ۔تیسری مثال ﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ تاء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔

ان مثالوں میں کذبوا تشدید کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا۔ رسولوں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ان کی قوموں نے انہیں جھٹلا دیا۔تخفیف کی قراءت کی صورت میں معنی ہوگا کہ ان کی امت کے لوگوں کو اس بات کا وہم ہوگیا کہ ان کے رسولوں نے انہیں خبریں دینے میں جھوٹ بولا ہے۔پہلی قراءت میں لفظ ظن یقین کے معنی میں ہے اور تینوں ضمیریں رسولوں کے لیے ہیں۔ دوسری قراءت میں ظن شک کے معنی میں ہے اور ضمائر ان کی امت کے لوگوں کی طرف ہیں۔

''لتزول'' میں پہلے لام کے فتحہ اور دوسرے کے رفع والی قراءت میں إن مخففه من المثقله ہے،معنی ہوگا، ان کا مکر اتنا شدید ہے کہ اس سے بڑے بڑے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

اور دوسری قراءت میں ان نافیہ ہے یعنی ان کا مکر اتنا بڑا یا ایسا نہیں ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا حکم یا دین اسلام ضائع ہوجائے۔پہلی قراءت میں جبال حقیقی اور دوسری میں مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لقد علمت ضمہ کی قراءت میں علم کی نسبت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جارہی ہے۔جب فرعون نے کہا: ﴿إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴾ ''تمہاری طرف بھیجا جانے والا رسول مجنون ہے۔'' تو اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ عَلِمْتُ مَا أَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾ ''یقیناً میں جانتا ہوں کہ آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرتیں نازل کی ہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کے علم کے متعلق فرمایا: ان باتوں کا جاننے والا مجنون نہیں ہے۔فتحہ کی قراءت میں اس علم کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے، کہ وہ علم ہونے کے باوجود حق کی دشمنی کی وجہ سے غلط بات کہہ رہا ہے۔

ان مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ الفاظ اور معنی دونوں میں فرق ہے۔ دونوں کا ایک مطلب نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود ایک دوسرے پہلو سے ان میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔جس سے تضاد ختم ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہر صحیح چیز کو قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔رسول اللہ ﷺ اُمت کو جو کچھ بھی دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہر قراءۃ دوسری قراءۃ کے لیے ایک آیت کے ساتھ دوسری آیت کی مانند ہے۔ان تمام پر علمی اور عملی طور پر ایمان لازم ضروری ہے۔ایک قراءت کو دوسری قراءت کے معارض سمجھتے ہوئے ترک کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔اس بات کی طرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ اِشارہ کیا ہے:

''لا تختلفوا في القرآن ولا تنازعوا فيه فإنه لا يختلف ولا يتساقط ألا ترون أن شريعة

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاسلام فيه واحدة، حدودها وقراء تها، وأمرالله فيها واحد؟ ولو كان من الحرفين حرف يأمر بشيء ينهى عنه الآخر كان ذلك الاختلاف ولكنه جامع ذلك كله ومن قرأ على قراءة فلا يدعها رغبة عنها، فإنه من كفر بحرف منه كفر به كله“

”تم قرآن مجید میں کسی قسم کا جھگڑا اور اختلاف نہ کرو۔ نہ یہ ایک دوسرے کے مخالف ہے اور نہ ایک دوسرے کو ساقط کرتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ شریعت اسلامی ایک ہی، اس کی حدود اور قراءات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بات کا حکم دیا ہے، اگر ایک حرف کسی بات کا حکم دے اور دوسرا اس سے روکے تو یہ اختلاف ہوتا، لیکن یہاں تو ان کو جمع کیا جاسکتا ہے کوئی شخص کسی قراءت کو بے رغبتی کرتے ہوئے نہ چھوڑے۔ جس نے ایک حرف کا بھی انکار کیا اس نے مکمل (قرآن مجید) کا انکار کیا۔“

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بھی اس بات کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ جب آپ کے سامنے دو مختلف حروف پر قرآن مجید پڑھنے والوں کا معاملہ آیا تو آپ نے ان میں سے ایک کو کہا: أحسنت۔ دوسری روایت کے لفظ ہیں أصبت۔ ”تم نے صحیح پڑھا ہے۔“ اور دوسرے سے فرمایا: هكذا أنزلت، اسی طرح یہ نازل ہوئی ہے۔ آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی اور واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید اسی طرح مختلف حروف میں نازل کیا گیا ہے۔ اس سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قراء کا اختلاف فقہا کے اختلاف سے مختلف ہے۔ قراء کا اختلاف سارے کا سارا حق اور درست ہے، اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے جبکہ فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہے۔ ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے، لیکن خطا کا احتمال رکھتا ہے۔

قراءات اور حروف کی نسبت جن صحابہ کرام یا ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ سب سے زیادہ قراءۃ کرنے والے اور ضبط کرنے والے تھے۔ یہ دوسروں کے نسبت اس فن کے ساتھ زیادہ وابستہ اور منسلک رہے۔ یہی صورت حال ائمہ قراء اور ان کے رواۃ کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس قاری یا راوی نے لغت میں سے ایک وجہ کو اختیار کیا۔ اسے دوسری وجہوں پر ترجیح دی اور اس کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں معروف ہوگئے، زمانے میں ان کی تشہیر ہوگئی اور لوگ ان سے قراءۃ روایت کرنے لگے۔ اس طرح اس قراءت یا روایت کی نسبت ان قراء اور راویوں کی طرف ہوگئی۔ ان کی طرف یہ نسبت اختیار اور دوام کی ہے، اختراع، رائے اور اجتہاد کی نہیں ہے۔

اسی طرح ہم آیت اور حدیث کا ظاہری تعارض ختم کرسکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قراءات کے حاملین سے فرمایا: هكذا، أنزلت اس طرح آپ نے قراءات کے اسی اختلاف کو برقرار رکھا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء:۸۲]

اس طرح حدیث اور آیت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی*

قراءت کی حجیت، اہمیت اور اُمت کا تعامل

قرآن کریم کی ابتدائی کتابت عہدِ نبوی میں مکمل ہوچکی تھی۔ تدوین عہد صدیق رضی اللہ عنہ وعہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں ہوئی، عرب قبائل اپنے لب و لہجہ کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت اور تعلیم و تبلیغ کرتے رہے، زیاد ابن اُمیہ رحمہ اللہ [م ۵۲ھ/ بمطابق ۶۷۲ء] کے حکم پر ابوالاسود دؤلی رحمہ اللہ [م ۶۹ھ/ بمطابق ۶۸۸ء] یا اس کے شاگرد نصر بن عاصم رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے متن پر اعراب و نقاط لگائے اور پانچ پانچ دس دس آیات پر نشانات لگوائے۔① عبداللہ بن زیاد رحمہ اللہ [م ۶۹ھ/ بمطابق ۶۸۸ء] والی بصرہ نے اپنے کاتب یزید الفارسی رحمہ اللہ سے حروف پر کامل اعراب و جزام لگوائے، کوفہ کے گورنر حجاج بن یوسف رحمہ اللہ نے قرآن کریم کو سات حصوں میں تقسیم کیا۔② اسی زمانہ میں آیات کے درمیان میں وقف، وصل③ اور آیات کی نمبرنگ کی گئی④ اور رسم قرآنی کی تعیین پر جوکہ عہد عثمانی میں منظر عام پر آچکی تھی، مختلف کتابیں تصنیف کی گئیں۔⑤ قرآن کریم دنیا کی واحد آسمانی کتاب ہے جس کے نازل کرنے والے نے خود ہی اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾⑥

اور یہ حفاظت ہر زاویہ سے تھی، خواہ اس کا تعلق قرآن کریم کے متن سے ہو یا معنی و مفہوم سے، فہم قرآن کو آسان و عام فہم بنانے کے لئے عربوں کو مختلف لہجوں میں تلاوت کی اِجازت دی گئی، اور کیوں نہ دی جاتی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾⑦

ہر زاویہ سے رحمت ہیں، تعلیم و تعلم کا میدان ہو یا معیشت و معاشرت کا، میدان رزم ہو یا بزم، جلوت ہو یا خلوت ہر پہلو سے یسّروا اور بشّروا کی تعلیم دی گئی، اور قرآن کریم کی مختلف لہجوں میں تلاوت کی اِجازت دی گئی۔

جاحظ لکھتے ہیں:

”والذين بعث فيهم أكثر مايعتمدون عليه البيان واللسان“⑧

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قوم میں بھیجے گئے، جن کے ہاں کمال کا معیار بلاغت وفصاحت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل کی وہ فصاحت وبلاغت کا مرقع ہے، جو کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اَدب کا شاہکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صاحب زبان اَدیب وشاعر نے آپ کے کلام میں کوئی عیب نہیں نکالا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مختلف لہجوں پر حاصل عبور پر حیرت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أدّبنی ربي فأحسن تأديبي» ”یعنی خدا کی جانب سے

* پرنسپل: قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج، لیاقت آباد، چیف ایڈیٹر: علوم اسلامیہ انٹرنیشنل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بطورِ معجزہ مختلف عرب لہجوں پر مجھے عبور عطا کیا گیا تھا۔‘‘

آپ ﷺ ہر قبیلہ والے سے اسی کے لہجہ میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔⑨ قرآن کا معیاری لہجہ اور رسم الخط لغت قریش سے متعین کر دیا گیا، لیکن عرب قبائل کو اِجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے اپنے لہجہ میں تلاوت کر سکتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج کے دور میں اردو زبان جب لکھی جاتی ہے تو دہلی کی ٹیکسالی زبان میں لکھی جاتی ہے، لیکن بولنے میں مختلف لہجے اختیار کئے جاتے ہیں، مثلاً معیاری جملہ ہے آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اسے اردو کے مختلف لہجوں میں مختلف انداز میں اَدا کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہاں جاوت ہو، کہاں جا ریا ہے؟ تم کہاں جا رہے ہو؟ لیکن اس لہجہ کے اَدا کرنے والے بھی جب لکھتے ہیں تو اس طرح نہیں لکھتے، یہی صورت مختلف قراءت کی ہے۔

فن قراءات پر تصانیف

فن قراءت ایسا موضوع ہے جس پر تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف کے حوالہ سے پہلی صدی ہجری سے عہد حاضر تک کوئی عہد خالی نہیں رہا ہے۔

عہد نبوی ﷺ ہی میں مختلف قراءات کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ باہمی اختلاف کی صورت میں آپ ﷺ رہنمائی فرما دیتے کہ دونوں کی تلاوت درست ہے، بعد میں اہل علم نے دیگر فنون کی طرح بحیثیت فن کے مختلف قراءات کی جمع وتدوین کا آغاز کر دیا تھا، یہ قراءات پہلے تفسیر قرآن کریم کا حصہ تھیں، بعد میں مستقل کتابوں کی شکل اختیار کر گئیں۔

- ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کی فضائل القرآن
- یحییٰ بن العمیر رحمہ اللہ [م ۸۹ھ مطابق ۷۰۷ء] کی کتاب القراء ت
- عبداللہ بن عامر الیحصبی رحمہ اللہ [م ۱۱۸ھ مطابق ۷۳۶ء] کی کتاب اختلافات مصاحف الشام والحجاز والعراق
- العاصم رحمہ اللہ کی الجمع
- محمد بن عبدالرحمٰن بن محیصن رحمہ اللہ [م ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۰ء] کی اختیار فی القرأۃ علی مذاھب العربیۃ
- عیسٰی بن عمر الثقفی رحمہ اللہ [م ۱۴۹ھ مطابق ۷۶۲ء] کی کتاب اختیار
- علی بن عساکر رحمہ اللہ [م ۵۷۲ھ مطابق ۱۱۷۶ء] کی کتاب الخلاف بین قراء ۃ عبد اللہ بن عامر وبین قراء ت أبی عمرو بن العلاء وغیرہ

جزری رحمہ اللہ کے مطابق ابتدائی مصنفین میں ابوجعفر طبری رحمہ اللہ اور ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔⑩
اسی طرح جن شخصیات نے فن قراءت کو فروغ دیا، ان کی تدریسی وتصنیفی خدمات پر مختلف ناموں سے مستقل تصانیف مرتب کی گئیں، جس میں ابن الجوزی رحمہ اللہ کی غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء، مولانا فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ کی مقدمہ عنایات رحمانی، مولانا ابوالحسن اعظمی رحمہ اللہ کی مقدمہ علم قراء ت وقراء سبعہ اور دارالعلوم دیوبند وخدمات تجوید وقرأت⑪ کرنل مرزا بسم اللہ بیگ رحمہ اللہ کی تذکرہ قاریان ہند وغیرہ، امت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تعامل وتواتر کو ثابت کرتا ہے۔

آج بھی برصغیر کے ہر بڑے مذہبی ادارے مثلاً دارالعلوم دیوبند[۱۲] جامعہ ڈابھیل[۱۳] وغیرہ میں قراءت سبعہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہے، اس فن پر بلا مبالغہ کئی ہزار کتب اوران کی شروحات مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں، میرے اندازہ کے مطابق تقریباً پچاس قرآنی نسخوں پر مختلف ادوار میں قراءت سبعہ وعشرہ حواشی پر تحریر کی جا چکی ہیں، یہ نسخے آج بھی مطبوعات ومخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس موضوع پر زیادہ مواد عربی میں ہے، مثلاً احمد بن محمد البناء رحمہ اللہ کی اتحاف فضلاء البشر بالقرأت الأربعة عشر (دو جلد) ڈاکٹر محمد سالم رحمہ اللہ کی المغنی (تین جلدیں)، الدکتور احمد مختار عمر رحمہ اللہ کی معجم القراء ت القرآنية (پانچ جلدیں)، ابی محمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب الکشف عن وجوه القراء ات (دو جلد)، محمد بن الجزری رحمہ اللہ کی کشف النظر (تین جلدیں)، حجیت قراءت پر مختلف کتب کے ساتھ مستقل مضامین بھی لکھے گئے ہیں، مثلاً صہیب احمد میر محمدی رحمہ اللہ کی دفاعاً عن قراء ات المتواتره، جبيرة الجراحات فی حجية القراء ات، مكتبة بيت السلام الرياض، ابی الفتح ابن جنی رحمہ اللہ کا مضمون المحتسب فی تبيين وجوه شواذ القراء ات والایضاح عنها (مجمع دمشق مج ۴۲ـ۱۹۶۷ـ ۱۹۶۸ء) احمد نصیف الجنانی رحمہ اللہ کا مضمون انتصار قراء ة ورش (الرسالة الإسلامية) (ع ۱۱۲، ۱۳۹۸ھ) سبیع حمزۃ حاکمی رحمہ اللہ کا مضمون حجة القراء ات لابن زنجله (مجمع دمشق مج ۵۶ ۱۹۸۱ھ) عبدالرحمٰن السید رحمہ اللہ کا مضمون گولڈزیہر اور قراءات (المربد س ۱ ع ۱ ۱۹۸۱ء) عبدالعال سالم مکرم رحمہ اللہ کا مضمون حول نسبة كتاب الحجة فی القرأت السبع لابن خالوية (اللسان العربی مج ۹ ج ۱، ۱۹۷۲ء) وغیرہ

تعارف فن قراءت

قراءت کی جمع قراءات ہے، یعنی مختلف قراءتیں، قراءت اس علم کو کہتے ہیں جس سے کلماتِ قرآنیہ میں قرآن کے ناقلین کا وہ اتفاق اور اختلاف معلوم ہو جو نبی کریم ﷺ سے سن لینے کی بنا پر ہے، نہ کہ اپنی رائے کی بنا پر[۱۴] قراءت کا موضوع کلماتِ قرآنی ہیں، جس سے تحریف وتغیر اور غلطی سے محفوظ رہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا واجب علی الکفایہ ہے۔[۱۵]

جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«أنزل القرآن علی سبعة أحرف»[۱۶]

''یعنی قرآن کریم سات اُحرف کی صورت میں نازل کیا گیا ہے۔''

قرآن کریم اس وقت جس رسم خط میں شائع ہوتا ہے یہ توقیفی اور سماعی ہے، آپ ﷺ کے حکم واملاء سے ثابت و منقول ہے اور لوح محفوظ کی ہیئت کتابت اور رسم خط کے مطابق منزل من اللہ ہے۔ اس میں کسی رائے اور قیاس کو دخل نہیں ہے، اس کی اتباع لازم اور مخالفت حرام ہے۔[۱۷] رسم خط کی بنیادی طور سے ۱۲ قسمیں شمار کی گئی ہیں۔[۱۸] یہی وجہ ہے ہندی انگریزی یا کسی اور رسم خط میں قرآن کریم لکھنا ناجائز ہوگا۔[۱۹] ان زبانوں کے حروف ہجاء بھی عربی سے جدا ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم سبعۂ اَحرف

اَحرف حرف کی جمع ہے، حرف لغت میں تین معنی میں مستعمل ہے، قرآن کریم میں کبھی حد، طرف اور جانب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔[40] کبھی انحراف کے معنی میں[41] اور کبھی قدرت علی الفعل کے معنی میں۔[42] سبعۃ کے مفہوم میں بہت زیادہ اختلافات منقول ہیں، چالیس سے زیادہ اَقوال ہیں، بعض مستقل تصانیف اس پہلو پر تحریر کی گئی ہیں۔

- ایک رائے ہے قرآن کریم کا ہر کلمہ سات طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔[43]
- دوسری رائے ہے سبعہ کا لفظ قرآن کریم میں کثرت کے اظہار کے لئے آیا ہے، کسی مخصوص عدد کے لئے نہیں۔[44]
- تیسری رائے ہے اس سے احکام سبعہ مراد ہیں۔
- چوتھی رائے ہے اس سے زجر وامر حلال وحرام اور محکم ومتشابہ مراد ہے۔
- پانچویں رائے ہے وعدہ وعید حلال وحرام مواعظ وامثال واحتجاج مراد ہے۔
- چھٹی رائے ہے مراد سات لغات ہیں، یعنی مختلف قبائل کی سات لغات۔
- ساتویں رائے ہے اس سے عربوں کے سات لہجے مراد ہیں۔[45]
- آٹھویں رائے ہے کہ سات مشہور قرآنی قراء تیں مراد ہیں۔[46]

علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تیس سال اس مسئلہ پر غور وفکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سے مراد تمام قراء توں میں سات طرح کے اختلافات مراد ہیں اور یہ اختلاف

(۱) یا تو حرکات کا ہے
(۲) یا صرف معنی میں تبدیلی کا ہے
(۳) یا حروف میں ایسی تبدیلی کا ہے جس سے معنی میں تبدیلی نہ آئے
(۴) یا حروف میں ایسی تبدیلی کا ہے جس سے معنی میں تبدیلی آئے۔
(۵) یا معنی اور صورت دونوں میں تبدیلی آئے
(۶) یا تقدیم وتاخیر کی تبدیلی
(۷) یا الفاظ میں کمی وبیشی ہو جیسے اوصٰی اور وصّٰی[47]

علامہ جزری رحمہ اللہ کی اس رائے پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے۔

لیکن ایک اور نکتہ پر اختلاف ہے کہ سات لہجوں میں تلاوت کی اِجازت ہمیشہ کے لئے تھی یا فقط عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لئے تھی، بعض کی رائے ہے جس میں امام طبری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں کہ مصحفِ عثمانی کے بعد اب چھ حروف ختم ہوگئے، فقط ایک پر تلاوت باقی رہ گئی ہے، لیکن پھر سوال پیدا ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو چھ قراء ات ختم کرنے کا اختیار تھا؟ طبری رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ سات قراء ات میں تلاوت کی اِجازت ابتدائی عہد میں لوگوں کی آسانی کے لئے دی گئی تھی، یہ لازمی نہیں تھی، لیکن جب یہ اختلاف قراء ات اُمت کے اختلاف کا سبب بننے لگا تو فقط ایک لغت قریش پر قرآن کو باقی رکھا۔[48]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسری رائے امام رازی رحمہ اللہ ابن کثیر رحمہ اللہ اور جمہور علماء کی ہے کہ ساتوں قراءات مصحف عثمانی میں موجود ہیں اوران پر صحابہ کا اجماع ہے، مصحف عثمانی اسی مصحف کی نقل ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا، لہٰذا ساتوں قراءات میں پڑھنے سے منع کرنا جائز نہیں ہوگا۔[۲۹] اس کی تائید قرآن وحدیث سے بھی ہوتی ہے۔

سات حروف میں نزول قرآن کی حکمت

ڈاکٹر محمد سالم لکھتے ہیں:

① اس کی پہلی حکمت یہ ہے کہ اُمت میں بچے، بوڑھے، ضعیف سب ہیں، ان کی آسانی کے لئے اجازت دی گئی۔
② مختلف لہجوں میں قرآن کی تلاوت یہ قرآن کا اعجاز ہے۔
③ اُمت کو لغت قریش پر جمع کردیا کہ یہ معیاری لہجہ ورسم خط ہے، قرآن ہمیشہ اسی پر لکھا جائے گا، لیکن ہر قبیلہ کے لب ولہجہ کو بھی عزت دینے اور محفوظ رکھنے کے لئے اِجازت دے دی گئی کہ ان کے لہجہ میں بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔
④ دلائل نبوت میں ایک دلیل ومعجزہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبیلہ سے اس کے لہجہ میں بات کرلیا کرتے تھے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، یہ معجزہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے قرآن کریم کی صورت میں زندہ و پائندہ ہے۔[۳۰]

حجیت قراءت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن کے مخاطب صرف قریش یا عرب قبائل نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانیت ہے اس لئے قرآن کریم نے اِسلامی تعلیمات کو آسان وسہل بنایا ہے اور یہی حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء اُمت کو ہے، ارشاد ربانی ہے:﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[۳۱]
’’اللہ آسانی چاہتا ہے، تنگی ومشکل نہیں۔‘‘
ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی پیدا کی ہے۔[۳۲] متعدد مقامات پر فرمایا ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے۔[۳۳] ظاہر ہے مختلف لہجوں میں تلاوت کی اِجازت آسانی پیدا کرنا ہے، اپنے نبی کو مخاطب کرکے فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾[۳۴]
قرآن ایک کلام الٰہی ہے، جس کا اجراء عام انسانی زبانوں پر غالباً مشکل ہوتا ہے، لہٰذا لسان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اجراء کرکے اس کی تعلیم کو سہل بنادیا گیا۔
اِشارۃ النص سے واضح ہوتا ہے، قرآن کریم کی مختلف لہجوں میں تلاوت منشاء قرآنی کے مطابق ہے۔
’’عن أبی بن کعب رضی اللہ عنه قال: لقی رسول الله جبریل فقال: یا جبریل إنی بعثت إلی أمة أمیین منهم العجوز والشیخ الکبیر والغلام والجاریة والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط ، قال یا محمد إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف‘‘[۳۵]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے ملاقات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام میں ایسی امت کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، جو امی ہے، اور اس میں بوڑھے، عمر رسیدہ، غلام افراد بھی ہیں، جو قرآن کریم کی تلاوت (ایک لہجہ) میں نہیں کر سکتے ہیں، تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد ﷺ قرآن کریم کو سات (قراءات) (لہجوں) میں تلاوت کیا جا سکتا ہے۔''

یعنی آپ ﷺ کی خواہش پر مختلف قراءات کی اجازت دی گئی اور خواہش کا سبب کمزوروں کے لئے آسانی ہے، اسی صحابی سے دوسری روایت میں مکمل تفصیل سامنے آتی ہے۔

عن أبی بن کعب رضی الله عنه أن النبی ﷺ کان عند أضاء ة بنی غفار، فأتاه جبریل علیه السلام فقال: إن الله یأمرك أن تقرئ أمتك القرآن علی حرف فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لا تطیق ذلك، ثم أتاه الثانیة فقال: إن الله یأمرك أن تقرئ أمتك القرآن علی حرفین فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لا تطیق ذلك ثم جاء ه الثالثة فقال إن الله یأمرك أن تقرئ أمتك القرآن علی ثلثة أحرف فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لا تطیق ذلك ثم جاء ه الرابعة فقال إن الله یأمرك أن تقرئ أمتك القرآن علی سبعة أحرف، فأیما حرف قرؤا علیه فقد أصابوا (٣٦)

آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت طاقت نہیں رکھتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف قراءات میں تلاوت قرآن کریم کی اجازت دے دی اور واضح فرمایا کہ جملہ قراءات میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے حق پر ہیں۔

ظاہر ہے یہ اِجازت سب کے لئے ہے اور قیامت تک آنے والی اُمت کے افراد کے لئے ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: أقرأنی جبریل علی حرف فراجعته فلم أزل أستزیده ویزیدنی حتی انتهی إلی سبعة أحرف (٣٧)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یہی وجہ ہے عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مختلف لہجوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور اختلاف کی صورت میں آپ ﷺ سے رابطہ فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ انہوں نے ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کی تلاوت کے لہجہ پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے دونوں سے جدا جدا لہجہ میں تلاوت سنی اور دونوں کے بارے میں فرمایا:

کذلك أنزلت (٣٨) ''یعنی دونوں قراءات درست ہیں۔''

اسی طرح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں مختلف قراءات کے اختلاف کے بارے میں فحسن النبی ﷺ شأنهما، کہہ کر دونوں کی تحسین فرمائی۔ نبی ﷺ نے جس عمل کی تحسین فرمائی، امت کا کوئی فرد اس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ مختلف قراءت کے جواز پر بے شمار (٣٩) صحیح اَحادیث موجود ہیں، جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں ۲۱/صحابہ سے یہ روایت منقول ہے ان میں:

ابی بن کعب، انس، حذیفہ بن الیمان، زید بن ارقم، سمرۃ بن جندب، سلیمان بن صرد، ابن عباس، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن الخطاب، عمرو بن ابی سلمہ، عمرو بن العاص، معاذ بن جبل، ہشام بن حکیم، ابی بکرۃ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابی جہیم، ابی سعید الخدری، ابی طلحہ الانصاری، ابی ہریرۃ اور ابی ایوب رضوان اللہ علیہم اجمعین (۴۰) شامل ہیں اور جسے صحابہ کی اتنی بڑی تعداد نقل کرے اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے جس کا انکار گمراہی ہے۔

قراءات القرآن کا انکار

آج ایک طبقہ جو حجیت حدیث کا منکر ہے وہ اپنے نظریات کو درس قرآن اور فہم قرآن کے نام پر فروغ دے رہا ہے اور قراءاتِ قرآن کے انکار کا مرتکب ہو رہا ہے اور یہ تاویل پیش کر رہا ہے کہ یہ سہولت تھی جو کہ آپ ﷺ کے زمانہ تک محدود تھی، حالانکہ مصحف عثمانی کی ترتیب اور رسم خط ان کے افکار کی تردید کے لئے کافی ہے۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے:

”قال یوما وهو على المنبر أذكر الله رجلا سمع النبی ﷺ قال إن القرآن أنزل على سبعة أحرف كلها شاف وكاف لما قام، فقاموا حتى لم يحصوا فشهدوا بذلك فقال عثمان وأنا أشهد معهم“(۴۱)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا میں آپ لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، جنہوں نے آپ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہوں، إن القرآن أنزل...... وہ کھڑے ہو جائیں، اس پر صحابہ کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جن کا شمار مشکل ہو گیا اور سب نے اس پر گواہی دی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اس پر گواہ ہوں۔“

آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے گواہی کیوں لی؟ یہ عمل ثبوت ہے کہ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگوں کو قراءات کے حوالہ سے شبہ پیدا ہوا ہوگا، لہٰذا لوگوں کی اور اپنی شہادت کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کو فن کر دیا۔

دراصل علم قراءات سماع کی بنیاد پر ہے۔ بعض نے متعدد قراءات کا آپ ﷺ سے سماع کیا اور اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دی یہاں تک کہ دیگر فنون کی طرح کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو فن قراءات کے لئے وقف کر لیا، جنہیں آئمہ قراءات تسلیم کیا گیا ہے۔

بعض مستشرقین جنہوں نے قرآن وعلوم القرآن کو موضوع بحث بنایا ہے وہ اس باریک فرق کو نہ سمجھ سکے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ بعد کے ادوار میں تشکیل پانے والا علم ہے ان میں سے ایک نام گولڈزیہر کا ہے۔

وہ لکھتا ہے قرآن کریم کے متن پر نقطے اور اعراب نہیں تھے، اس لئے علم قراءات کے اختلافات وجود میں آ گئے، لوگوں نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تھی۔(۴۲)

حالانکہ صحابہ تو کجا کسی معمولی مسلمان سے بھی اس ہوائے نفس کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے، فن قراءات میں امام اسے ہی تسلیم کیا گیا ہے جس میں تین علامات ہوتی تھیں۔

① ضبط کی صلاحیت

② امانت دار

③ اس فن پر طویل زمانہ تک محنت کی ہو اور عمر کا ایک حصہ صرف کیا ہو

قراءات متواترہ سات تک شمار کی گئی ہیں، باقی تین شاذ ہیں، اہل علم کے ایک طبقہ کی رائے ہے، اختلاف قراءات مکہ میں نہیں تھی، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہاں فقط قبیلہ قریش تھا، جب آپ مدینہ آئے تو یہاں مختلف قبائل سے واسطہ پڑا اور ان کے لہجے بھی جدا جدا تھے، غالباً یہی وجہ ہے جو بھی روایات اس حوالہ سے منقول ہیں وہ سب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام قراءت متواتر انداز میں آپ ﷺ سے ہم تک پہنچی ہیں، ان کی ائمہ کی جانب نسبت مجازاً ہے، ان قراءت سے نہ صرف قرآن کریم کا اعجاز نمایاں ہوتا ہے بلکہ آپ ﷺ کا معجزہ بھی ہے، اس کا سیکھنا سکھانا فرض علی الکفایہ ہے۔ اس کا انکار گمراہی ہے اور اُمت کے تعامل سے انحراف ہے۔

اللہ سے دعا ہے ہم سب کو کامل ایمان کے ساتھ زندہ رہنے اور دنیا سے رخصت ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حواشی وحوالہ جات

① اس موضوع پر قدیم ترین کتاب قتادہ رحمہ اللہ [م ۱۱۸ھ/۷۲۶ء] کی عواشا القرآن اور عمرو بن عبید المعتزلی رحمہ اللہ [۸۰ھ/ بمطابق ۶۹۹ء ۱۴۴ھ مطابق ۷۶۱ء] نے ایک رسالہ أجزاء ثلاثة ومائة وستین کے نام سے لکھا تھا۔

② سزگین، محمد فواد، تاریخ علوم اسلامیہ مترجم شیخ نذیر حسین، پاکستان رائیٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۱۹۹۶ء، ج ا، ص ۱۵

③ اس موضوع پر عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ نے کتاب المقطوع والموصول لکھی، اس طرح شیبہ بن انصاح المدنی رحمہ اللہ [م ۱۳۰ھ ۷۴۷ء] نے کتاب الوقوف لکھی، ان کے استاذ ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ نے کتاب الوقف والابتداء لکھی۔

④ اس موضوع پر امام حسن بصری رحمہ اللہ [م ۱۱۰ھ بمطابق ۷۲۸ء] نے کتاب العدد لکھی۔

⑤ اس موضوع پر ابوعمرو یحییٰ بن الحارث الذماری رحمہ اللہ [م ۱۴۵ھ بمطابق ۷۹۲ء] نے رسم المصحف کے نام سے تحریر کی۔

⑥ القرآن، سورہ ک، آیت ۹

⑦ القرآن، سورہ ک، آیت ۱۰۷

⑧ جاحظ، البیان والتبیین: ۲۸/۲

⑨ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: آپ ﷺ کی گفتگو و خطاب کا طریقہ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں، مطبوعہ مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان، علامہ شبیر احمد عثمانی، کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۰۔۲۱۳

⑩ سزگین، محمد فواد، تاریخ علوم اسلامیہ: ۱۶/۱، ابن الجزری کی طبقات القراء، :۳۳۴/۱ اور مباحث فی علوم القرآن صبحی صالح رحمہ اللہ کی، ص ۲۴۸

⑪ اس حوالہ سے ایک طویل کتابیات میرے غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ: علماء دیوبند کی قرآنی خدمات میں بھی موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑫ اعظمی، قاری ابوالحسن رحمہ اللہ، دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقراءت، دارالعلوم دیوبند،۱۴۰۶ھ اور محبوب رضوی رحمہ اللہ کی تاریخ دارالعلوم دیوبند، انڈیا، ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۲۷۵

⑬ اعظمی، مولانا فضل الرحمٰن، تاریخ جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور،۱۴۲۰ھ، ص ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۵۰، ۴۷۹

⑭ اعظمی، ابوالحسن، تیسیر القراء ات في السبع المتواترات، مکتبہ صوت القرآن، دیوبند،۱۴۰۶ھ، ص ۷

⑮ ایضاً

⑯ مجمع الزوائد: ۱۵۱/۷، ۱۵۳

⑰ اعظمی، ابوالحسن، النفحۃ الجمیلۃ شرح قصیدۃ العقیلۃ، مکتبہ صوت القرآن، دیوبند، انڈیا،۱۹۸۲ء، ص ۵

⑱ خط کی بارہ قسمیں بیان کی گئی ہیں: (۱) معقلی (۲) قیرآموزی (۳) حیری (۴) کوفی (۵) نسخ، (۶) ثلث (۷) ریحان (۸) توقیع (۹) محقق (۱۰) رقاع (۱۱) تعلیق (۱۲) نستعلیق، تفصیل کے لئے دیکھئے: تسھیل البیان فی رسم خط القرآن، نذر محمد مکتبہ صوت القرآن، دیوبند،۱۳۵۵ھ، ص ۹

⑲ خط اور رسم خط کا فرق ان مثالوں سے واضح ہے، العلمین الرحمٰن، الصلحت، یہ قرآنی رسم خط ہے، جسے رسم عثمانی بھی کہا جاتا ہے۔ اسے اس خط میں بھی لکھا جاسکتا ہے، العالمین الرحمٰن الصالحات، یہ تلفظ کے مطابق درست ہے، لیکن قرآنی رسم خط کے خلاف ہے۔

⑳ مثلاً سورہ الحج: آیت ۱۱، میں ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف بمعنی علی وجہ واحد

㉑ مثلاً سورہ النساء: آیت ۴۶، میں یحرفون الکلم عن مواضعہ

㉒ عبیدات، الدکتور محمود سالم رحمہ اللہ، دراسات فی علوم القرآن، دارعمار، اردن،۱۹۹۰ء، ص ۱۵۳

㉓ نذر محمد رحمہ اللہ تسھیل البیان فی رسم خط القرآن، مکتبۃ صوت القرآن، دیوبند،۱۳۵۵ھ، ص ۴۸

㉔ جیسے سورہ بقرہ، ۲۶۱، میں استعمال ہوا ہے۔

㉕ سیوطی، جلال الدین رحمہ اللہ، الاتقان فی علوم القرآن، مکتبۃ مصطفٰی البابی الحلبی، ۱۹۵۱ء، ج ۱، ص ۴۸۷

㉖ نذر محمد رحمہ اللہ تسھیل البیان فی رسم خط القرآن، ص ۵۳

㉗ ایضاً، ص ۵۳، ۵۴

㉘ الزرکشی، بدرالدین رحمہ اللہ، البرھان فی علوم القرآن، مطبعۃ عیسی البابی، الحلبی، مصر، ج ۱، ص ۲۱۲، اور مقدمہ تفسیر الطبری، ج ۱، ص ۵۷

㉙ عبیدات، الدکتور محمد سالم رحمہ اللہ فی علوم القرآن، ص ۱۶۲، ۱۶۳

㉚ ایضاً، ص ۱۶۳

㉛ سورۂ بقرہ: ۱۸۵

㉜ سورہ الم نشرح: ۵۔۶

㉝ سورہ القمر: ۱۷، ۲۲، ۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳۴) سورہ مریم: ۹۷، سورہ الدخان: ۵۸

(۳۵) ابی عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ، جامع ترمذی، حدیث نمبر ۲۹۴۴ اور جامع الأصول: ۴۸۳/۲

(۳۶) مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ، صحیح مسلم، ج ۶، ص ۱۰۳۔۱۰۴، حدیث نمبر ۱۹۰۳۔۱۹۰۴، اور سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۱۴۷۷، سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، ج ۲، حدیث نمبر ۱۵۲، سنن ترمذی، کتاب القراء ات، باب ماجاء فی أن القرآن أنزل علی سبعۃ أحرف، حدیث نمبر ۲۹۴۵

(۳۷) البخاری، محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۲۷، حدیث نمبر ۴۹۹۱، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۸۹۹، مسند احمد، ج ۱، حدیث نمبر ۲۶۳

(۳۸) البخاری، محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ صحیح البخاری، ج ۶، ص ۱۸۵، فتح الباری، لابن حجر عسقلانی، ج ۱۰، ۳۹۹۹

(۳۹) احمد بن حنبل رحمہ اللہ، مسند احمد، ج ۵، حدیث ۱۲۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۹۰۳

(۴۰) السیوطی، جلال الدین رحمہ اللہ الاتقان فی علوم القرآن، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۱، ج ۱، ص ۴۵،

(۴۱) ایضاً

(۴۲) الحسن، الدکتور محمد علی رحمہ اللہ، المنار فی علوم القرآن، مطبعۃ الشرق عثمان، ۱۹۸۳ء، ص ۵۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دوسری قسط

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی☆

تعارف علم القراء ات......اَہم سوالات وجوابات

سوال نمبر⑳: کیا قراءات میں ہر ہر حرف کی سند موجود ہے؟ اور کیا ان کے ثبوت کا ذریعہ قطعی وحتمی ہے؟

جواب: قرآن مجید کی سند ایک ایک آیت کے طور پر یا ایک ایک لفظ کے طور پر یا ایک ایک سورت کے طور پر اس طرح موجود نہیں ہوا کرتی، جس طرح اُسوہ رسول ﷺ متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور ساری روایات کو ملا کر واقعہ کی تصویر مکمل کی جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس سے پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ قرآن مجید ایک نظم میں پرو کر اُمت محمدیہ کو دیا گیا ہے، جبکہ سنت رسول ﷺ اُمت کو اس شکل میں موصول نہیں ہوئی۔ قرآن مجید کو نظم کے اندر پُرو کر دینے کی وجہ صرف یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اُمت کو کرنا تھی اور اس تلاوت کو ایک منظّم کلام کی صورت دینا ضروری تھا کہ اگر کوئی آدمی آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ تلاوت کرنا چاہے تو ایک ترتیب سے پڑھ سکے، جبکہ حدیث میں ایسی کوئی ضرورت موجود نہیں ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے، دوسرا فرق وحی باللفظ اور وحی بالمعنی کا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا قرآن کے ہر ہر حرف یا ہر ہر آیت کی کوئی سند ہے؟ تو یہ بات پچھلی بات سے واضح ہے کہ اس طرح کرکے قرآن مجید کی سند نہیں ہوا کرتی، لیکن امر واقعہ میں ایک بات موجود ہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے علماء کے ہاں دو طریقے معروف ہیں:

① کسی چیز کو بیان کیا جائے اور اس کی سند پیش کردی جائے، جس سے وہ روایت ثابت ہو۔

② ایک چیز کو مجموعہ روایات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ وہ ثابت ہے یا نہیں، چاہے کسی ایک روایت یا سند کی رو سے وہ غیر ثابت شدہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس بحث کے لیے محدثین کے ہاں تواتر کے اندر ایک بحث موجود ہے، جس کا پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ محدثین قدر مشترک کی بنیاد پر بھی کسی بات کو ثابت کرتے ہیں، چاہے وہ بات اپنی ذات کے اعتبار سے خبر واحد ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح بسا اوقات ایک روایت اپنی انفرادی روایت کی جہت سے تو ضعیف ہوتی ہے، لیکن اس روایت کا قدر مشترک والا معنی، جب دیگر روایات سے ثابت ہوجاتا ہے تو محدثین اس روایت کو 'حسن لغیرہ' کہہ کر یا اس روایت کو 'سنداً ضعیف ومفهوماً صحیح' کہہ کر قبول کرلیتے ہیں، جیسا کہ معاذ بن جبل ؓ کی اجتہاد کے حوالے سے معروف روایت، جس میں انہوں نے فرمایا کہ میں قرآن مجید سے فیصلہ کروں گا اور اگر قرآن میں مجھے فیصلہ نہ ملا تو میں سنت سے فیصلہ کروں گا اور اگر سنت میں حل نہ پاؤں گا تو اپنے اجتہاد کے ساتھ دین میں غور کرکے رائے دوں گا......الخ [سنن الترمذي:١٣٢٧، أبو داود:٣٥٩٢] کے بارے میں امام ابن قیم ؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ اپنی

☆ مدیر کلّیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ وانچارج مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود چونکہ مسئلہ اجتہاد کے بارے میں دین کے اندر بے شمار دلائل موجود ہیں، اسی وجہ سے اس حدیث کا خلاصہ دیگر احادیث کی تائید کی وجہ سے ثابت ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن مجید کا ایک ایک حرف اور ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ اس قسم کے تواتر سے ثابت ہے۔ جیسے سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' قراءات عشرہ کبری کے اَسّی طرق سے ثابت ہے۔ تمام کے تمام طرق میں میں بسم اللہ قدر مشترک کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ یہی حال بعد کی آیات کا ہے۔ الرحمن اور پھر الرحیم اَسّی کے اَسّی طرق میں یوں ہی ثابت ہوا ہے۔ اس طرح سے ایک ایک لفظ، ایک ایک کلمہ کو قدرِ مشترک کا تواتر حاصل ہوا ہے اور جن جگہوں پر دو یا زائد قراءات ہیں، وہاں اسی طرق کو تقسیم کر کے دیکھ لیا جائے۔ اگر دو قراءات ہیں تو چالیس چالیس کی نسبت سے اسی کو تقسیم کیا جاسکتا ہے اور اگر تین قراءات ہیں تو اَسّی کو ۲۶، ۲۶ کی نسبت سے تقریباً تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔ اس پہلو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشہ اپنے ثبوت کے اعتبار سے متواترۃ و ثابت ہے۔

سوال نمبر ۴۲: تواتر کی شروط سے کیا مراد ہے اور محدثین اور قراء کے ہاں تواتر میں کیا فرق ہے؟ اسی طرح واضح فرمایئے کہ ثبوتِ قرآن کے سلسلہ میں شرطِ تواتر کے حوالے سے قراء اور عام علماء میں کوئی اختلاف ہے؟

جواب: سوال نمبر ۱۸ کے ضمن میں گذر چکا ہے کہ ثبوتِ قراءات کے لیے کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے یا بالفاظ دیگر ثبوتِ قراءات کا ضابطہ کیا ہے؟ اس ضمن میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ تواتر کی تعریف کے ضمن میں آئمہ حدیث و ماہرینِ علم المصطلح کے ہاں اِختلاف ہے۔

عام متاخرین اہل علم کے ہاں تواتر چار شروط پر مشتمل مجموعہ کا نام ہے، جو کہ یہ ہیں:

① ماروا‌ہ عَدَدٌ کثیرٌ یا ما رَوَاہُ جماعۃٌ یعنی جسے ایک کثیر تعداد یا بالفاظ دیگر ایک جماعت نقل کرے۔
② یہ افراد اتنے ہوں کہ اس روایت میں جھوٹ کا احتمال ختم ہو جائے۔
③ اس خبر کا ذریعہ حس ہو۔
④ یہ صورت حال جمیع طبقاتِ سند میں موجود رہے۔

ان چاروں شرائط کو شروطِ تواتر کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان چاروں شروط کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کا خلاصہ یہ سامنے آتا ہے کہ تیسری شرط وصفِ عمومی ہے جو کہ خبر واحد ہو یا متواتر دونوں میں مشترک ہے، جبکہ چوتھی شرط بھی کوئی امتیازی شرط نہیں، کیونکہ وہ سند کی متعدد کڑیوں میں خصوصی معیارِ ثبوت کے تسلسل کے لیے لگائی گئی ہے۔ اگر سند کی کڑیاں زیادہ نہ ہوتیں تو یہ شرط بھی نہ لگائی جاتی۔ باقی رہیں پہلی دو شرطیں، تو یہ دونوں بظاہر دو محسوس ہوتی ہیں جبکہ حقیقتاً ایک ہی ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں یعنی ما رواہ عدد کثیر یستحیل العادۃ تواطئھم علی الکذب یعنی وہ خبر جس کے ناقلین اس قدر ہوں، کہ روایت و خبر میں جھوٹ کا احتمال ختم ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ چاروں شرطوں میں اصل شے علم قطعی کا حصول ہے۔ بعض لوگوں نے اسی وجہ سے شرائطِ تواتر میں 'علم قطعی' کو مستقلاً پانچویں شرط کے طور پر بھی پیش کیا ہے، جس کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ یہ بات شرط ثانی سے از خود مفہوم ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ تواتر کی مذکورہ تعریف کے قائلین میں سے بھی بعض محتاط اہل علم پہلی شرط کے ضمن میں عددِ کثیر یا 'جماعت' کے افراد کی تعیین نہیں کرتے، کیونکہ بسا اوقات تھوڑے افراد سے بھی مختلف وجوہات کی بنا پر خبر و روایت میں علم قطعی حاصل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات بہت سارے افراد بھی مل جائیں، تو یقین کامل پیدا نہیں ہو پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیقی مذہب یہی ہے کہ متنوع روایات میں جس عدد سے یقین حاصل ہو جائے پس وہی عدد اُس متعین روایت میں معین عدد قرار پائے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ تمام مجموعۂ روایات میں کسی ایک متعین عدد کی تعیین بالعموم کی جاسکے، جیسا کہ بعد کے زمانوں میں بعض افراد نے کیا ہے۔

اس تعریف کے بالمقابل محققین اہل علم نے تواتر کی تعریف میں درج بالا تعریفِ تواتر کے خلاصہ یعنی حصولِ علم قطعی کو اصل قرار دیا ہے یعنی ان چار شرطوں کو اصل بنانے کے بجائے ان کے نتیجہ کو اصل بنایا ہے اور کہا ہے کہ "ما أفاد القطعي فهو المتواتر" یعنی جو روایت بھی علم قطعی کا فائدہ دے وہ متواتر کہلائے گی، برابر ہے کہ اس میں یہ چار شرطیں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ جیسا کہ عام طور پر جب یہ چار شرطیں پائی جاتی ہیں تو اس سے بھی علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور بسا اوقات جب یہ چار شرطیں نہ پائی جائیں اور روایت خبر واحد کے طریق پر مروی ہو اور صحیح ہو، اگر وہ کچھ قرائن سے مقرون ہو تو ایسی روایت بھی ماہرین فن حدیث کے ہاں علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ الغرض اِن محققین اہل علم کے مطابق تواتر کی تعریف میں اصل شے 'علم قطعی' کا حصول ہے، جبکہ بعد ازاں تدوینِ فن تواتر کی ایک ایسی فنی تعریف سامنے آ گئی ہے، جو محققین اہل علم کی طرف سے ذکر کردہ تعریف تواتر کے اعتبار سے کچھ خاص ہے، جبکہ محققین والی تعریفِ تواتر میں عمومیت پائی جاتی ہے، جو کہ چار شروط والی متواتر روایت کو لازما اور خبر واحد کو بعض مخصوص صورتوں میں شامل ہوگی۔

اب آتے ہیں اس بحث کی طرف کہ محدثین اور قراء کے ہاں تعریفِ تواتر میں کوئی فرق ہے؟ اسی طرح یہ کہ قراء اور علماء کے مابین ثبوتِ قرآن کے لیے تواتر کی مشروطیت کے بارے میں کیا اختلاف ہے؟

ہمارا کہنا یہ ہے کہ محدثین اور قراء کے یہاں تعریفِ تواتر میں کوئی فرق نہیں ہے اور اسی طرح ان کے مابین ثبوت قرآن کے لیے تواتر کی شرط لگانے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ جو تعریف محدثین کرام کے ہاں تواتر کی کی جاتی ہے، اس میں چونکہ محدثین کے ہاں خود دو آراء ہیں، اسی نسبت سے قراء کرام کے ہاں بھی ثبوتِ قرآن کے ضابطہ کے بیان میں تعبیر کا اختلاف ہوا ہے۔ عملی بات یہ ہے کہ تمام قراء، جن کا ثبوتِ قرآن کے ضمن میں تواتر کی شرط لگانے کے بارے میں اختلاف ہے، ان کے ہاں ثبوتِ قرآن کے ضمن میں جس بات کے حوالے سے اتفاق ہے، وہ ایسا 'علم قطعی' ہے، جسے محققین اہل علم کے ہاں 'تواتر' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

محدثین کرام میں تعریفِ تواتر کے حوالے سے موجود اختلاف کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے بعض لوگ یہ بات سمجھ رہے ہیں کہ قرآن کے ثبوت کے ضمن میں 'شرط تواتر' کے بارے میں قراء حضرات عام علماء سے مختلف رائے رکھتے ہیں، جبکہ امر واقعہ میں ایسا نہیں ہے۔ عام قراء قرآن مجید کے حوالے سے محققین محدثین، جو کہ تواتر کو علم قطعی سے مربوط کرتے ہیں، کے موقف کے مطابق یہ رائے رکھتے ہیں کہ قرآن مجید تواتر یعنی علم قطعی سے ثابت ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ قراء کے ہاں قرآن مجید کے ثبوت کے لیے 'علم قطعی' کا حصول ضروری ہے، جو اکثر اوقات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عام علمائے محدثین کی تعریفِ تواتر کی رو سے ثابت ہوتا ہے اور بسا اَوقات الخبر الواحد المحتف بالقرائن کے قبیل سے ہوتا ہے، جبکہ محققین محدثین کے ہاں اس دوسری صورت کو بھی نتیجہ کے اعتبار سے تواتر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہرحال آپ تواتر کی دونوں تعریفوں میں کوئی تعریف بھی لے لیں، ثبوتِ قرآن میں تواتر کی مشروطیت یا عدم مشروطیت کے بارے میں قراء اور علماء کے مابین پایا جانے والا مذکورہ سارا اختلاف لفظی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض معاصر اہل علم، جو کہ ثبوت قرآن کے ضمن میں تواتر کی مشروطیت کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، وہ بھی موجودہ قراءات عشرہ کو 'تواتر حکمی' سے ضرور ثابت شدہ مانتے ہیں۔

المختصر قراء کرام کے ہاں بالعموم یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن مجید کا ثبوت الخبر الواحد المحتف بالقرائن کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اب آپ ایسی خبر کو 'خبر متواتر' کہیں یا 'خبر واحد'، بہرحال قراء کے ہاں یہ مسئلہ متعین ہے کہ قرآن مجید کا ثبوت عام آئمہ حدیث کے ہاں طے کردہ چار شروطِ تواتر سے ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کے ثبوت کے لیے 'علم قطعی' ضروری ہے۔ اب اس 'علم قطعی' کے حوالے سے آپ محققین محدثین کی تعبیر پیش کریں یا عام محدثین کی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس اختلاف کے حوالے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں یہ سارا اختلاف لفظی ہے، چنانچہ قراء کرام کے ہاں بس ایک بات کا تعین ہے کہ قرآن مجید کے ثبوت میں ''قطعی الثبوت' ذریعہ چاہیے، برابر ہے کہ وہ محققین کی تعریفِ تواتر کے نام سے سامنے آئے یا عام محدثین کی تعریفِ خبر واحد کا مصداق بن کر آئے۔ اس ضمن میں جو باتیں سامنے آتی ہیں اس سے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محدثین اور قراء کے ہاں تواتر کی تعریف میں فرق ہے۔ اسی ضمن میں یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قراء کے مابین بھی ثبوت قرآن کے لیے تواتر کو بطور شرط ماننے میں اتفاق نہیں، حالانکہ یہ سارا اختلاف مسئلہ کا گہرائی سے جائزہ نہ لینے کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ قراءات بھی اس معاملہ میں الجھے ہیں۔ امام الفن حافظ ابن جزری رحمہ اللہ، جو علم قراءات وعلم حدیث دونوں کے مسلمہ امام ہیں، کبھی یہ کہتے ہیں کہ ثبوت قراءات کے لیے تواتر ضروری ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ تواتر کے بجائے اگر قراءات صحت سند سے ثابت ہوجائے اور وہ لغات عرب ورسم عثمانی کے موافق ہو، نیز اہل فن کے ہاں اسے قبولیت عامہ یعنی تلقی بالقبول بھی حاصل ہو تو وہ ثابت قرار پائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسری صورت وہی ہے جسے ماہرین علم المصطلح کے بیانات میں الخبر الواحد المحتف بالقرائن کہا جاتا ہے، جس کے بارے میں ان کا اتفاق ہے کہ وہ علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

مذکورہ بحث کے ضمن میں یہ بات ضرور مدنظر رہنی چاہیے کہ 'علم قطعی' یا 'تواتر' کے حصول کی کچھ صورتیں ایسی ہیں، جو علم الحدیث میں نہیں پائی جاتیں، بلکہ صرف علم القراءات میں موجود ہیں، جیسا کہ ثبوتِ قراءات میں 'تواترِ طبقہ' کا معاملہ ہے، جس کے بارے میں اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ ثبوت میں قوت کے اعتبار سے ایسا تواتر 'تواتر اسنادی' سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۴۲: کیا قراء کے ہاں خبر واحد سے قرآن مجید ثابت ہوتا ہے؟

جواب: پیچھے وضاحت ہوچکی ہے کہ بنیادی چیز خبر واحد یا خبر متواتر نہیں ہے، بلکہ بنیادی شئے علم قطعی ہے۔ علم قطعی ہی وہ بنیادی شے ہے جو خبر متواتر کا ماحصل ہے اور اگر خبر واحد بھی علم قطعی کا فائدہ دے جائے تو ایسی روایت کو اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متاخرین کی اصطلاح کے مطابق 'خبر واحد' بھی کہہ لیا جائے تو بھی نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ خبر متواتر کا ماحصل اور خلاصہ بھی 'علم قطعی' ہی ہے۔ اگر کوئی ایسی قراءت، جو کہ خبر واحد سے ثابت ہو، لیکن اس کا ماحصل 'قطعیت' ہو تو ایسی روایت اپنے ثبوت میں خبر متواتر کے قریب یا اس جیسے مضبوط ذریعہ ہی سے ثابت ہوتی ہے، چنانچہ ہم دونوں تعبیرات کے حوالے سے کوئی تحفظ نہیں رکھتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے تو ہم اس بات کو بھی غلط نہیں سمجھتے اور اگر کہا جائے کہ نہیں! بلکہ قرآن کریم کے ثبوت کے لیے روایتی تواتر (تواتر الاسناد) ضروری نہیں بلکہ 'قطعی روایت' کافی ہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ہمیں اس قسم کے لفظی اختلاف پر کوئی حساسیت نہیں۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محققین محدثین کا تصورتواتر ہو یا عام محدثین کی خبر واحد، جو کہ علم قطعی پر منتج ہو، دونوں میں اختلاف محض تعبیر کا ہے، جس کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سوال نمبر ۴۳: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قراءات کی اجازت اوّلاً تھی، بعد میں منسوخ یا موقوف کردی گئی؟ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: بعض منکرین قراءات، جوکہ ابتدائی دور کے لحاظ سے متنوع قراءات کو تسلیم کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کو مختلف اندازوں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن بعدازاں اس رخصت کو منسوخ کردیا گیا، کیونکہ جس غرض سے ان قراءات کو پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ غرض پوری ہو چکی تھی، چنانچہ ان قراءات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی رائے کے ساتھ منسوخ یا موقوف کردیا۔ اس نقطہ نظر کے حاملین کے ہاں بنیادی طور پر یہ ذہنیت پائی جاتی ہے کہ شریعت کے وہ احکام، جو مصالح ومقاصد کے پیش نظر دیے گئے ہیں وہ وقتی ہوتے ہیں، جنہیں مقاصد کے حصول کے بعد منسوخ یا موقوف کیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں عام طور احادیث میں مذکور احکامات اسی قبیل سے ہیں۔

اس بات کی وضاحت یہ ہے کہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ شرع میں ذکر کردہ مصالح سے متعلق اَحکام صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی رعائت اور حالات کے اعتبار سے مشروع کیے گئے تھے، چنانچہ اُس دور کے حالات سے منسلک احکامات بنیادی طور پر شریعت سے خارج ہوتے ہیں۔ شریعت میں مذکور مصالح، جنہیں اصطلاح اصولیین میں 'مصالح معتبرۃ' کہتے ہیں، سے متعلق احکام کے بارے میں ان لوگوں کے ذہن کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ ان شرعی مصالح کو فقہی واجتہادی مصالح، جنہیں اُصولیوں کی اصطلاح میں 'مصالح مرسلۃ' کہتے ہیں، کی طرح سمجھتے ہیں، حالانکہ اہل سنت کے ہاں شرعی مصلحت دائمی وابدی، جبکہ فقہی مصلحت وقتی وعارضی ہوتی ہے۔

علمائے اصول کے ہاں 'مصالح مرسلۃ' کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ تمدن کی تبدیلی سے پیدہ شدہ نئے حالات میں فقہاء کرام بسا اوقات شریعت کی کسی نص کے انطباق میں شرعی مقاصد (شریعت کی بیان کردہ عمومی مصالح) کا لحاظ رکھتے ہوئے معاملہ کی نوعیت اور مسئلہ کے ہمہ گیر پہلوؤں کی رعائت میں شریعت میں موجود اس واقعہ سے ملتے جلتے واقعات (نظائر) کے بارے میں وارد شرعی نصوص پر قیاس کرکے اجتہاد واستنباط سے کچھ حدود و قیود کا اضافہ یا کمی کردیتے ہیں۔ تمدن کے نئے تقاضوں سے جو انسانی ضروریات سامنے آتی ہیں، مجتہد کے لیے شرعی مقاصد اور تعلیمات دین کی روشنی میں ان کی رعائت کرنا شارع کا مطلوب ہے، جسے 'اجتہاد' کے مبارک عمل سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا کیا جاتا ہے۔ فقہاء کے استنباطات و اجتہادی آراء کا شرعی نصوص و احکام سے بنیادی ترین فرق یہ ہے کہ ہمارے نبیﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں، اسی لیے آپ کی لائی ہوئی شریعت بھی ابدی ہے، جسے منسوخ یا موقوف کرکے اب نئی شریعت قیامت تک نہیں لائی جاسکتی، برابر ہے کہ وہ کسی نئے حکم کے وجود میں لانے کی صورت میں ہو یا شریعت میں پہلے سے موجود کسی حکم کو ختم کرنے کے کی شکل میں، لہٰذا شریعت میں مذکور مصالح ورخصتیں بھی روزِ اول سے دائمی حیثیت ہی رکھتی ہیں، جبکہ فقہاء کے ذکر کردہ مصالح کی حیثیت بہرحال یہ نہیں ہے۔

الغرض اجتہاد کے بنیادی مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ شرع کے اندر ہوتا ہے، باہر نہیں اور یہ شرع کے نسخ کا نام نہیں، بلکہ اس کا کام نئے تمدنی تقاضوں کے لیے شریعت کی توضیح وتشریح کرنا ہے، چنانچہ شرع میں جن مقاصد اور جزوی یا کلی مصالح کو سامنے رکھ شرعی احکام دیے گئے ہیں، اب قیامت تک آنے والے انسانوں کے مصالح کا ایک خلاصہ سامنے رکھتے ہوئے ان شرعی احکام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ابدی ہدایت پیش کردی ہے، جس میں قیامت تک تمام زمانوں اور لوگوں کی جمیع ضروریات اور طبعی وتمدنی تقاضوں کا لحاظ کرلیا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ اللہ علیم وخبیر نے جن مقاصد ومصالح کی رعائت کرکے اپنے علم وحکمت کی روشنی میں جو احکامات پیش کردیئے ہیں، بعد کے زمانوں کے بعض مصالح کی ان میں رعائت نہیں کی گئی انتہائی خطرناک بات ہے۔ اس تناظر میں ہمارا کام بس یہی ہے کہ ہم اپنے مخصوص علاقائی اور وقتی تقاضوں کی رعائت میں شرع کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔ اس صورت میں جو فقہی واستنباطی راہنمائی سامنے آئی گی وہ بھی علاقائی اور وقتی ہی ہوگی، اسے ابدی اور کلی قرار دینا انتہائی غلط ہوگا۔ عالمگیریت اور ابدیت صرف شرعی احکامات کا خاصہ ہے، فقہی واجتہادی احکام کی یہ صفت نہیں ہے۔ اسی لیے علمائے اصول کے ہاں شرعی مصلحت کو 'حکمت' کہا جاتا ہے، جو رب حکیم کی صفتِ علیم وخبیر کی روشن مثال ہوتی ہے، جبکہ انسانی مصلحت کو 'حکمت' کے بجائے 'اجتہادی مصلحت' کی متوازی اصطلاح سے بیان کیا جاتا ہے۔ شریعت کی اسی عالمگیریت اور جامعیت کو واضح کرنے کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے معارج الوصول فی بیان أنَّ أصولَ الدِّین وفروعَه قد بیَّنه الرّسولﷺ کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس کا مطالعہ اس ضمن میں انتہائی مفید ہوگا۔

مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم آتے ہیں سوال کے جواب کی طرف تو میں واضح کرنا چاہوں گا کہ منکرین قراءات، جن کی اپنی دینی بنیادیں مضبوط نہیں، انہوں نے فقہی مصلحت کے انداز پر قراءات کی توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہﷺ پر جو قرآن نازل ہوا تھا، وہ تو بنیادی طور پر ایک ہی وجہ یا ایک ہی لہجہ کے ساتھ نازل ہوا تھا لیکن محمدﷺ نے متاخرین فقہاء کی طرح قرآن مجید کے اندر لوگوں کی مشکلات یا مصلحت وحکمت کی پیش نظر کچھ چیزوں کی گنجائش اپنی طرف سے دے دی تھی۔ ہمارے نقطہ نظر کے مطابق یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ معاملہ ایسے بھی ہو، جیسے ذکر کیا جارہا ہے تو محمد رسول اللہﷺ اگر کوئی بات قرآن یا سنت میں اپنے اجتہاد کی پیش نظر کہیں تو اہل سنت والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق چونکہ اس کے اوپر وحی کی نگرانی ہوتی ہے، چنانچہ وہ چیز نتیجتاً وحی بن جاتی ہے، جیسے کہ کنَّا نعزِل والقرآن ینزل[صحیح مسلم:۱۴۴۰] کی مثال ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے رسولﷺ کے سامنے تو عزل نہیں کیا کرتے تھے، لیکن زمانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزول وحی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عزل کرنا اور قرآن مجید کا نازل ہونا اور اللہ کے رسول ﷺ کا اس پر خاموش رہنا یہ خود ایک تقریری حدیث کی بنیاد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس نوع کو اپنی جامع صحیح کے کتاب الاعتصام میں باقاعدہ ایک باب قائم کرکے واضح کیا ہے۔

اس بات کو ایک اور انداز سے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی سے شرعی حکم کے قرار (تقریر) پاجانے کی اصل توجیہہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سکوت کا معنی یہ بنتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُس بات پر سکوت فرمایا ہے، جس پر آپ خاموش رہے ہیں، گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے ہیں، جیسا کہ روایات میں موجود ہے کہ بسا اوقات محمد ﷺ نے اجتہاد فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اجتہاد کے حوالے سے جو کمزوری کا پہلو تھا اسے بیان فرمادیا، تو اگر اللہ تعالیٰ کمزوری کو بیان فرمادیں تو ایسی صورت میں وہ چیز شریعت نہیں بنتی، لیکن اگر واضح نہ فرمائیں تو ایسی صورت میں اللہ کے رسول ﷺ کی خاموشی سے وہ شے شریعت قرار پاجاتی ہے، جسے اصطلاحا تقریر کہا جاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز پر خاموش رہ جانے سے جو شے ٹھیک قرار پاتی ہے اسے اِصطلاحا 'استصواب' کہا جاتا ہے۔

اس حوالے سے اُصولیوں کا ایک قاعدہ ہے: "السکوت فی مَعْرِضِ البَیَان بیانٌ"

''جب کسی جگہ بیان کی ضرورت ہو اور بیان کرنے والا ضرورتِ بیان ہونے کے باوجود بیان نہ کرے تو عدم بیان اس چیز کے شرعی جواز کی دلیل ہوتا ہے۔''

چنانچہ جن لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال موجود ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے قراءاتِ قرآنیہ کو وحی کے بجائے اپنے اجتہاد سے جائز کردیا تھا، اگر یہ بات بھی کی جائے تو بھی آپ ﷺ کی اجازت نتیجتاً وحی بن جاتی ہے۔ البتہ امر واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ روایات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے قراءات کے اختلاف کو اپنے اجتہاد سے پیش نہیں فرمایا، بلکہ باقاعدہ اللہ تعالیٰ سے ان کے نزول کا تقاضا دعائیں کرکر کے فرمایا تھا، جیسا کہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے حوالے سے صحیح روایات میں موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بنی غفار کے تالاب کے پاس دونوں تشریف لائے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ بار بار تقاضا کرکے اللہ تعالیٰ سے اختلاف قراءات کو طلب فرماتے رہے، میکائیل مزید تقاضے کا مشورہ دیتے جاتے اور جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حروف لے کر آتے جاتے، حتیٰ کہ ہر طلب پر ایک ایک کرکے سات حرف کا نزول ہوا۔ [صحیح ابن حبان:۷۳۴] اسی طرح دیگر تمام وہ روایات، جن میں قراءات کے سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کا ذکر ہے، ان میں موجود ہے کہ جب وہ اپنا اختلاف لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ہر ایک کی قراءت سننے کے بعد یوں فرمایا: "هكذا أُنزِلَتْ، هكذا أنزلت"۔ [صحیح البخاري:۵۰۴۱] خصوصا خود حدیث 'سبعة أحرف' کے الفاظ "أنزِلَ القرآنُ علی سبعةِ أحرُفٍ" میں غور کیا جائے تو سمجھ آتا ہے کہ پہلی روایت کے مطابق ایک حرف کا آسمان سے آنا، پھر دوسرے حرف کا آسمان سے اترنا اور پھر تیسرے حرف کا آسمان سے نازل ہونا، حتی کہ معاملہ کا سات حروف تک اسی نوعیت پر پہنچ جانا، اسی طرح دوسری قسم کی روایات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین مختلف اندازوں سے پڑھنے کے بارے میں ہر ایک کے حوالے سے آپ کا یوں تصدیق کرنا: "هكذا أنزلت، هكذا أنزلت" [صحیح البخاري:۵۰۴۱] اور حدیث 'حروفِ سبعہ'

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قرآن کا سات حروف کے ہمراہ نازل ہونے کا ذکر ہونا، یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ قراءات کا یہ تمام اختلاف بنیادی طور پر آسمانوں سے نیچے اترا ہے، کیونکہ لغت میں نزول کا یہی معنی لکھا ہے کہ شے کا اوپر سے نیچے اترنا۔ ثابت ہوا کہ معاملہ یہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے ان کو جائز قرار دیا اور اللہ کے تصویب کے ساتھ ان کو شریعت کا مقام ملا۔

الغرض جب یہ مقدمہ متعین ہوگیا تو اس حوالے سے یہ سوال کرنا بنیادی طور پر درست نہیں رہتا کہ قراءات کی اجازت رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے دی تھی اور جب یہ مشکل ختم ہوگئی تو پھر اس اجازت کو بعد از اں حضرت عثمان نے صحابہ سمیت یا بالفاظ دیگر امت نے ختم (منسوخ یا موقوف) کردیا۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ ان قراءات کی اجازت وحی سے ملی تھی، وحی کا ذریعہ صراحتاً اللہ کی طرف سے نزول کا ہو یا وحی کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے اجتہاد اور اس پر اللہ کی تصویب کے قبیل سے ہو، ہر دو صورت میں اس گنجائش کو ختم کرنے کے لیے وحی ہی سے نسخ ثابت کرنا ضروری ہے اور اگر وحی سے اس کا نسخ ثابت نہ کیا جاسکے تو کسی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جیسے ہمارے ہاں مصالح مرسلہ اور سد الذرائع کی مباحث چلتی ہیں اور حالات کے تحت اگر پیش نظر وقتی وعارضی مشاکل ومصالح ختم ہوجائیں تو ہم ان اجتہادی آراء کو ختم کردیتے ہیں یا نئے حالات کے مطابق بدل دیتے ہیں، تو دین وشریعت کی مباحث میں بھی اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے الإحکام في أصول الأحکام اور الفصل في المِلَل والاھواء والنِّحل میں اس قسم کے عقیدے کو شدید ترین گمراہی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے قطعا ایسا نہیں کیا، بلکہ اگر وہ یوں کرتے تو اس عمل سے ملت اسلامیہ سے خارج ہوجاتے۔ [الاحکام: ۱/۵۶۵]

اگر اس معاملے کو کسی اصول کے طور پر تسلیم کرلیا جائے تو دین حنیف کے بے شمار وہ احکامات، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی مشاکل کو سامنے رکھتے ہوئے رخصتوں کے ضمن میں پیش کیے ہیں، ان کے بارے میں ملحدین کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ جب وہ مشاکل ومصالح ختم ہوجائیں یا حالات کا پس منظر بدل جائے تو دین کے اس قسم کے احکامات کو اجماعی یا انفرادی اجتہاد سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ کے علم وحکمت کے اوپر صریح اعتراض اور رسول اللہ ﷺ کے ختم نبوت کے واضح انکار کے مترادف ہے۔ منکرین حدیث نے اسی مکروفریب سے قرآن میں خصوصا اور حدیثوں میں عموما وارد شدہ بے شمار جزئی احکامات کا اپنے تئیں انکار یا اجتہاد کے نام پر نسخ کرڈالا ہے، جیسے قتال کا انکار، کتاب وسنت میں وارد شدہ حدود وتعزیرات کا انکار، حجاب کا انکار، اسبالِ ازار کا جواز، ڈاڑھی کا انکار، تصویر اور بت سازی کا جواز اور دیگر وہ کچھ جس سے پورے دین اسلام کا نقشہ الٹ کر رہ گیا ہے اور ایک نئے سیکولر اور لبرل اسلام کی تصویر سامنے آرہی ہے۔ میں اس ضمن میں قرآن مجید میں وارد شدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کرنا ہی بیان کے لیے کافی سمجھتا ہوں:

﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ [النساء: ۱۶۶]

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ کسی شے کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی ذات، تمام جن وانس حتی کہ تمام فرشتوں تک کی حاجت نہیں، چہ جائیکہ ایک شے کو اللہ بطور اپنے حکم کے پیش کردیں اور سمجھا جائے کہ اللہ کے حکم کو پوری امت مل کر ختم کرسکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر ۴۳: کیا 'سبعة أحرف' میں موجود ہر لغت کا صراحتاً نزول ہوا تھا یا اس نزول کی نوعیت میں کچھ تفصیل تھی؟

جواب: جب یہ بات متعین ہوگئی ہے کہ 'حروفِ سبعہ' محمد رسول اللہﷺ کی دعا وطلب پر اللہ کی طرف سے امت کے لیے بطورِ اجازت نازل کیے گئے تھے، تو اس کے بعد مذکورہ سوال کی اب کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ وحی اور اس کے نزول کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہے۔ اب خود وحی یا اس کے نزول کی نوعیت متعدد دینی امور میں عموما اور 'حروف سبعہ' کے ضمن میں خصوصا کیا تھی؟ اس قسم کے سوالات کی کوئی دینی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے محض اتنا کافی ہے کہ وحی کے صورت میں جو دین ہمیں ملا ہے اس میں تعددِ قراء ات کا مسئلہ موجود ہے اور ہم اس پر اپنے عقیدے کی رو سے ایمان بھی لاتے ہیں، جبکہ اللہ کی فضل وکرم سے ہمیں اس سلسلہ میں قلبی اطمینان بھی حاصل ہے۔

اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ایمان لانے کے لیے وحی کا عقلی طور پر سمجھ آنا ضروری نہیں، البتہ اضافی اعتبار سے توجیہ کی جاسکتی ہے، لیکن وہ محض انسانی کد وکاوش ہی ہوتی ہے، منزل من اللہ نہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ حقیقت میں بھی معاملہ یوں ہی ہوگا، جیسا کہ توجیہ کرنے والے نے پیش کیا ہے، ضروری نہیں، الا کہ اس توجیہ کا ذکر نصوص شرعیہ میں ہو۔ ہم بھی ان پہلوؤں کی رعائت کے ساتھ معاملہ کی نوعیت کے بارے میں نصوص کی روشنی میں کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ یہ بحث ایسی ہے جس پر بعد ازاں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ اوران کے ہم نوا بے شمار اصحاب علم کے 'سبعة أحرف' سے متعلقہ بعض نظریات کی بنیاد ہے۔ اسی بنا پر باوجود یکہ میں اس مشکل اور دقیق بحث میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا، لیکن اس موضوع کو کچھ کھولتے ہیں۔

جس طرح یہ نظریہ صحیح نہیں کہ 'سبعة أحرف' کا نزول اللہ کی طرف سے نہیں ہوا، بلکہ محمد رسول اللہﷺ نے اپنی طرف سے انہیں جاری کردیا تھا، اسی طرح اس بات پر زور دینا کہ 'حروفِ سبعہ' کے نزول کا معنی یہ ہے کہ ان کا ہر ہر جزء آسمانوں سے باقاعدہ صراحتاً اترا ہے، متعین نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے ضمن میں 'سبعة أحرف' میں شامل وہ مترادفات، جو کہ عرضۂ اخیرہ میں بالاتفاق منسوخ کردیئے گئے تھے، کے حوالے سے یہ اصرار کہ یہ باقاعدہ یوں نازل ہوئے کہ جس طرح قرآن مجید تئیس سالہ عرصہ میں آہستہ آہستہ اترا، متعین نہیں، کیونکہ معاملہ کی نوعیت کے بارے میں اس قسم کی تصریح دین میں کہیں موجود نہیں۔ دین میں تو صرف یہ بات آئی ہے کہ متعدد اندازوں پر قرآن کو پڑھنے کی اجازت اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے، لیکن نزول کی نوعیت کیا تھی؟ یہ کہیں واضح نہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ اس بحث کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں، لیکن اس نوعیت کے بارے میں چونکہ بعض متقدمین اہل علم نے بحث چھیڑ دی ہے، چنانچہ ہم بھی بحث کررہے ہیں۔

اللہ کی ہدایت، جو بصورت وحی انبیاء پر اترتی ہے، اس کے کئی ایک طریقے ہیں، جو محتاج بیان نہیں، البتہ اس ضمن میں ایک بات متعین ہے کہ رسول کی بات امت کے حق میں اپنی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ رسول کا کام پیغام رسانی ہی کا ہے۔ وحی کے معنی 'خفیہ طریقے سے سریع الہام' کے ہیں۔ اب اس مفہوم میں نزول کی کئی صورتیں داخل ہوسکتی ہیں۔ وحی کے آنے کی نوعیت صرف یہی نہیں ہوتی کہ فرشتہ آسمانوں سے ہی ایک شے کو باقاعدہ لے کر اترے، بلکہ یہ صورت بھی وحی ہی میں شامل ہے کہ ایک شے آپ کے سامنے یا آپ کے زمانہ میں کی جائے اور اس کا رد نازل نہ ہو تو رسول اللہﷺ کی 'تقریر' اور اللہ تعالی کے 'استصواب' سے وہ وحی

رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار پا جائے۔ اسی طرح وحی کا ایک اسلوب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر درپیش کسی مشکل کے حوالے سے نبی کو اللہ تعالیٰ یہ اِجازت دیدیں کہ وہ اس مشکل کے حوالے سے نصوصِ شرعیہ اور دینی مقاصد وعمومی مصالح کی روشنی میں اجتہاد کرکے کوئی بات بیان کرے اور اللہ کی طرف سے خاموشی وتصویب اسے وحی کی صورت دیدے۔ الغرض ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾[النجم:۳،۴] میں صرف وحی کا صراحتاً نزول شامل نہیں، بلکہ مذکورہ قسم کی وحی کی دیگر صورتیں بھی شامل ہیں۔

'سبعة أحرف' کے ثبوت کے حوالے سے مشہور 'حدیث جبریل ومیکائیل' سے یہ بات واضح ہے کہ 'حروفِ سبعہ' ایک ہی موقع پر مختصر وقت میں اتر آئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'حروف سبعہ' میں شامل مترادفات کو پڑھنے کی اِجازت ایک وقتی مشکل کے تحت دی گئی تھی، جسے بعدازاں عرضۂ اخیرہ میں مشکل ختم ہونے پر خود نبی کریم ﷺ نے وحی کی روشنی میں منسوخ فرمادیا تھا۔ عصر حاضر میں عام ذہنیت یہی ہے کہ ان کی تعداد احادیث میں وارد شدہ محض چند کلمات مثلا هلمَّ، تعالِ اور أقبل وغیرہ تک ہی محدود تھی، جبکہ تحقیق کے مطابق یہ کئی ہزاروں پر مشتمل تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں وحی کی اجازت بھی یوں تھی کہ جن چیزوں کی ادائیگی ابتداءً بعض قبائلِ عرب کے لیے عدم استعمال کی وجہ سے مشکل تھی انہیں مخصوص مقامات میں ان کلمات سے ملتے جلتے کلمات یعنی مترادفات سے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی ہو۔ ان کے بارے میں نزول کا معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اجازت دیدی تھی کہ جہاں کسی لفظ کی ادائیگی میں کسی کے لیے کوئی مشکل ہو، اسے اس کی لغت کے مطابق اس لفظ کے ہم معنی یا قریب المعنی لفظ سے کلمہ بدلنے کی رخصت دے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آہستہ آہستہ متعدد قبائل سے متعلق وہ لوگ قرآنی لغت سے مانوس گئے تو مترادفات سے پڑھنے کی یہ اجازت بھی منسوخ کردی گئی۔

مترادفات کے بارے میں اس توجیہ کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مترادفات کے مطابق پڑھنے کی اجازت ایک وقتی مجبوری کے تحت بطورِ تدریج دی گئی تھی، کیونکہ روایات کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز ان کا اختلاف بھی حقیقی اختلاف کے قبیل سے ہوتا ہے، جس کے معانی پر انتہائی باریک قسم کے اثرات پڑتے ہیں۔ البتہ 'سبعة أحرف' میں شامل دیگر قسم کے اختلافات کا یا تو معانی پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جیسے متنوع لہجوں کا اختلاف (یعنی قراء کی اصطلاح میں قراءات کا اصولی اختلاف)، یا اثر تو ہوتا ہے لیکن وہ توضیح معانی کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے، جیسے اسالیبِ بلاغت کا اختلاف (یعنی قراء کی اصطلاح میں قراءات کا فرشی اختلاف)۔

مترادفات سے متعلق ہماری اس توجیہ کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے زمانہ میں عام معروف اندازے کے بالمقابل ان مترادفات کی تعداد کئی ہزاروں پر مشتمل تھی۔ ان کے حوالے سے متعدد معروف کتب قراءات، خصوصا کتاب المصاحف از ابن ابی داؤد رحمہ اللہ وغیرہ سے مستشرقین میں سے صرف ایک شخص آرتھر جیفری نے جو ایک انتہائی ناقص اور محدود جائزہ پیش کیا ہے، صرف اس میں ان کی تعداد ۶۰۰۰ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ان مترادفات کا حقیقی جائزہ اُن مصاحف کی روشنی میں لیا جانا ممکن ہوتا، جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ختم کردیے تھے تو مترادفات کے قبیل کے یہ اختلافات مذکورہ تعداد سے کئی گنا بڑھ کر ہوتے۔ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلافات کا ایک سرسری جائزہ لینے کے لیے مناسب ہوگا کہ قراء ات نمبر (حصہ اوّل) میں مطبوع ڈاکٹر محمد اکرم چودھری کے مضمون کا قارئین دوبارہ مطالعہ کر لیں، جس سے یہ آسانی سے احساس ہوجائے گا کہ صحیح بخاری میں پیش کردہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشاہدے کے مطابق بیان کردہ اختلافِ قراءات سے قطع نظر اس سے قبل مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں منسوخ التلاوۃ کلمات (اور تفسیری کلمات کو بطور قرآن پڑھنے) کے ضمن میں اختلاف قراء ات کا جو معاملہ درپیش تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم خود اس سلسلہ میں انتہائی پریشان تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی توجہ دلانا تو صرف ایک سبب بن گیا، ورنہ جمع عثمانی کا اصل پس منظر آذربائجان اور آرمینیہ وغیرہ علاقوں میں موجود اختلاف کے ساتھ ساتھ درحقیقت 'قراء ات شاذہ'، جو کہ منسوخ التلاوۃ کلمات اور تفسیری کلمات کا بطور قرآن رائج پذیر ہو جانا جیسے اختلافات پر مشتمل ہوتی ہیں، کے ضمن میں عرضہ اخیرہ میں منسوخ شدہ وہ اختلافِ قراء ات بھی تھا جو کہ انتہائی پریشان کن نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا تو ابتداء بھی اس کام کی بھرپور تائید کی گئی اور کر چکنے کے بعد بھی ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عمل کے صحیح ہونے پر اتفاق رائے کا اظہار کیا۔

اسی طرح یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصلا 'سبعة أحرف' کے موجود اختلافات پر تو صرف اس قدر کام کیا تھا کہ ایک ایسا جامع رسم، جو کہ قبل ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توقیفی طور پر چلا آرہا تھا اور اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یکجا کر دیا تھا، پیش کر دیا جو کہ اعراب ونقط سے خالی ہونے کی وجہ سے جمیع غیر منسوخ اختلافاتِ قراء ات کو شامل تھا، لیکن ان کا اصل کام، جس وجہ سے انہیں 'جامع القرآن' کا لقب ملا وہ یہ تھا کہ وہ غیر مصدقہ مصاحف، جو کہ منسوخ التلاوۃ کلمات کے ایک بڑے ذخیرے پر مشتمل تھے، کو ختم کرنے اور اُمت میں متفقہ متن مصحف کو پیش کرنے کا باعث بنے، ورنہ جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمات بھی معمولی نہ تھیں کہ انہیں جامع القرآن کا لقب نہ ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین نے قرآن مجید کو محرف ثابت کرنے کے لیے اس کے متن کو خصوصا موضوع بحث بنایا ہے اور اس ضمن میں جس شے سے انہوں نے بہت ہی فائدہ اٹھایا ہے وہ اختلاف قراء ات کے ضمن میں مترادفات کا اختلاف ہے، نا کہ لہجات واسالیب بلاغت کے قبیل کا اختلاف، کیونکہ ان دونوں شکلوں کا اختلاف قراء ات تو ہر صورت میں رسم عثمانی میں آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت قراء ت کی متفقہ شرط رسم عثمانی کی موافقت ہے اور موجودہ قراء ات عشرہ کے اصولی وفرشی سب قسم کے اختلافات اس شرط پر پورا اترتے ہیں۔

نوٹ: قراء ات شاذہ مترافات کے قبیل کے منسوخ التلاوۃ کلمات اور تفسیری الفاظ پر مشتمل ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو کہ ثبوت قرآن وقراء ات متواترہ کی شرائط پر ثابت نہ ہوسکے۔ انہی کی ایک صورت اُن موضوع روایات (قراء ات) پر بھی مشتمل ہے، جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے زمانہ میں منسوخ التلاوۃ وغیرہ کے ضمن میں موجود اختلافِ قرآن سے فائدہ اٹھا کر ملاحدہ اور یہود ونصاری نے داخل کر دیں تھیں، اگرچہ ماہرین فن نے ان کا اصطلاحی نام 'موضوع قراء ات' ہی رکھا ہے۔ جمع عثمانی کے اسباب میں یہ سارے اسباب ہی پیش نظر تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں ہمیں نزول 'سبعة أحرف' کے ضمن میں امام طحاوی رحمہ اللہ کی اس رائے کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ 'سبعة أحرف' میں سے حرف قریش کے علاوہ باقی حروف نازل ہی نہیں ہوئے تھے، بلکہ اجازت کے قبیل سے تھے، یہ تعبیر درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب صراحتاً روایات میں موجود ہے کہ قرآن کریم کا نزول 'حروف سبعہ' پر ہوا ہے، تو ہم نزول کا کس طرح انکار کرسکتے ہیں، بلکہ اس طرح تو ایک نیا سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر قرآن کا نزول محض لغت قریش پر ہوا تھا تو عرضہ اخیرہ میں چھ لغات کا منسوخ ہونے کا کیا معنی ہوا۔ نسخ تو منزل من اللہ احکام ہی کی تنسیخ کا نام ہے۔ اس لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کے بالمقابل امام ابن جریر رحمہ اللہ سمیت عام اہل علم کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ قرآن کا نزول سات حروف پر ہوا ہے۔ البتہ اگر امام موصوف کا مقصود یہ ہے کہ ایک حرف قریش اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کی تمام الفاظ، آیات اور سورتوں کا تو باقاعدہ نزول ہوا تھا، جبکہ باقی چھ حروف کے نزول کی کیفیت عام نزول سے مختلف تھی، جیسا کہ ہم نے تفصیلاً پیش کیا ہے، تو اس بات میں واقعتاً کوئی حرج نہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ کسی مصلحت کے تحت اور فتنہ وفساد کے تدارک کے لیے اسلامی سلطنت کے خلیفہ کو کیا اس بات کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ دین میں موجود کسی حکم کو وقتی اور عارضی طور پر موقوف کردے؟ تو اس بارے میں اِن شاء اللہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے 'سبعة أحرف' میں موقف کے ضمن میں بحث ہوگی۔

سوال نمبر ۲۵: عرضہ اَخیرہ میں متعدد قراء ات منسوخ ہوئی ہیں یا نہیں؟ بالفاظ دیگر موجودہ قراء ات 'اَحرفِ سبعہ' کا کل ہیں یا بعض؟ وضاحت فرمایئے۔

جواب: پیچھے یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت متنوع قراء ات میں سے بہت کچھ منسوخ ہوا ہے، اسی حوالے سے ہم بالاختصار اپنی بات کو دوبارہ دھرا دیتے ہیں کہ جب حدیث میں "أنزل القرآن علی سبعة أحرف" کا ذکر آتا ہے تو راجح رائے کے مطابق اس میں 'احرف سبعہ' سے ابتدائی زمانوں میں قرآن مجید کی سات لغات کا اختلاف مراد لیا جاتا تھا۔ قبل ازیں یہ بھی واضح کیا چکا ہے کہ کوئی بھی لغت ہو وہ متعدد لہجات، مترادفات اور اَسالیب بلاغت وغیرہ کو شامل ہوتی ہے۔ تعددِ قراء ات کے ضمن میں موجود تقدیم وتاخیر، حرکات و سکنات، غیب وخطاب اور حذف وزیادت وغیرہ کے قبیل کے اختلافات بات کو سمجھانے کے لیے متعدد اَسالیب بلاغت سے تعلق رکھتے ہیں۔ علمائے قراء ات کی اصطلاح میں اس قسم کے اختلاف کو فرش الکلمات کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ لہجوں کے اختلاف کی مثالوں کے ضمن میں امالہ وتقلیل، اظہار واِدغام، مدوقصر اور ہمزہ قطعیہ میں تحقیق وتسہیل، نقل وابدال وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ انہیں قراء حضرات فروش کے بالمقابل اُصولی اختلاف کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

باقی رہے مترادفات، تو ان کا دائرہ ابتدائی دور میں بے حساب و بے شمار تھا، جس کا اندازہ کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ان کے بارے میں پیچھے گذر چکا ہے کہ ان کے نزول کی نوعیت یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ نزول قرآن کے دور میں نبی کریم کو آپ کی طلب پر اس چیز کی اِجازت دی گئی تھی کہ اگر کسی فرد کو کوئی لفظ زبان سے اَدا کرنا مشکل محسوس ہو تو آپ اس کو اس سے ملتے جلتے قریب المعنی لفظ سے تلفظ کی اجازت دے سکتے ہیں، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے ایک فارسی نژاد شخص کو قرآن کریم کی آیت کریم طَعَامُ الاَثِیۡمِ کو طعام الظَّالم، بعض روایات کے مطابق طعام الظَلَّام اور بعض روایات کی رو سے طعام الفَاجِر پڑھنے کی اجازت دیدی تھی، کیونکہ وہ بار بار سکھائے جانے پر طَعَامُ الاَثِیۡمِ کو طعام الیتیم ہی پڑھتا تھا اور لفظ 'الاثیم' اس کی زبان پر چڑھتا نہیں تھا۔[مقدمہ تفسیر ابن کثیر] اس طرح کی اجازت کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب مختلف قراءات میں جو حیرت انگیز فرق نظر آتا ہے اس کا مطالعہ زیر بحث موضوع کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ذیل میں صرف سورہ الفاتحہ سے چند مثالیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں کہ وہ کس طرح مختلف قرآنی کلمات کو ملتے جلتے کلمات یعنی مترادفات سے بدل کر پڑھتے تھے۔ اگر دیگر سورتوں کا بھی اس ضمن میں جائزہ پیش کیا جائے تو مترادفات کے ضمن میں معاملہ کی گھمبیر صورتحال کا مکمل جائزہ سامنے آسکتا ہے:

قرآنی کلمہ	تبدیلی	صحابی
مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ	مليك يوم الدين	ابی بن کعب، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما
مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ	ملاَّك يوم الدين	ابی بن کعب، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما
اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ	ارشدنا الصراط المستقيم	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ	ثبتنا الصراط المستقيم	ابی بن کعب، علی رضی اللہ عنہما
اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ	دلّنا الصراط المستقيم	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
اَهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ	اهدنا صراطا مستقيما	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ	صراط من أنعمت عليهم	ابن مسعود، عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم
غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ	وغير الضالين	ابی بن کعب، علی، عمر رضی اللہ عنہم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں روایات میں مذکور ہے کہ وہ سورہ الم نشرح میں وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ کو وحللنا عنك وزرك اور وحططنا عنك وزرك پڑھا کرتے تھے۔[تفسیر القرطبی]

منسوخ التلاوہ قراءات میں موجود اس قسم کی قراءات کی تخریج معروف کتب تفاسیر طبری، قرطبی، ابن کثیر، بیضاوی سے بہ سہولت ممکن ہے۔ مترادفات کے حوالے سے علمائے قراءات سمیت جمیع اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ عرضۂ اخیرہ میں مترادفات کے قبیل کے تمام اختلافات بالعموم منسوخ ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں مرادفات کا اختلاف موجود نہیں تھا۔ عرضہ اخیرہ میں مترادفات کا اختلاف منسوخ ہوجانے کے بعد اب 'سبعة أحرف' کے ضمن میں جو اختلاف باقی بچا ہے وہ لہجوں اور اَسالیب بلاغت کے اختلافات کی دو نوعیّتوں پر مشتمل ہے، یہی وجہ ہے کہ علم قراءات پر لکھی جانے والی قدیم اور جدید کتب میں اصول وفروش کے نام سے انہی دو قسم کے اختلافات کو پیش کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ معروف ہے کہ اختلاف قراءات کے ذیل میں موجود مترادفات کا وہ اختلاف، جو کہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہوگیا تھا، کوئی زیادہ نہیں تھا، جس کی مثالوں میں عام طور پر قراء حضرات صرف حَتّٰى کو عَتّٰى پڑھنا، هَلُمَّ کے جگہ پر تعالِ اور أَقْبِلْ وغیرہ بولنا اور بعض اہل عرب کا علامتِ مضارع کو کسرہ دے کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پڑھنا وغیرہ کلمات پیش کرتے ہیں، جبکہ تحقیق یہ ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں باقی رہ جانے والے اختلاف کے بالمقابل وہ قراءات (مترادفات) جو منسوخ ہوئیں تھیں وہ کئی گنا تھیں۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے بطور مثال سورۃ الفاتحہ میں جن منسوخ قراءات کو اوپر ابھی پیش کیا ہے، وہ سورۃ الفاتحہ میں موجود غیر منسوخ قراءات کے بالمقابل کہیں زیادہ ہیں۔ مزید برآں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ قراءات شاذہ تو ایک لفظ میں بسا اوقات دسیوں ہوتی ہیں، جبکہ قراءات متواترہ میں لہجات سے قطع نظر دیگر قسم کے اختلافات اس کے مقابلے میں کہیں تھوڑے ہیں۔ جن حضرات نے اس ضمن میں تفسیر بیضاوی اور 'قراءات سبعہ وعشرہ' سے اُوپر کی مزید غیر متواتر شاذہ چار قراءات اور آٹھ روایات کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہے، وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے متن قرآن کو محرف ثابت کرنے کے لیے مستشرقین کے کام کا دقت سے جائزہ لیا ہے وہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ موجودہ قراءات عشرہ میں کوئی ایسا اختلاف شائد ہی موجود ہو جو کہ متن قرآن میں تحریف کی دلیل بن سکے۔ مستشرقین نے اس ضمن میں سارا فائدہ اُن اختلافاتِ قراءات سے اٹھایا ہے، جن کے بارے میں اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہوگئے تھیں۔

مستشرقین نے قراءات شاذہ اور عرضۂ اخیرہ میں منسوخ التلاوہ الفاظ سے کس طرح قرآن مجید کو محرف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؟ اس کی تفصیلات جاننے کے لیے قارئین کے لیے جناب محمد فیروز الدین شاہ کھگہ حفظہ اللہ کی تحقیقی کاوش 'اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن' اور مولانا محمد اسلم صدیق حفظہ اللہ کے تحقیقی مقالہ 'قراءات شاذہ، شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ میں ان کے اَثرات' کے باب پنجم کا مطالعہ بہت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں علمائے قراءات کی کتب میں ایک مسئلہ عمومی طور پر زیر بحث آیا ہے کہ موجودہ قراءات (عشرہ صغری وکبری) 'حروفِ سبعہ' کا کل ہیں یا بعض؟ علمائے قراءات کے ہاں بالعموم اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ قراءات 'سبعة أحرف' کے کل نہیں، بلکہ بعض میں سے ماخوذ ہیں۔ اس تعبیر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر عرضہ اخیرہ میں تھوڑی بہت قراءات منسوخ ہوئی ہوتیں تو معاملہ کی تعبیر اور طرح سے ہوتی۔ 'سبعة أحرف' کے ضمن میں اتارے گئے اختلافِ قراءات میں سے جو اختلاف بعدازاں غیر منسوخ طور پر باقی رہ گیا تھا، وہ اصل 'سبعة أحرف' کا ایک حصہ تھا، کل نہیں۔

سوال نمبر ۴۹ جب عرضہ اخیرہ میں متعدد قراءات کے منسوخ ہونے کو علماء تسلیم کرتے ہیں تو یہ بحث اٹھانے کی کیا ضرورت ہے کہ موجودہ قراءات 'سبعة أحرف' کا کل ہیں یا بعض؟

جواب: آپ اپنے سوال کے ضمن میں غالبا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو منسوخ ہوگیا وہ تو ختم ہوگیا، اس لیے معاملہ کو الجھانے کے بجائے سیدھا سیدھا کہنا چاہیے کہ موجودہ قراءات 'سبعة أحرف' کا کل ہیں، کیونکہ جو ختم ہوگیا ہمیں اسے کالعدم خیال کرتے ہوئے بھول جانا چاہیے اور اب جو باقی ہے اسے بعد کی صورتحال کے مطابق کل 'سبعة أحرف' سے ہی ماخوذ تعبیر کرنا چاہیے۔ یہ بات بظاہر تو ٹھیک ہے، لیکن اس بحث کو اہل علم نے اٹھایا کیوں ہے؟ اس کا ایک پس منظر ہے۔ وہ یہ کہ جو اہل علم 'سبعة أحرف' کی تشریح سبعہ لغات سے کرتے ہیں، ان کے ہاں عام طور پر ان لغات کا تعلق مترادفاتِ تلاوت سے ہے۔ اب 'اختلافِ مترادفات' تو عرضہ اخیرہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں منسوخ ہوگیا چنانچہ بحث یہ ہے کہ اب جو موجودہ قراءات ہیں، کیا یہ تمام صرف ایک 'حرف' کا حاصل ہیں یا تمام 'احرف' کا۔ اس ضمن میں راجح موقف کیا ہے کہ عرضہ اخیرہ میں چھ حرف منسوخ ہوئے یا تمام حروف میں سے کچھ کچھ منسوخ ہوا؟ اس پر بحث تو ہم بعد میں کریں گے، لیکن یہاں سر دست اتنا بتا دینا کافی ہے کہ یہ سوال مذکورہ پس منظر کے ضمن میں پیدا ہوا ہے اور اگر یہ پس منظر سامنے نہ ہو تو اس تعبیر میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کہا جائے کہ یہ سوال بنتا ہی نہیں ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ موجودہ قراءات عشرہ 'احرف سبعہ' ہی میں سے ماخوذ ہیں اور جو چیز منسوخ ہوگئی ہے اب وہ کالعدم ہی ہے۔ اُس کو پہلے شمار میں لاکر پھر اس کے اوپر یہ سوال اٹھانا کہ اب وہ اس 'کل' میں داخل ہے یا نہیں؟ ہم کہیں گے کہ جب تک وہ منسوخ نہیں ہوئی تھیں تب تک وہ 'کل' میں داخل تھیں اور جب وہ منسوخ ہوگئیں تو اب وہ کل میں سے ایسے نکل گئی ہیں جیسے داخل ہی نہیں تھیں، چنانچہ ہم عام تعبیر کے اعتبار سے یہ پس منظر چھوڑ دیں تو کہہ سکتے ہیں کہ موجود قراءات عشرہ 'سبعة أحرف' کا کل ہیں۔

سوال نمبر ۲۷: قرآن کریم کی جمع ثالث کی نوعیت کیا تھی اور جمع عثانی کا پس منظر کیا تھا، نیز بتائیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءات کے ضمن میں موجود اختلاف کو ختم کیا تھا یا نفس قراءات کو؟

جواب: ہمارا کہنا یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرضہ اخیرہ میں متعدد قراءات منسوخ ہو جانے والی قراءات کے ضمن میں موجود اختلاف کو ختم کیا تھا، نا کہ غیر منسوخ قراءاتوں کو بھی۔ جو شخص یہ بات کہتا ہے کہ انہوں نے 'سبعة أحرف' کے ضمن میں موجود تمام اختلاف کو ختم کیا تھا وہ سب سے پہلے اس بات کو ثابت کرے۔ اگر ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے قراءاتیں ختم نہیں کیں تھیں تو ہم بھی اس کی دلیل پیش کرنی پڑے گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع عثانی کے ضمن میں کیا کام کیا تھا اور کیا نہیں؟ اس کا تعلق وقوعہ کی خبر سے ہے، جس کا اجتہاد یا رائے زنی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ حکم لقمان نے فلاں بات فرمائی تھی اور اس بارے میں میرا اور آپ کا اختلاف ہو جاتا ہے کہ انہوں نے یہ بات فرمائی تھی یا نہیں؟ تو اس کا تعین واقعہ کی خبر اور پھر اس کی تحقیق سے ہوگا کہ آیا یہ خبر ثابت بھی ہے یا نہیں۔ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں 'سبعة أحرف' کا منزل من اللہ غیر منسوخ اختلاف بھی ختم کر دیا تھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک واقعہ کا تعین پیش کر رہے ہیں اور واقعہ کا تعین بغیر خبر کے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح واقعہ کے بارے میں ہمارا دعویٰ بھی دلیل کا متقاضی ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن اپنے دور میں لکھوا دیا تھا، اسے جمع نبوی کا نام دیا گیا۔ اس بات کو سب مانتے ہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ آپ نے قرآن کریم ایک جگہ پر جمع نہیں فرمایا تھا، بلکہ متفرق حالت میں موجود تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ قرآن مجید کے بے شمار قاری، [تقریبا سات سو] شہید ہوگئے۔ ان کے شہید ہونے کی وجہ سے اس ضرورت کا احساس پیدا ہوا کہ وہ قرآن، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مختلف لوگوں نے لکھا تھا، اسے ایک جگہ پر اکٹھا کرلیا جائے، ورنہ یہ نہ ہو کہ لوگ فوت ہوتے جائیں اور وہ جو لکھا ہوا قرآن ہے وہ ضائع نہ ہو جائے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید پہلے سے موجود لکھے ہوئے قرآن کو متفرق لوگوں سے دو دو گواہیوں کے ساتھ اخذ کرکے ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قراءتوں کو جمع کیا تھا یا قرآن کو جمع کیا تھا یا لکھے ہوئے قرآن کو جمع کیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ لکھے ہوئے قرآن کو، جسے رسم الخط کہتے ہیں، یکجا کیا تھا، ورنہ قرآن کے پڑھنے والے ہزاروں لاکھوں میں تھے، چند سو کے شہید ہو جانے پر کونسی پریشانی لاحق ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہوا قرآن ایک جگہ پر جمع کیا تھا۔

شروع شروع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کام سے بہت گھبرائے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسا کروں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار قائل کرنے پر اللہ تعالی نے ان کا ذہن کھول دیا۔ پھر مناسب آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو یہ کام کرے، تو نظر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر جا ٹھہری۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی اس کام سے بہت گھبرائے کہ یہ کام میں کیسا کروں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے خود قرآن کریم کو ایک جگہ جمع نہیں فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس حوالے سے کھول دیا۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے عملاً یہ کام اتنا بوجھ والا محسوس ہوتا تھا کہ اگر مجھے اُحد پہاڑ اٹھا کر رکھ دینے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کام سے زیادہ سہل تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ کس چیز کا بوجھ سمجھتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ بوجھ کی نوعیت یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہا ہوں اس پر آئندہ قرآن کریم کی پرکھ کا معیار طے ہوگا۔

بہرحال یہ کام کر لیا گیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ گئے اور پہلے سے موجود لکھے ہوئے قرآن کو متفرق لوگوں سے دو دو گواہیوں کے ساتھ اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول ان میں سے ایک گواہی تو اس بات کی تھی یہ مجھے اللہ کے رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید پہلے سے موجود لکھے ہوئے قرآن کو متفرق لوگوں سے دو دو گواہیوں کے ساتھ اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول ان دو گواہیوں کی نوعیت یہ تھی کہ ایک گواہی اس بات کی تھی یہ آئت مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے لکھوائی ہے اور دوسری گواہی اس بات کہ یہ میں خود آپ کی جناب سے براہ راست لکھی ہے۔

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زندگی میں مکمل قرآن جو لکھوا دیا تھا اس کی حکمت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ وحی باللفظ ہے، جس کے الفاظ کی بحفاظت امت کو منتقلی کافی مشکل امر تھا، چنانچہ آپ نے اس کو مکمل لکھوا دیا تا کہ کسی وقت الفاظ قرآن کے ضمن میں پیدا ہونے والے اختلاف کو حل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس لکھے ہوئے قرآن کو معیار بنا کر صحیح وغلط کا تعین کیا جا سکے، جیسا کہ اس کی مثال یوں ہے کہ آج کل بھی جب ہم پڑھتے ہوئے بھول جاتے ہیں، تو قرآن مجید کھول کر درست کا تعین کر لیتے ہیں۔ الغرض قرآن کو لکھوانے کی دو وجہیں تھیں:

① قرآن مجید چونکہ وحی باللفظ ہے اور روایت باللفظ میں الفاظ کی تبدیلی کا چونکہ اندیشہ ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم کا رسم خود لکھوا دیا، تا کہ قرآن کے الفاظ محفوظ رہ سکیں۔

② مابعد ادوار میں قرآن یا اس کے لفظوں کے حوالے سے کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو کوئی ایسا معیار موجود ہو، جو اختلاف کی صورت میں بطور معیار موجود ہو۔

بہرحال اب بحث کرتے ہیں جمع عثمانی کے بارے میں۔ سب سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو مسئلہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوا اس کو سمجھ لیں، کیونکہ جب تک بات کا پس منظر معلوم نہ ہو، پتہ چلنا مشکل ہوتا ہے کہ مسئلہ کیا تھا اور پھر اس مسئلہ کا علاج کیا تجویز کیا گیا۔ ضرورت یہ پیش آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عرصہ دراز سے اختلاف قراءات کے ضمن میں کچھ مسئلہ درپیش تھے:

① عرضۂ اخیرہ میں مترادفات کے قبیل کی کافی چیزیں منسوخ ہوگئی تھیں، لیکن چونکہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس آخری دور میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہی نہیں تھے، تو ان چیزوں کی تفصیلات کا علم نہ ہوسکنے کی وجہ سے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم ان منسوخ التلاوۃ الفاظ کی تلاوت کرتے، بلکہ انہوں نے اپنے ذاتی مصاحف میں ان کو باقاعدہ طور قرآن لکھ رکھا تھا۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کئی ایسے امور کی تلاوت کر رہے تھے، جو کہ منسوخ ہو چکے تھے اور مدینہ کے اندر و باہر یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا رہتا تھا کہ کوئی کہتا تھا یہ قرآن ہے اور کوئی کہتا تھا یہ قرآن نہیں ہے۔

② دوسرا اختلاف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ابتدائے کتابت کے دور میں فرمایا تھا: «لا تكتبوا عني، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه» [صحيح مسلم:٥٣٢٦] کہ مجھ سے قرآن کریم کے علاوہ کچھ نہ لکھو، تاکہ وحی باللفظ کا وحی بالمعنی سے اختلاط نہ ہوجائے، چنانچہ جب اختلاط کا اندیشہ ختم ہوگیا تو آپ نے حدیث لکھنے کی اجازت دیدی، جیسا کہ روایات میں موجود ہے۔ اس ضمن میں درپیش مشکل یہ تھی کہ لوگ قرآن کی تبیین کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھی قرآن کے ہمراہ لکھ لیتے تھے، جنہیں بعد ازاں قرآن سے الگ نہ لکھنے کی وجہ سے غلطی سے تلاوتِ قرآن میں بطور قراءات داخل کرلیا جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی مصدقہ مصحف کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس قسم کے تفسیری کلمات کا اختلاف بھی زوروں پر پہنچا ہوا تھا۔ لوگوں میں ان تفسیری توضیحات کے ضمن میں شدید اختلاف چل رہا تھا کہ بعض لوگ انہیں قراءت کا درجہ دے کر باقاعدہ تلاوت کرتے۔

③ قرآن کریم کے ضمن میں موجود اس قسم کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر یہود ونصاری نے بھی سازش کرکے کئی کلمات اور الفاظ کو درمیان میں داخل کردیا تھا۔ عبداللہ بن سبا یہودی سازشی کو کون نہیں جانتا، ان جیسے لوگوں نے موقع غنیمت جانا اور اپنی طرف سے کئی کئی چیزیں گھڑ کر قرآن مجید کی قراءات پر درمیان میں پھیلانا شروع کردیں۔ ضرورت اس امر کی تھی حکومتی سطح پر حکومتی نگرانی میں کوئی ایسا مصدقہ مصحف تیار کروایا جائے جسے بطور معیار کے لاگو کرکے اس قسم کے اختلافات کا فیصلہ کیا جائے۔

اِدھر یہ معاملے تو پہلے ہی چل رہے تھے کہ اُدھر ایک ایسا اہم واقعہ پیش آگیا کہ جو ان تمام اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ایک تحریک کا سبب بن گیا۔ ہوا یوں کہ آذربائیجان اور آرمینیہ وغیرہ کے علاقے، جو کہ مدینہ وغیرہ سے کافی دور تھے، کیونکہ قریب کے لوگوں میں یہ مسئلہ پیدا نہیں ہوا، ان علاقوں میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے تلامذہ اور اولادیں تھیں، ان لوگوں کے اندر اپنے اساتذہ اور خاندانوں کی عصبیت کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ میرے استاد کا جو اندازِ تلاوت ہے وہ تمہارے استاد سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جس آج بھی مختلف مسالک کے مشائخ قراءات کے تلامذہ کے ہاں اس قسم کا احساس پیدا ہوجاتا ہے کہ میرا استاد زیادہ قابل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اس حوالے سے قرآن مجید کی قراءات میں ترجیح کا اختلاف جب زیادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شدت اختیار کر گیا تو اس قسم کے مشاہدات بھی سامنے آئے کہ بعضوں نے تمہاری قراءت غلط، ہماری صحیح ہے۔ دیگر بعضوں نے جوابی رد میں اس دوسری قراءت کی تغلیط کر دی۔

یاد رہے کہ اختلافِ قراءات کے ضمن میں اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں بھی کئی دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین اس قسم کے اختلافات رونما ہوئے کہ آوازیں بلند ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے بارہا دفعہ اس اختلاف کو دبانے کی کوشش فرمائی، بلکہ بعض اوقات تو انتہائی ناراضگی بھی فرمائی۔ اس حوالے سے سب سے مشہور واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں موجود تھے اور ان کے اندر قرآن کریم اور اس کی قراءات کے ضمن میں اختلاف ہوا اور آوازیں بلند ہوگئیں، اللہ کے رسول ﷺ اپنے حجرہ سے نکلے، آپؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سُرخ تھا، آپؐ نے فرمایا کہ ''تم لوگ اختلاف کیوں کر رہے ہو، اختلاف نہ کرو'، اور ناراضگی سے فرمایا کہ '' تم سے پہلے لوگ اختلاف کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے ہیں''۔ إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم في الكتاب[صحیح مسلم: ۲۶۶۶] سے آپؐ کی مراد یہ تھی کہ جو چیز منزل من اللہ ہے، اس کو سرِتسلیم خم کر کے مان لو، اس بارے میں خوامخواہ اختلاف نہ کرو۔ عقیدہ طحاویہ میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی بنیاد پر اہل سنت کا یہ عقیدہ نقل فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں اختلاف کرنا کفر ہے۔ متن طحاویہ کی شرح میں امام ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے اسی روایت کو پیش کر کے بتایا ہے کہ امام موصوف رحمہ اللہ کی مراد اس سے قراءات کی قبولیت کا مسئلہ ہے۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ آذربائیجان اور آرمینیہ وغیرہ میں جو اختلاف حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا، انہوں نے چونکہ اس سلسلہ میں ارشادات سن رکھے تھے چنانچہ جب مدینہ واپس تشریف لائے تو پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور وہی لفظ بولے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں رسول اللہ ﷺ نے بولے تھے۔ کہنے لگے کہ "أدركْ هذه الأمة"[صحيح البخاري: ۴۹۸۷] یعنی اس اُمت کو تھام لیجئے، اگر آپ نے اس اُمت کو نہ تھاما تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق بھی پچھلی امتوں کی طرح قرآن کو ضائع نہ کر بیٹھے۔

یہ نیا مسئلہ اس اعتبار سے زیادہ حساسیت کا متقاضی تھا کہ قرآن مجید کے بارے میں کھینچ تان جاری تھی، جبکہ مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں پہلے سے موجود اختلاف میں کھینچ تان کا مسئلہ نہ تھا، بلکہ ایک طرح سے لاعلمی کا معاملہ تھا۔

یہ ہے جمع عثمانی کا وہ پس منظر، جس پر جمیع اہل سنت کا اتفاق ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو مسائل درپیش تھے وہ مذکورہ چار نوعیتوں کے تھے۔ ایسا کوئی مسئلہ وہاں زیر بحث ہی نہ تھا کہ اختلاف قراءات کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ جو اختلاف غیر منسوخ طور پر چھوڑ گئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے حوالے سے کوئی مشکل درپیش تھی۔ اختلاف قراءات سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پریشان تھے اور نہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، کیونکہ ایسا ہوتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوتا: «إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم في الكتاب [صحیح مسلم: ۲۶۶۶] آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں قراءات کے تنوع پر تشویش کا اظہار نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشویش اس پر ہوئی کہ اس تنوع قراءات کے انکار کے سلسلہ میں انکار جو رویہ تھا، اس پر آپ ﷺ کو تشویش ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو بھی وہی تشویش ہوئی تھی جو اس قسم کے اختلاف پر ہونی چاہیے تھی۔ ایک سے زیادہ روایات میں صراحت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جب بھی منزل من اللہ قرآن یا اس کی قراءات کے ضمن میں کوئی اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے ہر موقع پر "أنزل القرآن علی سبعة أحرف" اور "فاقرؤا ما تیسَّر کلّها شافٍ کافٍ" وغیرہ الفاظ بول کر اس قسم کے اختلاف کا خاتمہ فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آذربائجان اور آرمینیہ میں منزل من اللہ غیر منسوخ قراءات میں موجود اختلاف کو ختم کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کر کے کہا تھا:

"اذکر اللّٰہ رجلا سمع النبی قال ان القرآن انزل علی سبعة أحرف کلها شاف کاف الا قام، فقاموا حتی لم یحصوا فشھدوا بذلك ." [مسند أبو یعلی]

معلوم ہوا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اللہ کی قسم دے کر گواہی طلب کی کہ جس جس نے حدیث 'سبعة أحرف' آپ ﷺ سے سن رکھی ہے تو وہ کھڑا ہو جائے، تو اتنی بڑی تعداد کھڑی ہوگئی کہ اسے شمار کرنا ممکن نہ تھا۔

فرض کریں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو مشکل درپیش ہوئی، اگر یہ مشکل آپ کو درپیش ہوتی تو آپ کیا کرتے؟ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں اس قسم کا اختلاف ہوا ہے۔ سعودی عرب میں بھی ہوا، مصر میں بھی اور پاکستان میں بھی، بلکہ دیگر ممالک میں بھی ایسا اختلاف پیدا ہوا، اگرچہ اس کی نوعیت کچھ مختلف تھی وہ یہ کہ جب سے مطبع خانے آئے اور قرآن کریم کتابت کے بجائے پرنٹنگ پریس سے دھڑا دھڑ چھپنے لگے تو املائی اغلاط کی کثرت ہوگئی، حتی کہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ایسے محقق نسخے تیار کیے جائیں، جنہیں معیار کا درجہ دے دیا جائے۔ لوگوں نے انفرادی کوششیں بھی کیں اور حکومتی سطح پر بھی کوششیں ہوئی۔ مصر میں ملک فواد الاول نے اور سعودیہ میں شاہ فہد بن عبدالعزیز وغیرہ نے اپنی نگرانی میں باقاعدہ اس کام کو کروایا۔ پاکستان میں وسائل کی قلت کی وجہ سے غالبا بھٹو دور میں ایک آرڈیننس جاری کر دیا گیا، جس کی رو سے لازم کر دیا گیا کہ قرآن کریم کی کوئی طباعت وزارت الاوقاف کی طرف سے مقرر دو پروف ریڈروں کی نظر ثانی کے بغیر نہیں کی جاسکے گی۔

سعودی عرب نے تو اپنے وسائل کی کثرت کے پیش نظر یہ کام بھی بعد ازاں کیا کہ تمام غیر مصدقہ مصاحف کو ضبط کر کے حکومتی سطح پر تیار شدہ تحقیقی مصحف، جس کا نام مصحف مدینہ تھا، کو لازم کر دیا ہے۔ حتی کہ سعودیہ میں عمرہ یا حج کے مواقع پر باہر سے کوئی قرآن لانے پر ایک دور تک سخت پابندی بھی رہی ہے۔ آج بھی سعودی عرب میں کوئی نجی ادارہ ذاتی طور پر کوئی قرآن طبع نہیں کرسکتا، جس نے اس سلسلہ میں کوئی ہدیہ دینا ہوتا ہے وہ بھی وزارة الأوقاف والشئوون الإسلامیة کو ہی آ کر تعاون دیتا ہے، وزارت اس کے تبرع کو مصحف مدنیہ کی اشاعت میں شامل کر لیتی ہے۔

اسی قسم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا، جو آج کے زمانہ میں سعودی حکومت نے کیا۔ انہوں نے اس سارے اختلاف کو حل کرنے کے لیے تین قسم کے اقدامات کیے:

① پہلے مرحلہ پر مدینہ اور اس کے قرب جوار میں مترادفات اور تفسیری کلمات کے بطور قرآن رائج ہونے کے ضمن میں جو اختلاف تھا اس کا حل یہ سوچا گیا حکومتی نگرانی میں ایک مصدقہ نسخہ تیار کروا کر باقی موجود تمام غیر مصدقہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصاحف کو ضبط کر کے ختم کر دیا جائے، تا کہ ضرورت کی تکمیل حکومتی نسخہ سے پوری ہو جائے اور قرآن مجید میں کمی وزیادہ یا الفاظ کی تبدیلی کے ضمن میں جس قسم کے غیر منزل اللہ یا منسوخ شدہ اختلافاتِ تلاوت موجود تھے، جنہیں مستشرقین نے بعد ازاں تحریف قرآن کی بنیاد بنایا تھا، انہیں ختم کیا جا سکے۔

② مصاحف کے خاتمہ کے لیے چونکہ ضروری تھا کہ حکومتی سطح پر ایک مصدقہ ومحقق نسخہ تیار کر کے پھیلایا جائے۔ اس کے لیے نئے سرے سے کام کرنے کے بجائے پہلے سے موجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کام کو بنیاد بنا لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ روایات سے واضح ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جس طرح مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑا ہو کر دو افراد کی گواہیوں سے قرآن کریم کو یکجا کیا تھا اب کی بار ایسا نہیں ہوا، بلکہ صحف ابی بکر، جو کہ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں آگئے تھے، کو منگوا کر بارہ افراد کی ایک کمیٹی ترتیب دی گئی، جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ صحفِ ابی بکر کی نئے سرے سے چیکنگ کر کے اسے ایک مکمل مصحف کی صورت دی جائے اور جو کمیاں قبل ازیں رہ گئی تھیں انہیں پورا کر دیا جائے، کیونکہ امت کے لیے ایک 'معیار' کو عملی طور پر مہیا کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے قرآن کریم کے بارہ بڑے بڑے ماہرین نے کام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں صرف ایک مقام پر یہ مشکل درپیش آئی کہ صحف ابی بکر میں امتدادِ زمانہ کی وجہ کلمہ التابوت کی دوسری تاء مٹ گئی تھی اور معلوم نہ ہو پا رہا تھا کہ یہ کلمہ چھوٹی تاء کے ساتھ لکھا جائے یا بڑی تاء سے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کی گئی تو انہوں نے ایک راہنما ارشاد یہ فرمایا:

«إذا اختلفتم أنتم وزيد فاكتبوه بلغة قريش ، فإنما نزل بلسانهم» [بخاری:۳۵۰۶]

چنانچہ آپ کے ارشاد کی روشنی می اس کلمہ کو لغت قریش کے مطابق لکھ دیا گیا۔ قابل نوٹ نکتہ یہ ہے کہ بعد ازاں اس اجتہاد کو اس طرح سے باقاعدہ قطعیت بھی یوں مل گئی کہ اس لفظ کو اس طرح سے لکھنے کی نص حاصل ہو گئی۔ اس طرح سے یہ کہنا اب ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصاحف کا طریقہ کتاب ان کا اپنا ذاتی نہ تھا بلکہ رسول اللہ ہی سے منقول چلا آتا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے مطابق لکھنے کا حکم دیا تھا، نا کہ لغت قریش کو باقی رکھ کر باقی لغات کو ختم کرنے کی تلقین فرمائی تھی، جیسا کہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔

بہر حال جب یہ تحقیقی نسخہ تیار ہو گیا تو مدینہ میں موجود بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس عمل پر موافقت کا اظہار کیا، جس کے بعد اس نسخہ کی پانچ، بعض روایات کے مطابق سات اور بعض روایات کے مطابق آٹھ کاپیاں کروا کر حکومتی نسخہ جات کے طور پر نشر کر دیا گیا، جبکہ باقی متنازعہ وغیر مصدقہ مصاحف کو ضبط کر کے تلف کر دیا گیا۔

یاد رہے کہ ان حکومتی نسخہ جات کو اعراب ونقاط سے خالی رکھا گیا تھا، تا کہ عرضۂ اخیرہ میں 'سبعة أحرف' کے ضمن میں باقی رہ جانے والے اختلافات کو یہ جامع رسم شامل ہو سکے۔

③ قرآن کی حفاظت کے بارے میں قرآن کریم میں یوں وارد ہوا ہے کہ بل هو آيات بيِّنات في صُدور الَّذين أوتوا العلم اور امت محمدیہ کے بارے میں احادیث میں موجود ہے کہ أناجيلهم في صدورهم [مجمع الزوائد:۸/۲۷۴] قرآن کریم کو اس طریقہ سے محفوظ رکھنے کی کئی حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلفظ وادائیگی کی باریکیاں تو چونکہ رسم قرآن اور ضبطِ کلمات میں آ ہی نہیں سکتیں اسی لیے رسم الخط کو اصل بنانے کے بجائے حفاظ اور قراء کرام کو اصل بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ مصاحف عثمانیہ کو چونکہ نقاط اور حرکات سے معری رکھا گیا تھا، چنانچہ مصاحف کے ہمراہ ضرورت تھی کہ قراء کرام کو بھی ساتھ بھیجا جائے تاکہ وہ قرآن کریم کی تعلیم دیں اور تعلیم وتعلّم اور تمام قسم کے دیگر اختلافات کے لیے مصحف بطور معیار ان کے ہمراہ ہو، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا۔ مدینہ، مکہ، بصرہ، شام اور کوفہ وغیرہ کی طرف بھیجے مصاحف کے ہمراہ حکومتی سطح پر ماہر قراء کرام کو بھی روانہ کیا گیا۔ لوگوں کے حق میں اصل قاری تھے، جبکہ مصاحف محض جانچ کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اس طرح سے قاریوں نے جس انداز میں پڑھایا، بعد ازاں متعلقہ علاقہ میں وہی اندازِ تلاوت رائج ہوا۔

مذکورہ تفصیلی بحث سے واضح ہوگیا کہ جمع عثمانی کی نوعیت کیا تھی اور مصاحف کے ضمن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کام کا پس منظر کیا تھا۔ یاد رہے کہ جمع عثمانی کے بارے میں مذکورہ ساری تفصیل بالعموم فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تفصیلا ذکر کی ہے۔ بہرحال اب ہم آتے ہیں اس بحث کی طرف کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءات کے ضمن میں موجود اختلاف کو ختم کیا تھا یا نفس قراءات کو؟ اس کا جواب ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے ہاں واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کام بھی کیا تھا اس میں بہرحال دین کی خدمت کا ایک پہلو تھا، یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآن کریم کی آیات اور قراءات کو اپنی طرف سے ختم کرتے رہیں، جبکہ انہیں اس قسم کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

مسلمان کا عقیدہ ہی اس کو صراط مستقیم پر باقی رکھتا ہے، کوئی آدمی جو عقیدہ صحیحہ کا مالک ہو وہ دین وشریعت کے بارے میں اپنے صریح عقائد کے منافی کبھی غیر ذمہ دارانہ بات نہیں کرتا۔ عقیدے میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ شریعت ما أنزل اللہ کا نام ہے اور جو شے ما أنزل اللہ ہے، وہی وحی ہے۔ وحی ہی سے قرآن وسنت کا تعین ہوتا ہے۔ وحی میں جس شے کو قرآن قرار دیا گیا، وہ قرآن بنے گی، اور جس شے کو حدیث قرار دیا گیا وہ حدیث بنے گی، اسی طرح وحی میں جس شے کو بطور قرآن ختم کردیا گیا وہ منسوخ ہوجائے گی اور جس شے کو بطور حدیث منسوخ کردیا وہ ختم ہوجائے گی۔ اس کے بارے میں اہل سنت کا اجماع ہے اور یہ اجماع ہر دور میں رہا ہے کہ نسخ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہوسکتا ہے، اس لیے علماء کے ہاں یہ اصول طے شدہ ہے:

”والإجماع لاینسخ“ یا ”والإجماع لیس بناسخ“

البتہ علمائے اُصول کے ہاں یہ مسئلہ ضرور موجود ہے کہ کسی شرعی مسئلہ کے بارے میں اجماع صریح نص کے مخالف نظر آئے تو اب چونکہ امت تو غلطی پر اکٹھی ہونہیں سکتی، اس لیے ضرور کوئی نص موجود ہوگا، جو ہمارے علم میں نہیں آرہا ہوگا اور وہ اس شرعی مسئلہ کا ناسخ ہوگا، لیکن یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ اجماع خود کسی شے کو منسوخ کرسکتا، کیونکہ اجماع لوگوں کے اتفاق کا نام ہے۔ اگر لوگ سارے بھی متفق ہوجائیں تو نہ وحی بنا سکتے ہیں اور نہ وحی مٹا سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں، جو اسے ممکن سمجھتا ہے وہ انتہائی بدعقیدہ شخص ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر تفصیلا بحث کی ہے، تفصیل کے شائقین کتاب 'اصول فقہ وابن تیمیہ' کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

رشدُ قراءات نمبر' حصہ اوّل میں سوال نمبر ۱۲ کے ضمن میں تفصیلا یہ بحث گذر چکی ہے کہ اختلاف مخیّر، جیسے کفارات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یا دیات وغیرہ کے قبیل کی امثلہ میں علمائے امت متفق ہیں کہ دین میں دیئے گئے کسی اختیار کو تا قیامت ختم نہیں کیا جاسکتا اور دلیل یہی پیش کی جاتی ہے کہ امت کو بشمول صحابہ اس بات کا اختیار دیا ہی نہیں گیا، تو جب سب امت مل کر یہ کام نہیں کرسکتی تو اختلاف ِقراءات کے ضمن میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت اس کام کو کرلیا؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی سطحی بات کوئی عالم تو کجا، کوئی صحیح العقیدہ مسلمان بھی نہیں کرسکتا۔ عام طور پر یہ قول مستشرقین نے امام القراء ت والتفسیر ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس بات کو کہیں ذکر نہیں کیا۔ ایک جلیل القدر عالم اس طرح کی بات کربھی کس طرح سکتا ہے۔ وہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ جس طرح خلفائے راشدین کے ہاں سیاسی پہلو سے کچھ خاص اختیارات ہوتے ہیں کہ مصالح وغیرہ کے پیش نظر کسی شے کو وقتی طور پر موقوف کرسکتے ہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا شروع کردیا تھا اور بقول امام ابن قیم رحمہ اللہ مرنے سے قبل اپنا یہ تدبیری وسیاسی حکم واپس لے لیا تھا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ وفساد کے سد باب کیلئے متعدد قراءات کے معاملہ کو وقتی طور پر موقوف کردیا تھا۔ لوگوں نے خلفائے راشدین کے اس قسم کے واقعات کو بعد ازاں 'اوّلیات' کے نام سے پیش کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ۳۸ کے قریب بیان کیے جاتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف پر بحث تو بعد میں ہوگی، سردست اتنا ذکر کرنا مقصود ہے کہ اس قسم کی جاہلانہ بات گذشتہ چودہ صدیوں میں کسی مستند عالم کی نسبت سے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اسی سلسلہ میں الإحکام اور الفصل فی الملل والنحل میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور دفاع کے زوردار الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف کو منسوخ کردیا تھا وہ بالکل غلط کہتا ہے، اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسا کرتے یا ایسا کرنے کا ارادہ بھی فرماتے تو ایک ساعت کے توقف کے بغیر اسلام سے خارج ہوجاتے۔ [الاحکام:۱/۵۶۵]

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے مذکورہ بیان میں سختی کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اس قسم کا غلط عقیدہ رکھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا صحابہ نے یہ کام کیا، تو وہ پرلے درجہ کا بدعتی ہے۔ اُس کی غلطی کی دو جہتیں ہیں: پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ قرآن مجید محفوظ نہیں ہے، کیونکہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن مجید میں نعوذ باللہ تحریف یا تنسیخ کردیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا معنی ہوگا: ''لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه'' دوسری وجہ یہ ہے صحابہ کرام کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کا کام کرسکتے ہیں؟ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے ممکن ہی نہیں۔ ہمارا تو ان کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ وہ عادل ہیں، صادق ہیں اور قرآن کریم کے محافظ ومبلغ ہیں۔

سوال نمبر ۲۸: امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کے حوالے سے وضاحت فرمایئے کہ 'سبعة أحرف' کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے اور ان سے منسوب یہ رائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف کو ختم کردیا تھا، کیا صحیح ہے؟

جواب: 'حروف سبعہ' سے مراد کے ضمن میں سوال نمبر ۱۴، ۱۵ میں گذر چکا ہے کہ اس سلسلہ میں اہل علم کے ہاں دو آراء معروف ہیں۔ بقول حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ 'سبعة أحرف' سے مراد 'سبعہ لغات' ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ حافظ ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ 'سبعة أحرف' سے مراد اختلافِ قراءات کی 'سات وجوہ' ہیں۔ ہمارے مطالعہ کے مطابق دونوں شخصیتوں کی اپنی رائے کو 'جمہور' کی طرف منسوب کرنے کی تطبیق یہ ہے کہ جمہور قراء حافظ ابن جزری رحمہ اللہ کی رائے پر ہیں، جبکہ جمہور علماء حافظ اِبن عبد البر رحمہ اللہ کی رائے کے قائل ہیں۔

'سبعہ لغات' کے قائلین میں سے علماء کی طرف سے نمائندہ شخصیت امام طبری رحمہ اللہ کی ہے، جبکہ 'سبعہ اَوجہ' میں قراء کی طرف سے نمایاں حافظ ابن جزری رحمہ اللہ ہوئے ہیں۔ قبل ازیں 'سبعة أحرف' کی مراد کے تعین میں دلائل کی روشنی میں ہم نے ترجیح 'سبعہ لغات' کے قول کو دی تھی، اگرچہ وہاں ہم نے اِن اہل علم کے ہاں داخلی طور پر موجود اختلاف کو ذکر نہیں کیا تھا کہ جو حضرات 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ لغات' مراد لیتے ہیں، ان کے ہاں مزید اس سلسلہ میں بھی اختلاف ہے کہ 'لغاتِ سبعہ' سے کیا مراد ہے۔ اس بارے میں ان کی دو آراء ہیں:

① حافظ ابن جریر رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ 'لغات سبعہ' میں شامل تینوں قسم کے اِختلاف (یعنی لہجات، مترادفات اور اسالیب بلاغت) میں سے اصل شئے 'مترادفات' کا اختلاف ہے، کیونکہ کسی بھی لغت میں لہجات کا متعدد ہونا اور مختلف اَسالیب سے بات کو مخاطب تک پہنچانا ذیلی طور پر ہی شامل ہوتا ہے، لیکن تعددِ لہجات اور اسالیبِ کلام کی کثرت اس بات کا لازمہ نہیں کہ اس اختلاف کو لغات کے تعدد سے تعبیر کیا جائے، مثلا اردو زبان دنیا میں بولی جانے والی تیسری بڑی زبان ہے، مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی اردو بولی میں نمایاں فرق ہے، لیکن بولیوں کے اس تعدد کو عقلی طور پر نفس زبان کے تعدد سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، جیسے لکھنؤ اور لاہور کی اردو بولی کا فرق ہے، لیکن کوئی دانش مند یہ نہیں کہے گا کہ بولیوں کی اس دوئی کو اردو لغت کی دوئی سے تعبیر کیا جائے۔ یہی حال کراچی اور بعض دیگر علاقوں میں بولے جانے والے اردو لب و لہجے کا ہے، لیکن اس کے باوجود اردو زبان ایک ہی ہے، جسکے ادباء اور شعراء بھی ایک ہی ہیں۔ الغرض ان علماء کے ہاں موجودہ قراءات عشرہ میں پایا جانے والا لہجوں کا اختلاف بنیادی طور پر کئی لغات کا اختلاف نہیں، بلکہ صرف ایک لغت قریش ہی کا ذیلی اختلاف ہے۔ رہا اسالیب بلاغت کا اختلاف، تو اس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک ہی لغت کا ایسا طرز تکلم ہوتا ہے، جس میں مخاطب کی رعائت کرتے ہوئے مختلف اَسالیب سے بات کو واضح کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں امام طبری رحمہ اللہ کی رائے کی طرف میلان پیش کرنے والے علماء میں نمایاں نام امام طحاوی رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ، امام ابن عبد البر رحمہ اللہ وغیرہ کا آتا ہے۔

② حافظ ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ کے بالمقابل بعض علماء 'سبعة أحرف' سے جب 'سبعہ لغات' مراد لیتے ہیں، تو لغات میں اصل شئے لہجوں کے اختلاف کو سمجھتے ہیں، جبکہ باقی دو قسموں کے اختلافات کو ذیلی شمار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں عرضہ اخیرہ میں مترادفات کا اختلاف ختم ہوجانے کے بعد 'سبعہ لغات' کا بنیادی اختلاف چونکہ باقی بچ گیا تھا، اس لیے موجودہ قراءات عشرہ صرف ایک لغت قریش کے بجائے مزید چھ لغات کو بھی محیط ہیں۔ ان اہل علم کے ناموں سے تو ہم واقف نہیں، لیکن عام طور پر امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ، امام ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ اور امام دانی رحمہ اللہ، شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ وغیرہ جب 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغات' مراد لیتے ہیں، تو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت نہیں کرتے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ غالبا چھ حروف کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں۔

'سبعة أحرف' بمراد 'سبعہ لغات' کے قائلین کے ہاں چونکہ بالعموم یہ بات روز اوّل سے تقریبا طے چلی آرہی ہے کہ موجودہ قراءات ایک حرف قریش سے ماخوذ ہیں، نیز 'سبعہ اوجہ' کے قائلین بھی یہ بات جانتے ہیں کہ 'سبعہ لغات' مراد لینے کی صورت میں واضح بات ہے کہ عرضہ اخیرہ میں مترادفات کے منسوخ ہو جانے کے بعد باقی رہ جانے والے اختلاف کو متعدد لغات کے قبیل سے ماننا غیر معقول ہوگا، چنانچہ وہ ابتداء ہی سے اس مشکل سے یوں نکل گئے ہیں کہ انہوں نے 'حروفِ سبعہ' کی توضیح 'اوجہ سبعہ' سے کرلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی جن حضرات نے حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کی رائے پر طعن کیا ہے، وہ یہی کہتے ہیں کہ 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ لغات' مراد لینے کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ لہجوں اور اسالیب بلاغت کا باقی رہ جانے والا اختلاف صرف ایک لغت قریش کا حاصل قرار پائے گا اور کتب میں جب 'سبعہ اوجہ' کو 'سبعہ لغات' کے قول پر ترجیح دی جاتی ہے تو وہ اسی تناظر میں دی جاتی ہے کہ 'سبعہ لغات' مراد لینے کی صورت میں لازم آئے گا کہ موجودہ قراءات صرف ایک حرف قریش کا حاصل ہیں، رشد 'قراءات نمبر ا' میں مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ کے مضمون کا سارا رجحان اسی طرف ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قطع نظر اس بحث کے کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ کی رائے ماننے کی صورت میں چھ حروف کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے، یہاں یہ نکتہ بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اگر ہم 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ اوجہ' مراد لیں تو بھی مذکورہ سوال واحتمال باقی رہتا ہے کہ امام ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کی بیان کردہ 'سات وجوہ اختلاف' ایک حرف قریش کا حاصل ہیں یا مختلف لغات عرب سے ماخوذ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ، جو 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ اوجہ' مراد لینے والے اولین اور نمایاں ترین عالم ہیں، باوجود اس کے 'سبعة أحرف' کی مراد کے سلسلہ میں امام ابن جزری رحمہ اللہ نے اصلا ان کی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن دوسری طرف عملاً جب اس بحث پر آتے ہیں کہ 'سبعہ اوجہ' کا یہ اختلاف سات احرف کا حاصل ہے یا ایک حرف قریش کا؟ تو اپنا میلان اس طرف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ایک حرف کا حاصل ہے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ 'سبعہ اوجہ' کے قائلین کی رائے کا امام طبری رحمہ اللہ کی رائے سے کوئی تعارض نہیں، کیونکہ انہوں نے قراءات کے اختلاف کی جو سات اقسام ذکر کی ہیں، ان کے حوالے سے یہ سوال تو پھر بھی قابل حل رہتا ہے کہ یہ 'سات اوجہ' ایک حرف قریش میں موجود لہجات واسالیب بلاغت کے اختلاف کا حاصل ہیں یا ساتوں حروف میں موجود لہجات یا اسالیب بلاغت کا خلاصہ ہیں؟

مزید برآں موجودہ قراءات عشرہ کو ایک حرف قریش کا حاصل ماننے والے جہاں یہ دلیل دیتے ہیں کہ تعددِ لغات بنیادی طور پر مترادفات کی کثرت کا نام تھا اور جب عرضہ اخیرہ میں مترادفات منسوخ ہوگئے تو گویا کہ لغات کا اساسی اختلاف بھی ختم ہوگیا، وہیں ان کے کچھ دلائل اس کے علاوہ بھی ہیں، مثلا

① وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾ [إبراهيم:٤]

اب یہاں امام طحاوی رحمہ اللہ اور امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ اس آیت میں آپ کی قوم سے مراد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم قریش ہے، ورنہ عمومی اعتبار سے تو آپ پورے اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، چنانچہ یہ بات طے ہوگئی کہ آپ پر اترنے والی کتاب اصلا لغت قریش پر اتری تھی، جس کے مزید دلائل یہ بھی ہیں کہ قرآن کہتا ہے:

① ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ [الدُّخان:۵۸]

② ﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا﴾ [مریم:۹۷]

ان اہل علم کے بقول مذکورہ آیات میں بلسانك کہہ کر جس زبان کو آپ کی زبان کہا گیا ہے، اس کے بارے میں واضح ہے کہ وہ آپ کی مادری زبان قریش ہی تھی۔

③ صحیح بخاری میں موجود روایت سے بھی اس بات کو تقویت اس طرح سے ملتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی کمیٹی کو یہ ارشاد واضح طور پر فرمایا تھا:

«إذا اختلفتم أنتم وزيد فی شئ فاكتبوه بلغة قريش ، فإنما نزل بلسانهم»[بخاری:۳۵۰۶]

اب یہاں لفظ إنما کے ساتھ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے طریق کتابت میں اختلاف کی صورت میں قریشی رسم الخط کو اختیار کرنے کا حکم دیا تھا، جس کی وجہ انہوں نے خود یوں فرمائی کہ قرآن مجید اَصلا انہی کی زبان میں اترا ہے۔ یاد رہے کہ کلمہ إنما کلام عرب میں حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی اصل زبان لغت قریش تھی، جس میں بعدازاں مشقت کے خاتمے کے لیے دیگر لغات میں پڑھنے کی اجازت اگرچہ دیدی گئی تھی، لیکن جب وہ مشقت ختم ہوگئی تو لغات کے اس اختلاف ختم فرما کر اصل لغت قریش کو باقی رکھا گیا، جس میں اب ذیلی طور پر لہجات (اصول) اور اسالیب بلاغت (فروش) کا موجودہ اختلاف شامل ہے۔

عصر حاضر میں عام طور پر 'سبعہ اوجہ' کے قائلین امام طبری رحمہ اللہ کے موقف پر ایک بنیادی اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ لغات' مراد لینے کے بعد جہاں چھ لغات کا نسخ ماننا پڑتا ہے، پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ یہ لوگ جب کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ وفساد کے خاتمہ کے لیے چھ حروف کو موقوف کردیا تھا، تو اس بات کا جواب کیوں نہیں دیتے کہ حروف کو موقوف کرنے کے باوجود انہوں نے موجودہ قراءتوں کے اختلاف کو باقی کیوں رکھا؟ اس کے جواب میں ہم واضح کرتے ہیں کہ 'سبعة أحرف' کے ضمن میں امام طبری رحمہ اللہ کے ساتھ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ابتداءً 'سبعة أحرف' میں مترادفات کا ایک وسیع اختلاف موجود تھا جسے عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کردیا گیا، لیکن لہجوں اور اسالیبِ بلاغت کا اختلاف باقی رکھا گیا، چنانچہ اس بات کا تو جواب واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اول تو اپنی طرف سے کوئی کام کیا ہی نہیں تھا، بلکہ عرضہ اخیرہ میں منسُوخ التّلاوۃ اختلاف کو ختم فرمایا تھا جو کہ دورعثمانی میں خصوصا فتنہ کی بنیاد بنا ہوا تھا، لیکن جو اختلاف منسوخ نہیں ہوا تھا اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی باقی رکھا تھا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کو صحیح ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ حروف اور قراءات دو الگ الگ چیزیں ہیں، جن میں سے حروف تو منسوخ ہوگئے، البتہ قراءات کا اختلاف باقی ہے، تو اس کے جواب میں حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کی طرف سے ہم کہنا چاہیں گے کہ 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ اوجہ' مراد لینے کی صورت میں بھی حروف اور قراءات کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

الگ الگ ماننا پڑتا ہے، کیونکہ موجودہ قراءات سبعہ یا عشرہ سے بھی 'سبعة أحرف' کی نسبت توافق کی نہیں۔ جمیع علمائے قراءات کے ہاں بھی 'سبعة أحرف' اور موجودہ سبعہ قراءات ایک چیز نہیں، بلکہ 'سبعة أحرف' اساس ہیں اور موجودہ قراءات سبعہ یا قراءات عشرہ انہی سے ماخوذ ہیں۔ مزید برآں جمیع اہل علم کا اتفاق ہے کہ آج 'سبعة أحرف' کا مصداق دنیا میں موجودہ قراءات عشرہ ہی ہیں۔

باقی رہا یہ معاملہ کہ بعض لوگوں کے خیال میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منزل من اللہ سات حروف کو بارہ ہزار صحابہ کے اتفاق رائے سے منسوخ کر دیا تھا، تو اس بارے میں پچھلے سوال کے جواب میں ہم نے وضاحت کردی ہے کہ یہ بات حافظ ابن جریر رحمہ اللہ پر الزام ہے، وہ تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے خلیفہ کو سیاسی وتدبیری طور پر جو بعض اختیارات شریعت کی طرف سے دیئے گئے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی ضمن میں 'حروف سبعہ' کو موقوف کر دیا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت کے آخر میں شرعی صراحت کے باوجود ایک مجلس کی تین طلاقوں کو وقتی مصلحت کے تحت تین شمار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب خلیفہ راشد کو اس قسم کا اختیار حاصل ہونے کے بارے میں تو تمام جلیل القدر آئمہ کے ہاں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اس معاملے میں حدیث «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين» [ابن ماجه:۴۳] کی روشنی میں تو اب یہی رائے معروف ہوگئی ہے کہ خلفائے راشدین کا جاری کردہ سیاسی وتدبیری حکم بھی مثل شریعت کے دائمی وابدی طور پر بطور قانون نافذ کیا جائے گا۔ اسی بنا پر ہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا فیصلہ ہو یا خلفائے راشدین کے بعض دیگر اس قسم کے فیصلے، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وقتی ضروریات ومصالح ختم ہوجانے کے باوجود ان امور کے عین اسی طرح جاری کرنے پر ہمارے روایتی دینی فکر میں کس طرح اصرار کیا جاتا ہے، مثلا اس سلسلہ میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین شمار کیے جانے کے بارے میں مذاہب اربعہ کی رائے معروف ہے، حالانکہ ہماری رائے ان تمام امور میں مذہب اہل الحدیث کے مطابق یہی ہے کہ جن ضروریات ومصالح کا شریعت نے خود لحاظ کرلیا ہے، دائمی وابدی حیثیت تو صرف انہی کو حاصل ہے، البتہ تمدن کے تحت پیدا ہوجانے والی دیگر وقتی ضروریات ومصالح کے ضمن میں خلفائے راشدین کا اجتہاد ہو یا صحابہ رضی اللہ عنہم وآئمہ مجتہدین کی فقہی رائے، بہرحال وقتی ضرورت پوری ہوجانے کے بعد اس کا ازخود خاتمہ ہوجائے گا۔ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ کی کتب میں بہت مفید بحثیں ملتی ہیں، جن پر ٹھنڈے دل سے ضرور غور ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں ہم پیچھے سوال نمبر ۲۳ کے ذیل میں کافی تفصیلی بحث کر چکے ہیں، مزید بحث کے بجائے اُسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے 'سبعة أحرف' میں سے چھ حروف کے 'موقوف' کرنے کے بارے میں حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف پر سردست ہم اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ ہماری تحقیق کے مطابق ان کے بارے میں دیگر علماء کا یہ اعتراض تو بالکل بجا ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ چھ حروف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 'موقوف' کر دیا تھا اور 'موقوف' کردینے کی نوعیت یہ تھی کہ بعد میں اسے 'منسوخ' کی مثل دائمی طور پر ختم کر دیا تھا، بہرحال صحیح نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں چھ حروف کے خاتمہ کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کام کی توجیہ منسوخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بجائے 'موقوف' ہی سے کی ہے، لیکن چونکہ وہ عملاً اسے کالمنسوخ ہی شمار کرتے ہیں، چنانچہ ان کی رائے میں اس پہلو سے موجود سقم کے ضمن میں بعدازاں ان کی طرف سے یہ رائے پیش کی جانے لگی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت سے چھ حروف کو منسوخ کہنے کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعدازاں ان کے موقف کے بعض قائلین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ چھ حروف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منسوخ یا موقوف نہیں کیے تھے، بلکہ عرضہ اخیرہ ہی میں منسوخ ہوگئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کوئی شے بطور امر سیاسی وتدبیری 'موقوف' نہیں کی تھی۔ یہ توجیہ بہرحال پہلی توجیہ سے صحیح ہے۔

مزید برآں یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ چونکہ صراحتاً چھ حروف کے نسخ کے بجائے عملاً انہیں 'موقوف' کر دینا مانتے ہیں، اسی لیے حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ رائے بھی پیش کی ہے کہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وقتی طور پر چھ حروف کو 'موقوف' کیا تھا، چنانچہ وقتی ضرورت پوری ہوجانے کے بعد اب خلفائے راشدین کے دیگر سیاسی وتدبیری فیصلوں کی مثل اِن موقوف شدہ حروف کے مطابق تلاوت کی جاسکتی ہے۔ البتہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی رائے کو اس حد تک انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ نمازوں میں بہرحال اُن موقوف شدہ حروف کو نہ پڑھا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ساری غلط فہمی معاملہ کی غلط توجیہ سے پیدا ہوئی ہے، اگر معاملہ کی توجیہ ہی صحیح کی جاتی تو نہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف سے مستشرقین کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملتا، نہ امام ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ ان کے بارے میں سخت زبان استعمال کرتے اور نہ ہی بعدازاں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ وغیرہ اس قسم کی غیر متوازن رائے پیش فرماتے۔

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے دلائل میں کتنا وزن ہے؟ اس کا فیصلہ ہم اہل علم پر چھوڑتے ہیں، لیکن یہاں یہ ضرور ذکر کر دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ اس موقف کو سمجھنے کے بجائے اُس پر سطحی اعتراضات کرتے ہیں، انہیں اس بات پر لازماً غور کرنا چاہیے کہ امام موصوف کا جہاں علم تفسیر وغیرہ میں مقام مسلمہ ہے، وہیں علم القراءات کے باب میں بھی وہ علمائے قراءات کے ہاں مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی جلالتِ علمی اور باریک نظری کے پیش نظر مسئلہ کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد صورتحال بالکل دوسری سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُمت میں عام اصحاب علم ان کی رائے سے متاثر بھی ہیں اور ان کی طرف میلان بھی رکھتے ہیں، حتی کہ بعض محقق ماہرین فن جیسے پاکستان میں پانی پتی سلسلہ کے تمام اساتذہ قراء نے بھی کھل کر یہی رائے اپنائی ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ القراء قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ کی کتاب کشف النظر اردو ترجمہ النشر الکبیر کے تفصیلی مقدمہ کے صفحہ ۸۸ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاملہ ایسے نہیں کہ ان کی رائے ان کی اونچے قد وقامت کی وجہ سے معروف ہوگئی ہو، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اساطین علم جیسے امام طحاوی رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور کئی دیگر محققین اہل علم، جو کہ کوئی رائے بھی قائم کرتے ہوئے محض دلائل وتحقیق ہی کی روشنی میں آزادانہ فیصلہ صادر کرتے ہیں، انکی رائے کی تائید فرماتے ہیں۔ خود حافظ ابن جزری رحمہ اللہ، جو کہ فن قراءت کی نمائندہ شخصیت ہیں، نے بھی النشر الکبیر میں 'سبعة أحرف' کی بحث کے ضمن میں واضح اعتراف کیا ہے کہ اکثر اہل علم 'سبعة أحرف' کی تشریح میں حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کی رائے پر ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں سبعة أحرف پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے امام قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے سبعة أحرف کی مراد کے تعین میں پانچ زیادہ معروف اقوال کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلے قول کو یوں ذکر کیا ہے:

فالأول:وهو قول أكثر أهل العلم، منهم سفيان بن عيينه، وعبد الله بن وهب، وأبو جعفر ابن جرير، والطحاوی: أن المراد سبعة أوجه من المعانی المتقاربة بألفاظ مختلفة نحو أقبل وتعال وهلم . [تفسیر ابن کثیر:۶۱/۱]

امام قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے ذکر کردہ قول سے واضح ہوگیا کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ بنیادی طور پر 'سبعة أحرف' سے جب 'سبعہ لغات' مراد لیتے ہیں تو ان کے ہاں اس سے مراد ملتے جلتے معانی سے متعلقہ الفاظ مختلفہ مراد ہوتے ہیں، جنہیں عام استعمالات میں 'مترادفات' کہا گیا ہے اور 'مترادفات' کے بارے میں جمیع اہل علم متفق ہیں کہ یہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ کر دیئے گئے تھے، چنانچہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ سمیت جمہور اہل علم کی اس رائے کی وجہ سمجھ آتی ہے کہ جب وہ 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ لغات' مراد لیتے ہیں تو سبعہ لغات سے ان کی مراد ''المعانی المتقاربة بألفاظ مختلفة''، جیسے أقبل وتعال وهلم وغیرہ ہوتے ہیں، چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ 'سبعہ لغات' میں سے اختلافاتِ مترادفات منسوخ ہوچکے، البتہ ذیلی اختلافات یعنی لہجوں اور اسالیب بلاغت کا اختلاف منسوخ نہیں ہوا، تو سمجھ آتا ہے کہ وہ کیوں کہتے ہیں کہ موجودہ قراءات عشرہ (اصول وفروش) کا جمیع اختلاف ایک حرف قریش میں باقی ہے اور مترادفات کے منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چھ حروف منسوخ ہوگئے۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے بالمقابل وہ حضرات جو 'سبعة أحرف' سے 'سبعہ اوجہ' مراد لیتے ہیں، ان کے موقف کی نمائندگی تو رشد 'قراءات نمبر' حصہ اوّل میں سوال نمبر ۱۴، ۱۵ میں تفصیلا پیش کردی گئی تھی، البتہ 'سبعة أحرف' بمراد سبعہ لغات کے قائلین میں سے ان لوگوں کی رائے جو کہ موجودہ قراءات عشرہ کو جمیع 'سبعة أحرف' کا حاصل مانتے ہیں، کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے سات حروف میں سے چھ حروف کے نسخ کی کوئی حتمی دلیل نہیں، حالانکہ یہ اس قدر اہم معاملہ ہے کہ جس کے لیے روایات میں کہیں نہ کہیں صراحت ضرور ہونی چاہیے تھی، نیز مترادفات کے ضمن میں چھ لغات کی تنسیخ کے قول کی دلیل میں محض تخمینی اندازے پیش کرنا، اہل علم کے معروف طریقوں وضابطوں کے مطابق دعوائے نسخ کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔ مزید برآں جب یہ بات پیچھے ذکر کی گئی ہے کہ 'سبعة أحرف' سے مراد سات معروف قبائل عرب کی لغات ہیں اور تسلیم کیا گیا ہے کہ ان لغات کے ذیل میں لہجوں اور اسلوب کلام کے اختلافات بھی شامل تھے تو بعد ازاں محض مترادفات کے منسوخ ہونے سے یقینی طور پر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ لہجوں کا اختلاف صرف ایک لغت قریش سے ماخوذ ہے؟ جبکہ عملی استقراء بھی اس بات کا مؤید ہے کہ موجودہ قراءات میں لہجات کا اختلاف صرف ایک لغت قریش سے متعلق نہیں۔ اس ضمن میں جہاں اہل علم نے تفصیلا بحث کی ہے، وہیں بعض اہل علم نے مستقل تالیفی کاوشیں بھی فرمائی ہیں۔

عام طور پر مستشرقین نے قرآن کریم کی قراءات کو بنیاد بنا کر قرآن مجید کو محرف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے موقف کو مضبوطی دینے کے لیے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے موقف کو توڑ مروڑ کے پیش کیا ہے۔ جولوگ انکارقراءات کی ضمن میں مستشرقین کے غلط نظریات کے زیر اثر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے موقف کو بطور حوالہ پیش کر کے سمجھتے ہیں کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ چھ حروف کے نسخ کے نام پر موجودہ قراءات عشرہ کے انکاری ہیں، انہیں سوچنا چاہئے کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے موقف کو غلط معنوں میں پیش کرکے وہ قرآن کریم کی خدمت کے بجائے اس میں تحریف وتبدیلی کے دعوائے مستشرقین کے مؤید بن رہے ہیں۔ مستشرقین نے تو اپنے تئیں امام ابن جریر رحمہ اللہ کو اپنا ہم نوا بنایا ہوا ہے، حالانکہ اس ضمن میں یہ بالکل بھول گئے ہیں کہ وہ تنوع قراءات کے بہت بڑے حامی ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں قراءات سبعہ وعشرہ کی باقاعدہ حجیت کوتسلیم کیا ہے، بلکہ علم القراءات پر وہ کئی کتب کے مؤلف ہیں، جن کی تفصیل شائقین زیر نظر شمارے میں قاری محمد حسین کے قلم سے شائع شدہ تحریر ''مختلف ازمنہ میں علم القراءات پر لکھی گئی کتب'' کے ضمن میں دیکھ سکتے ہیں۔

مستشرقین کا حربہ یہ ہے کہ پہلے تو اس بات کو امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کے حوالے سے غلط منوا لیتے ہیں کہ چھ حروف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ختم کردیئے تھے، پھر اپنی طرف سے یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ اب جو حرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی چھوڑا تھا وہ کونسا تھا؟ اگر جواب دیا جائے کہ لغت قریش! تو کہتے ہیں کہ قرآن کے نام پر رائج مطبوعہ مصاحف میں قریشی لغت کے علاوہ کئی دیگر لغات بھی شامل ہیں، اس لیے کچھ معلوم نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا باقی چھوڑا تھا؟ واضح ہوگیا کہ آج امت کے پاس قرآن کریم کی محقق قراءت موجود نہیں۔ اسی طرح جب یہ مان لیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءتوں کو ختم کردیا تھا تو یہ بات مستشرقین کے حق میں یوں جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ باقی رہ جانے والی قراءت کونسی تھی؟ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ روایت حفص! تو وہ کہتے ہیں کہ روایت حفص تو عالم اسلام کے صرف مشرقی علاقوں میں رائج ہیں، عالم اسلام کے پورے مغربی بلاک کی قراءت، روایت حفص سے مختلف ہے اور وہاں تو تین مزید روایات وقراءات کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس طرح سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ آج امت میں یہ امر طے نہیں کہ کونسی قراءت قرآن اور کونسی قراءت قرآن نہیں ہے۔ مشرقی ممالک کے جہلاء مغربی ممالک میں رائج قراءتوں کا انکار کرتے ہیں اور مغربی ممالک کے عوام الناس مشرقی ممالک میں رائج قراءت کا انکار کرتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے خلاصۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید دیگر کتابوں کی طرح محرف ہے۔ اس لیے جولوگ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کا موقف غلط طریقے سے پیش کرتے ہیں، ان کو کوئی بات بھی جرأت سے کرنے سے قبل پہلے سوچ لینا چاہئے کہ انکارقراءات کے موقف کو اپنا کر کس کے ہاتھ میں دلیل پکڑا رہے ہیں۔ اسی طرح جہاں عالم اسلام میں مروجہ روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری کا انکار لازم آئے گا، وہیں ہماری 'روایت حفص' بھی ثابت نہیں ہو پائے گی، کیونکہ جس سند سے روایت حفص ثابت ہے، عین اسی سند سے دیگر قراءات ثابت ہیں۔

مستشرقین نے قرآن مجید کے بارے میں اس دعوی کے ثبوت کے لیے کہ اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف لغت قریش کو باقی رکھا تھا، دلیل یہ پیش کی ہے کہ انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کی کمیٹی کو کہا تھا کہ اختلافات قراءات میں سے صرف لغت قریش کو باقی رکھ کر قرآن لکھنا، حالانکہ یہ بات کہیں موجود نہیں۔ جو بات صحیح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات میں ہے وہ صرف اتنی ہے کہ انہوں نے طریق کتابت کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت میں یہ راہنما اصول اِرشاد فرمایا تھا:

«إذا اختلفتم أنتم وزيد في شئ فاكتبوه بلغة قريش ، فإنما نزَلَ بلسانهم» [بخاری:۳۵۰۶]

ان الفاظ سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسم الخط اور کتابت کے ضمن میں یہ ارشاد فرمایا تھا، تلاوت وقراء ات کے ضمن میں نہیں، ورنہ الفاظ فاقروا بلغة قريش کے ہوتے۔ اسی لیے انہوں نے بعد میں اس کی وجہ بھی ذکر کی تھی کہ یہ اس لیے ہے کہ قرآن مجید اَصلا انہی کی زبان میں اترا ہے۔

ماہنامہ رشد'قراء ات نمبر' حصہ سوم میں اِن شاء اللہ ایک مستقل مضمون اس ضمن میں شامل اشاعت ہوگا، جس میں دلائل کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا جائے گا کہ روایت حفص اور عالم اسلام میں رائج دیگر متداول روایات میں لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات بھی بھر پور طور پر شامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے زیر نظر مضمون کے سوال نمبر۵ تا ۱۰ پر یہ تفصیلی بحث موجود ہے کہ موجودہ قراء ات میں 'سبعة أحرف'خلط ملط ہوکر شامل ہیں۔

سوال نمبر ۲۹: 'سبعة أحرف' کی تشریح میں آئمہ کے مابین پائے جانے والے شدید اختلاف کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کیا اس کے ذریعے متنوع قراء ات کا مسئلہ'متشابہات' میں سے معلوم نہیں ہوتا؟

موجودہ قراء ات عشرہ (عشرہ صغری وکبری) کی حجیت کے حوالے سے ہم نے اپنے جوابات میں بارہا دعوی کیا ہے کہ ان کے قرآن ہونے میں چودہ صدیوں سے کسی جلیل القدر عالم کو اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ اس غرض سے آئندہ رشد کا 'قراء ات نمبر' حصہ سوم میں ہم ایک مضمون شائع کریں گے، جس میں تفسیر، حدیث ،فقہ وغیرہ میدانوں سے تعلق رکھنے والے معروف سو اہل علم کی قراء ات کے بارے میں آراء کا خلاصہ پیش کریں گے اور ثابت کریں گے کہ یہ مسئلہ امت کے ہاں 'مسلمات' میں سے ہے۔ بنیادی مغالطہ کا باعث یہ چیز ہے کہ متنوع قراء ات کا ثبوت حدیث 'سبعة أحرف'پر موقوف ہے، حالانکہ یہ سراسر غیر صحیح بات ہے۔ قراء ات کے ثبوت کی بنیاد اصلا ان اسانید کی صحت وقطعیت پر موقوف ہے، جوکہ متنوع قراء ات کے ضمن میں تواتر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ مزید برآں حدیث'سبعة أحرف' سے قطع نظر لاتعداد ایسی روایات بھی ہیں جن میں باقاعدہ اَحادیث میں متعدد قراء ات کا ذکر موجود ہوا ہے۔

رہی حدیث'سبعة أحرف'، تو کیا متشابہات میں سے ہے یا نہیں؟ اس کی بنیاد صرف اس بات کو بنایا جارہا ہے کہ علماء کے مابین اس مسئلہ کی تشریح کے ضمن میں اختلاف ہے، لیکن اہل علم کے ہاں محض اختلاف کا ہونا کسی شے کے متشابہات میں سے ہونے کی بنیاد نہیں بنتا، البتہ اگر کسی عالم کو کسی حدیث یا قرآن کی آیت کا مفہوم شدید الجھ جائے تو اسے وہ متشابہ کہے گا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ٦ میں فرماتے ہیں کہ

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِيْ الْعِلْمِ﴾[آل عمران:٦]

'متشابہات' کا معنَی اللہ تعالیٰ اور راسخين في العلم کو معلوم ہوتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ عام طور پر امام سیوطی رحمہ اللہ کے حوالے سے دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ حدیث'سبعة أحرف' کو متشابہات میں سے کہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی شرح موطا میں جہاں اس حدیث کو اپنے ہاں حل نہ ہونے کی وجہ سے متشابہ کہا ہے، وہیں ساتھ ہی ذکر کیا ہے کہ یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح قرآن کریم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کئی آیات متشابہات میں سے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ اور عام اہل علم کے ہاں متشابہ کا کیا معنی ہوتا ہے؟ اس حوالے سے امام سیوطی رحمہ اللہ نے محکم ومتشابہ کے حوالے سے خود بھی الاتقان فی علوم القرآن میں تفصیلا بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں وارد بعض آیات کا مفہوم بعض اہل علم کی نسبت سے غیر واضح ہوتا ہے تو وہ اسے متشابہ کہہ کر دیگر اہل علم کے لیے موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اس کے تشابہ کو حل کردیں۔ متشابہات کا انکار کسی شرعی نص کے صریح انکار مترادف ہے، اس پر ایمان لانا اور تسلیم کرنا مومن کے لیے فرض ہے۔

ان تمام وضاحتوں سے قطع نظر یہ بات بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ 'سبعة أحرف' کی تشریح کے ضمن میں وارد جمیع اَقوال میں اختلاف تضاد نہیں اور تمام مختلف اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو سات متنوع اندازوں میں پڑھنا ثابت ہے، اختلاف صرف اس میں ہے کہ سبعہ اَسالیب کونسے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ہم ان مختلف اَقوال میں موجود اختلاف کا تو انکار نہیں کرتے لیکن یہ بات پرزور انداز میں کہتے ہیں کہ تمام گروہوں کے اقوال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کی ایک سے زائد قراء ات ہیں، جن کے مطابق قرآن کو پڑھنا صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ پریشان کن اختلاف یہ نظر آتا ہے کہ 'سبعة أحرف' کا اختلاف عرضہ اخیرہ میں ختم ہوگیا تھا یا آج بھی باقی ہے؟ نیز موجودہ قراء ات ایک حرف قریش کا حاصل ہیں یا جمیع 'سبعة أحرف' پر مشتمل ہیں؟ ان دونوں مباحث میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کا موقف انفرادیت کا حامل ہے، لیکن اس کے باوجود موجودہ قراء ات سبعہ وعشرہ کی حجیت پر امام ابن جریر رحمہ اللہ سمیت جمیع اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس ضمن میں رشد 'قراء ات نمبر' حصہ اوّل میں مطبوع مضمون ''قرآن کے سات حروف'' از مولانا محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی آخری سطور کو یہاں مکرراً ذکر کردیں، کیونکہ مولانا نے اپنے مضمون میں امام ابن جریر رحمہ اللہ اور عام اہل علم کے مابین موجود اختلافی مباحث کو ہی موضوعِ بحث بنایا تھا۔ مضمون کے اختتام پر اِس ساری بحث کا نچوڑ وہ ان الفاظ سے پیش فرماتے ہیں:

''آخر میں ایک بنیادی غلط فہمی کا ازالہ کردینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ 'سبعة أحرف' کی مذکورہ بحث کو پڑھنے والا سرسری طور پر اس شبہ میں مبتلا ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم جیسی بنیادی کتاب کے بارے میں جو حفاظتِ خداوندی کے تحت آج تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے محفوظ چلی آرہی ہے مسلمانوں میں اتنا زبردست اختلاف آراء کیسے پیدا ہوگیا؟

لیکن 'سبعة أحرف' کی بحث میں جو اقوال ہم نے پیچھے نقل کئے ہیں اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس شبہ کا جواب بہ آسانی معلوم ہوجاتا ہے۔ جو شخص بھی اس اختلاف آراء کی حقیقت پر غور کرے گا اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ سارا اختلاف محض نظریاتی نوعیت کا ہے اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت وصداقت اوراس کے بعینہٖ محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی ادنیٰ اثر بھی مرتب نہیں ہوتا، کیونکہ اس بات پر دلالت کا بلا استثناء اتفاق ہے کہ قرآن کریم جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے، اس میں کوئی ادنیٰ سا بھی تغیر نہیں ہوا، اوراس بات پر بھی تمام اہل علم متفق ہیں کہ قرآن کریم کی جتنی قراء تیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت اُن میں سے ہر ایک کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ اس بات پر بھی پوری اُمت کا اجماع ہے کہ متواتر قراءتوں کے علاوہ جو شاذ قراء تیں مروی ہیں، انہیں قرآن کریم کا جزء قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ 'عرضۂ اخیرہ' یا اس سے پہلے جو قراء تیں منسوخ کردی گئیں، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب قرآن کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزء نہیں رہیں۔ یہ بات بھی سب کے نزدیک ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن کے سات حروف میں جو اختلاف تھا وہ صرف لفظی تھا، مفہوم کے اعتبار سے تمام حروف بالکل متحد تھے، لہٰذا اگر کسی شخص نے قرآن کریم صرف ایک قراءت یا حرف کے مطابق پڑھا ہو تو اسے قرآنی مضامین حاصل ہو جائیں گے اور قرآن کی ہدایات حاصل کرنے کے لیے اسے کسی دوسرے حرف کو معلوم کرنے کی احتیاج نہیں ہوگی۔ اس میں بھی کوئی ادنیٰ اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف تیار کرائے وہ کامل احتیاط، سینکڑوں صحابہ کرامؓ کی گواہی اور پوری اُمت مسلمہ کی تصدیق کے ساتھ تیار ہوئے تھے اور ان میں قرآن کریم ٹھیک اس طرح لکھ دیا گیا تھا جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس میں کسی ایک متنفس کو بھی اختلاف نہیں ہوا۔ [حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف کو باقی رکھنے پر تو مصر رہے، لیکن مصاحف عثمانی کی کسی بات پر انہوں نے ادنیٰ اختلاف نہیں فرمایا۔]

لہٰذا جس اختلاف کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، وہ صرف اتنی بات میں ہے کہ حدیث میں 'سات حروف' سے کیا مراد تھی؟ اب جتنی متواتر قراءتیں موجود ہیں، وہ 'سات حروف' پر مشتمل ہیں یا صرف ایک حرف پر؟ یہ محض ایک علمی نظریاتی اختلاف ہے، جس سے کوئی علمی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ ان اختلافات کی بناء پر قرآن کریم معاذ اللہ مختلف فیہ ہوگیا ہے۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے ایک کتاب کے بارے میں ساری دنیا اس بات پر متفق ہو کہ یہ فلاں مصنف کی لکھی ہوئی ہے، اس مصنف کی طرف اس کی نسبت قابل اعتماد ہے اور خود اُس نے اُسے چھاپ کر تصدیق کردی کہ یہ میری لکھی ہوئی کتاب ہے اور اس نسخے کے مطابق قیامت تک اسے شائع کیا جاسکتا ہے، لیکن بعد میں لوگوں کے درمیان یہ اختلاف پیدا ہوجائے کہ مصنف نے اپنے مسودے میں طباعت سے قبل کوئی لفظی ترمیم کی تھی یا جیسا شروع میں لکھا تھا ویسا ہی شائع کردیا۔ ظاہر ہے کہ محض اتنے سے نظری اختلاف کی بنا پر وہ روشن حقیقت مختلف فیہ نہیں بن جاتی جس پر سب کا اتفاق ہے، یعنی یہ کہ وہ کتاب اُسی مصنف نے اپنی ذمہ داری پر طبع کی ہے، اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور قیامت تک اپنی طرف منسوب کرکے شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح جب پوری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن کریم کو مصاحف عثمانی میں ٹھیک اُسی طرح لکھا گیا ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور اس کی تمام متواتر قراءتیں صحیح اور منزل من اللہ ہیں، تو یہ حقائق اُن نظری اختلافات کی بناء پر مختلف فیہ نہیں بن سکتے، جو 'سبعة أحرف' کی تشریح میں پیش آئے ہیں۔'' واللہ سبحانہ تعالی أعلم

سوال نمبر ⑳: اگر قراءات قرآنیہ واقعتاً ثابت ہیں، تو 'سبعة أحرف' کی مراد میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟

جواب: اس سوال کے پہلو میں ایک خاص ذہنیت کی عکاسی ہورہی ہے، جس کی بنیاد پر یہ شبہ پیدا ہوا۔ شاید سائل یا اس قسم کا اعتراض کرنے والے لوگوں کے ذہن میں یہ غلط بنیاد موجود ہے کہ قرآن مجید اور اس کی قراءاتِ متنوعہ یا علم القراءات سے متعلق متعدد علوم رسم وفواصل وغیرہ کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ حدیث سے ان کا ثبوت پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اسی طرح دوسرا مغالطہ ذہن میں یہ ہے کہ حجیت قراءات 'حدیث سبعة أحرف' کے ثبوت اور اس کے مفہوم کی تعیین پر موقوف ہے، چنانچہ اگر 'سبعة أحرف' کی حدیث ثابت نہ ہو یا ثابت تو ہو، لیکن اس کا مفہوم میں انتہائی اضطرابی کیفیت ہو تو دین میں مسئلہ متنوع قراءات مشکوک ٹھہرتا ہے۔ یہ دونوں قسم کے مقدمات علمی اعتبار سے انتہائی سطحی اور قطعی طور پر غیر صحیح ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے ثبوت کے لیے حدیث یا رواۃ حدیث سے قراءات کا ثابت ہونا ضروری نہیں، بلکہ امر واقعہ میں ایسا ہوا ہی نہیں۔ قرآن مجید کی روایت ہم تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اسی طرح سے پہنچی ہے، جیسے سنت کی روایت کا ثبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ جس طرح حدیث اپنے ثبوت میں قرآن مجید کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محتاج نہیں ہے، عین اسی طرح قرآن مجید اپنے ثبوت میں حدیث کا محتاج نہیں ہے۔ صحابہ کے بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کسی بھی بات کو بطور قرآن یا بطور حدیث ماننے کے لیے جو بات ضروری ہے وہ محض اتنی ہے کہ اس کی روایت جس ذریعہ ہو، وہ محفوظ اور ایسا ہو کہ اس کے اوپر اعتماد کیا جاسکے۔ اگر قرآن کریم کی روایت اور اس کے متنوع لہجے محفوظ طریقے سے ہم تک پہنچے ہیں اور اس پر ہمارا اعتماد و اطمینان ہے تو اس کے بعد کوئی معنی نہیں رہتا کہ ہم اس بات کے ثبوت کے لیے کسی بھی حدیث کا حوالہ مانگیں، مثلاً اگر ہم اس بات کے حوالے سے یہ مقدمہ مان لیں تو ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کی تمام آیات اور سورتوں کو احادیث کی روشنی میں ثابت کیا جائے، حالانکہ مکمل قرآن کریم چھوڑیں، کوئی ایک چھوٹی سی سورت کو بھی مکمل طور پر حدیث سے ثابت کرنا شائد مشکل ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا بہت سارا حصہ مثلا ۹۹ فیصد کو کسی حدیث سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ سورہ فاتحہ مکمل کی مکمل ابتداء سے لے کر آخر تک کسی حدیث میں مکمل طور پر نہیں آئی۔ اسی طرح سورۃ بقرہ کی تمام آیات اور سورۃ بقرہ شروع لے کر آخر تک کسی حدیث میں نہیں آئی اور ہم ان آیات اور ان سورتوں کو، جو قرآن مجید میں شامل ہیں، اہل قرآن یعنی قراء کرام کی نقل پر اعتماد کر کے مانتے ہیں۔ قرآن مجید کے کسی بھی اختلاف کو، برابر ہے قراءت عاصم ہو یا دیگر قراءات، ان کو ان کی اپنی اسانید و رجال کی بنیاد پر مانا جائے گا، نا کہ سنت کی روایات واسانید سے۔

مزید برآں مذکورہ سوال کے حوالے سے اگر ہم بالفرض تسلیم کر بھی لیں کہ 'سبعة أحرف' کی تشریح میں بہت اختلاف ہے، تو اس کے جواب کے حوالے سے رشد قراءات نمبر حصہ اول میں ہم بحث کر چکے ہیں کہ 'سبعة أحرف' کی تشریح میں کثرت اقوال کا اگر سبب معلوم ہو جائے، تو اس اختلاف سے وحشت نہیں ہوگی۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ اختلاف بنیادی طور پر مسئلہ اختیارات یا مسئلہ خلط قراءات کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جو لوگ اس حوالے سے 'اختیارات' کے مابعد نوعیت کو سامنے رکھ کر اس معاملے کی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ سارا اختلاف ان کے مابین ہے، ورنہ جن کی نظر اختلاف کے اس پس منظر کی طرف ہے، انہیں اس سلسلہ میں کبھی کوئی توحش اور تذبذب نہیں ہوا کہ اختلاف قراءات سے کیا مراد ہے اور ان کے نزول کا پس منظر کیا ہے۔

اسی لیے قراءات میں 'سبعة أحرف' کے مفہوم کے حوالے سے علماء میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس میں یہ چیز قطعی طور پر اچنبھے کا باعث نہیں ہونی چاہئے کہ اس بارے میں ۳۵ یا ۴۰ اقوال موجود ہیں، اس لیے کہ بعض ائمہ نے وضاحت کی ہے کہ یہ چالیس اقوال چالیس افراد کے نہیں ہیں، بلکہ یہ بعض افراد کے اس مسئلے کے بارے میں ممکنہ احتمالات کا اظہار ہے۔ ممکن ہے کہ ایک ایک آدمی سے دس دس احتمالات مروی ہوں۔ پھر مزید برآں یہ پہلو انتہائی قابل نوٹ ہے کہ تمام لوگ جو ان اقوال کے قائلین ہیں، ان کے مابین اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ سب تنوع قراءات کے قائل ہیں۔

مذکورہ سوال کے جواب میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اختلاف اگر چالیس کے بجائے اَسّی۸۰ اقوال کی صورت میں بھی موجود ہوتا تو بھی یہ کہنا ممکن تھا کہ ان اَسّی کے اَسّی اقوال میں قدر مشترک یہ ہے کہ دین میں تعدد قراءات کا مسئلہ حتمی طور پر موجود ہے اور آج بھی باقی ہے، چنانچہ 'تعدد قراءات' کے سلسلہ میں پچھلی چودہ صدیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں گذر جانے والے تمام اہل علم متفق ہیں، اختلاف صرف ’سبعة أحرف‘ کی تشریح کے بارے میں ہے، جس کا ثبوت قراءات سے تعلق بھی اضافی نوعیت کا ہے، کیونکہ ثبوتِ قراءات حدیث ’سبعة أحرف‘ پر موقوف نہیں، بلکہ بے شمار ایسی روایات ہیں جن میں حدیث ’سبعة أحرف‘ سے قطع نظر متنوع قراءات کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ثبوتِ قراءات کے لیے محض وہ قطعی الثبوت اسانید ہی کافی ہیں، جن پر ’حجیت قراءات‘ کا اصلی دار ومدار ہے۔

سوال نمبر ۳۱: روایت حفص ساری دنیا میں متداول ہے، باقی روایات اس قدر کیوں نہیں پھیلیں؟ نیز بتایئے کہ کسی شے کی بطورِ دین اُمت میں شہرت اور قبولیت اس شے کے ثبوت وعلمیت کی کوئی بنیاد ہے یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید کی حفاظت کے حوالے سے اتنی بات ہی کافی ہے کہ جن اَسانید کے ذریعے یا جس ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، وہ ذریعہ قطعی ہے۔ اسی طرح اس کے ناقلین کی لا تعداد کثرت اور رواۃ کی عدالت وثقاہت اس قدر معیاری ہے کہ روایت میں جھوٹ کا اِمکان بالکل ختم ہوجاتا ہے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید کا ثبوت روایات کے بجائے اُمت میں اس کی شہرت اور عوام الناس کے تعامل سے ہوتا ہے، جسے وہ اپنے بیانات میں ’تواترِ عملی‘ کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں امت کے علماء اس سلسلہ میں کوئی معیار کا درجہ نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں اس سلسلہ میں اصل شے سوادِ اعظم کا معیار ہے۔ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی اسانید کے بجائے اپنے حفظ اور اپنی انتشارِ تلاوت کے ذریعہ محفوظ ہوا ہے، چنانچہ دنیا میں روایت حفص کے پھیلنے کی یہی وجہ ہے کہ یہی روایت اس معیار پر پورا اترتی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ بالفرض اس مقدمہ کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی یہ لوگ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ عالم اسلام میں دیگر کئی روایات کو بھی شہرت اور عملی قبولیت حاصل ہوئی ہے، لیکن کنویں کے مینڈک کے مصداق وہ یہی چاہتے ہیں کہ اپنے ہاں رائج لہجے ہی کو قرآن قرار دے کر باقی امت کے معاملہ میں تنگ نظری اختیار کرتے ہوئے کہہ دیں کہ قرآن صرف وہی ہے جو ہم پڑھ رہے، جبکہ امت کے باقی کروڑوں لوگ جس شے کو بطور قرآن پڑھ رہے ہیں وہ قرآن کریم نہیں، بلکہ فتنہ عجم کی باقیات ہیں۔

اس نظریہ میں کئی قسم کی سطحی اور عامیانہ باتیں موجود ہیں، مثلا یہ کہنا کہ قرآن کے ثبوت میں اصل معیار اہل علم اور قراء حضرات نہیں، بلکہ عوام الناس کا جاہلانہ تعامل ہے۔ معلوم نہیں کہ عوام الناس میں کسی شے کا بطور دین رائج ہوجانا دین جاننے وثابت ہونے کا کونسا معیار ہے؟ اس طرح سے تو تمام بدعات وخرافات اور ہماری معاشرتی غلط رسوم ورواج کو بھی دین قرار دینا پڑے گا۔ اگر جواب دیا جائے کہ تعامل یا نام نہاد تواترِ عملی سے ہماری مراد اہل علم کا تعامل اور ان کا کسی شے کو بطور دین قبول کرنا ہے، تو اہل علم تو چودہ صدیوں سے بلا کسی ایک عالم کے استثناء کے تنوع قراءات کے صراحتاً قائل ہیں۔ پھر جن عوام کالانعام کے تعامل کو یہ نام نہاد دانشور ثبوتِ دین کا معیار قرار دے رہے ہیں، وہ صرف پاکستان اور ہندوستان کے عوام تو نہیں ہیں، بلکہ پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو اس دائرے میں شامل ہونا چاہیے۔ عالم اسلام کے مسلمان تو ہزاروں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں روایت حفص کے علاوہ دیگر قراءات کی بطور قرآن تلاوت کر رہے ہیں۔ صرف ایک روایت ورش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

براعظم افریقہ کے جمیع ممالک میں اُن کے اتفاقی تعامل سے بطورقرآن رائج ہے۔اب سوال یہ ہے کہ تعامل کے سلسلہ میں اگرامت تین چار تعاملوں میں بٹی ہوتو پھرصحیح تعامل کاتعین کیسے ہوگا؟اس کا جواب ان دانشوروں کے ہاں بھی اگرچہ یہی ہے کہ یہ فیصلہ اہل علم کریں گے، تو اہل علم تو بلا اختلاف پچھلے سینکڑوں سالوں سے یہ فیصلہ سنارہے ہیں کہ تعددقراءات کا مسئلہ دین میں موجود ہےاور آج تک باقی ہے،تو پھر یہ لوگ اس بنیاد پر روایت حفص کے علاوہ دیگر مروجہ قراءات کیوں نہیں مانتے۔ہمیں کسی ایک فرد کا نام بتایا جائے،جومتنوع قراءات کے سلسلہ میں اختلاف رائے رکھتا ہو۔ البتہ اگر تعاملِ امت کے سلسلہ میں فقہاء کرام ومفتیان عظام میں کسی دیگر شرعی مسئلہ کے حوالے سے اختلاف ہوجائے تو پھر ان کے مابین ترجیح قائم کرنے کا طریقہ کتاب وسنت نے یوں واضح فرما دیا ہے:

① ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ [الشوری:۱۰]

② ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء:۵۹]

گویا اس قسم کے اختلاف کا فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔جس طرف دلیل قوی ہوگی،اسی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔البتہ یاد رہے کہ قراءات کے ضمن میں تو ایسا اختلاف پیش کرنا چونکہ ممکن نہیں، اس لیے یہ رویہ دیگر اختلافی امور کے بارے میں اختیار کیا جائے ہے۔

بہرحال اس حقیقت کے بیان کے ساتھ کہ امت میں روایت حفص کے علاوہ روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری بھی بطور تعامل کے رائج ہیں اور سب سے زیادہ انتشار روایت حفص اور روایت ورش کو حاصل ہے، جبکہ روایت قالون آٹھ دس ممالک میں اور روایت دوری صومالیہ، سوڈان اور مصر وغیرہ میں رائج ہے، اب ہم بحث کرتے ہیں سوال مذکور کے جواب پر۔پہلی بات یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں کہ روایت حفص کو زیادہ شہرت کیوں ملی، صحیح یہ ہے کہ دنیا میں روایت ورش کو بھی تقریبا روایت حفص جتنی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔ ان چار روایات کی عوامی شہرت کے اسباب کیا ہیں اور ان کے بالمقابل باقی سولہ متواتر روایات زیادہ مشہور کیوں نہیں ہوئیں؟اس کا جواب تاریخی اتار چڑھاؤ سے متعلق ہے، ورنہ بطور دین تو 'حروف سبعہ' اوران کی جمیع تر منقولات (قراءات وروایات) کے مابین کوئی فرق نہیں۔جو وجہ بظاہر ان چار روایات کے انتشار کی معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے فقہی تقلید کے آغاز کی وجہ سے عالم اسلام نے مختلف فقہوں سے جامد نسبت اختیار کر لی تھی۔شروع میں بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسے دسیوں آئمہ تھے جن سے عوامی عقیدت نے تقلید کا روپ دھار لیا تھا،جن میں امام ابوثور رحمہ اللہ، امام ابن ابی لیلی رحمہ اللہ، امام حسن بصری رحمہ اللہ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ جیسے اکابرین شامل ہیں۔ یہی وجہ کہ فقہ مقارن کی معروف کتب مثلا بدایة المجتهد وغیرہ میں جب متعدد مسائل میں فقہی مسالک کا ذکر ہوتا ہے تو آئمہ اربعہ کے علاوہ ان دیگر معروف شخصیات کے نام بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بعد کے زمانوں میں فقہ آئمہ اربعہ کو دیگر آئمہ فقہاء کی آراء پر متعدد اسباب کی بنا پر عوامی قبولیت زیادہ حاصل ہوگئی، جس کی کوئی دینی یا علمی وجہ نہیں تھی۔مثلا فقہ حنفی اور فقہ مالکی کو اتفاق سے سیاست کے ایوانوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پذیرائی حاصل ہوئی کہ خلافت کے مختلف ادوار میں آنے والے خلفاء عموماً مذہب حنفی اور مذہب مالکی سے عقیدت رکھتے تھے اور جیسا کہ ضابطہ معروف ہے کہ النَاس علی دین ملوکھم تو اسی وجہ سے گذشتہ صدیوں میں انہی دو فقہوں کو زیادہ انتشار حاصل ہوا، جو کہ آج تک برقرار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین اہل علم کے موقف کے مطابق فقہ حنفی یا فقہ مالکی کی علمیت اپنی جگہ، لیکن سواد اعظم میں ان کی مقبولیت کی بنیاد پر دیگر فقہوں پر ان کی قطعاً کوئی علمی وتحقیقی برتری نہیں۔ واضح رہے کہ اگر کسی شے کی علمیت کے لیے اساس اسی قسم کے تاریخی اتار چڑھاؤ ہی کو تسلیم کرلیا جائے تو اکبر کے الحادی 'دینِ الٰہی' کے جو اثرات برصغیر پاک وہند کے عوامی دھارے میں آج تک نظر آتے ہیں ان سب کو دین ماننا پڑے گا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ کئی صدیوں سے امت میں چار فقہیں زیادہ معروف ہیں، جن میں فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کا نام سامنے آتا ہے۔ بعض لوگ، جو اوپر ذکر کردہ اس قسم کے حقائق پر نظر نہیں رکھتے، اس بنیاد پر کہ اب امت میں یہی چار فقہیں عوامی طور پر رائج ہیں، سطحی طور پر کہہ دیتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں دعوائے اجماع کے لیے صرف ان چار مذاہب فقہ کے اتفاق کو ہی پیش کرنا کافی ہے، حالانکہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ کہنا بھی صحیح ہو گا کہ امت میں عوامی طور پر رائج چار قراءات میں پیش شدہ اختلافات تو اجماعی ہیں، جبکہ باقی سولہ روایات میں موجود دیگر اختلافات، جن کا علم صرف اہل علم میں موجود ہے، ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں۔ یاد رہے کہ کسی مسئلہ میں اجماع یا تعامل امت کے تعین کے بارے میں اصل معیار اہل علم کا اتفاق ہے۔ عوام الناس تو دینی نظریات میں اہل علم کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے جس طرح یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ مذاہب اربعہ کے اتفاق یا دنیا میں ان کے عملی طور رائج ہونے کا نام تعاملِ امت ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ دنیا میں رائج چار قراءات ہی صرف تعاملِ امت سے ثابت ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جس طرح تعاملِ امت چار قراءات کو تو تسلیم کرتا ہے اسی طرح چونکہ اجماع وتعامل کی اصل اساس علماء کا اتفاق ہے، چنانچہ دیگر سولہ روایات بھی تعامل اُمت سے ثابت ہیں۔ یہی معاملہ فقہی مذاہب کا بھی سمجھنا چاہیے۔

الغرض فقہی اختلافات کے ضمن میں اجماع یا تعامل امت کے سلسلہ میں اس قسم کی آراء کہ مذاہب اَربعہ کے اتفاق کا نام اجماع ہوتا ہے، سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان چار فقہوں سے کس قدر عقیدت پائی جاتی ہے۔ اسی پس منظر میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ چونکہ آج عالم اسلام کے عام ممالک میں دو فقہیں زیادہ رائج ہیں، چنانچہ عالم اسلام کے مشرقی علاقوں میں فقہ حنفی کو اور مغربی ممالک میں فقہ مالکی کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسری فقہ کو حاصل نہیں ہوسکا۔ صورتحال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قراءات میں استاد چونکہ امام عاصم کوفی رحمہ اللہ ہیں، جن کے شاگرد امام حفص رحمہ اللہ کی روایت مشرقی ممالک میں رائج ہے، اسی لیے عالم اسلام کے مشرقی بلاک میں انہی حفص کی روایت یا بالفاظ دیگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قراءت زیادہ رائج ہوئی۔ دوسری طرف امام دار الھجرۃ امام مالک مدنی رحمہ اللہ کے تجوید وقراءات میں استاد امام نافع مدنی رحمہ اللہ ہیں۔ امام نافع رحمہ اللہ نے جو اندازِ تلاوت آگے نقل کیا ہے، وہ دو روایتوں کے ذریعے امت تک منتقل ہوا ہے: ایک امام ورش رحمہ اللہ کی روایت سے ہم تک پہنچا ہے اور دوسرا امام قالون رحمہ اللہ کی روایت سے۔ یہ دونوں حضرات امام مالک رحمہ اللہ کے ساتھیوں میں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، تو بالعموم وہ ممالک جو افریقہ یا مغرب کے ممالک کہلاتے ہیں، جن میں اندلس، لیبیا، الجزائر اور مراکش وغیرہ شامل ہیں، ان ملکوں میں چونکہ فقہی طور پر فقہ مالکی کا رواج زیادہ ہے، چنانچہ عموماً روایت ورش پڑھی جاتی ہے اور بعض ممالک میں روایت ورش کے ساتھ ساتھ روایت قالون پڑھنے کا بھی اہتمام ہے۔

مزید برآں چونکہ یہ ایک الگ واقعاتی صورتحال ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مشرقی ممالک میں موجود ہے، چنانچہ روایت حفص کو عملاً روایت ورش سے زیادہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی، لیکن اس کا قطعی مطلب یہ نہیں کہ دنیا میں روایت ورش صرف چند علاقوں میں رائج ہے۔ یہ بڑی مغالطہ امیز بات ہے کیونکہ اہل نظر جانتے ہیں کہ عالم اسلام میں فقہ مالکی کو بھی فقہ حنفی کی طرح عروج حاصل ہے اور ان تمام ممالک میں جہاں فقہ مالکی موجود ہے وہاں روایت ورش اور روایت قالون ہی رائج ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی امام نافع رحمہ اللہ سے کیسی عقیدت تھی اس کی نوعیت جاننے کے لیے یہ واقعہ سامنے رہنا چاہئے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے کسی نے 'بسم اللہ' کو جہراً پڑھنے کے بارے میں سوال کیا، تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ میں یہ موجود ہیں اور ان کا اشارہ امام نافع رحمہ اللہ کی طرف تھا، تب تک قرآن کے مسائل میں میری بجائے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

یہاں بطورِ علم اس بات کو ذکر کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ 'سبعة أحرف'' کے ضمن میں جو اختلاف آئمہ قراء کی وساطت سے بطریق تواتر امت تک منتقل ہوا ہے، اس میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ آئمہ کی روایات میں باہمی طور پر سب سے زیادہ اختلاف امام ورش رحمہ اللہ اور امام حفص رحمہ اللہ کی روایت میں ہے اور یہی دو روایات عالم اسلام کے سواد اعظم میں رائج ہیں، چنانچہ اختلاف قراء ات کے سلسلہ میں جو لوگ تشویش محسوس کرتے ہیں انہیں دیگر روایات سے قطع نظر اس پہلو کو بھی ضرور مدنظر رکھ لینا چاہیے۔

سوال نمبر ۴۲: اگر تنوع قراء ات سے مراد لغات یا لہجات کا اختلاف ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں صرف اہل عرب کا خیال رکھا گیا ہے، نا کہ اقوامِ عالم کا، حالانکہ قرآن مجید پوری دنیا کے لیے نازل ہوا ہے؟

جواب: قرآن مجید اور سنت قیامت تک کے لیے تمام آنے والے افراد اور تمام قسم کی اقوام کے لیے راہنمائی اور رُشد کا ذریعہ ہے، لیکن اس کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کے اندر مخصوص طبقات یا مخصوص اقوام کے لیے کوئی خاص ہدایات موجود نہیں ہیں۔ اس حوالے سے قرآن چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے قرآن مجید میں اگر عربی زبان کے حوالے سے کوئی مشکل کا احساس پایا جائے اور اس مشکل کے اعتبار سے کچھ سہولت دے دی جائے، تو اس حوالے سے خاص اہل عرب کے لیے ہی اس مشقت کا ازالہ کیا جائے گا۔

اسی طرح مختلف قراء ات کا نزول چونکہ مختلف عربی لغات اور عربی لہجات کے پیش نظر ہوا ہے اور یہ عربی لہجات اہل عرب کے اندر ہی بنیادی طور پر بولے جاتے تھے، اہل عجم کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اہل عرب کے اندر ہی یہ مشکل تھی کہ ایک لہجے کا پابند اگر دوسرے لہجے والے کو کیا جاتا، تو اس کے لیے اس لہجے کو اختیار کرنا مشکل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اس چیز کی اہل عرب کے لیے گنجائش دے دی گئی۔ اس پہلو سے قرآن مجید اگرچہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے رہنمائی کی بنیاد ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن مجید میں عربیت کے ضمن میں جو مشکلیں ہیں اور ان مشکلوں کے حوالے سے جو رخصتیں دی گئی ہیں، ان کا تعلق صرف اہل عرب سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر۴۳: کیا قرآن میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے اختلاف قراءات کا علم حاصل ہوتا ہو؟

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے اس سلسلہ میں اہل علم کے مابین موجود ایک اور اختلاف کی نشاندہی ضروری ہے۔ علماء میں اس مسئلے میں اختلاف موجود ہے کہ احادیث نبویہ بنیادی طور پر قرآن مجید کے کسی نہ کسی آیت کے ذیل ہی میں داخل ہوتی ہیں یا بطور وحی وہ محض استقلالی حیثیت رکھتی ہیں، جن کا قرآن کی نسبت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بارے میں اہل علم کے دو قول عرصہ قدیم سے چلتے ہیں:

① عام طور پر جو قول امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، وہ یہ ہے کہ بطور وحی تو حدیث کی حیثیت بھی مثل قرآن استقلالی ہے، البتہ دونوں وحیوں کا باہمی تعلق اجمال وبیان کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور جملہ ہے کہ نَزَلَ القرآنُ جُملةً حَتّٰی بيَّنَه الرسولُ یعنی قرآن اجمال کے ساتھ اترا اور حدیث اس کی تبیین کے ساتھ اتری۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے بقول اللہ کے رسول ﷺ کا ایک تو یہ تھا کہ وحی کی دونوں قسموں کو امت تک پہنچائیں، لیکن اس کے بعد ان تبیین قرآن کے ضمن میں بنیادی کام قرآن مجید پر اضافہ کرنا نہیں تھا، بلکہ محض قرآن مجید کی تبیین کرنا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کا ہر ارشاد قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت کے ذیل ہی کے حوالے سے آپ ﷺ نے توضیحا ارشاد فرمایا ہے۔

② دوسرے علماء پہلے نظریہ سے اس پہلو سے تو متفق ہیں کہ رسول اللہ کی لائی ہوئی دونوں قسم کی وحی ایک حیثیت رکھتی ہیں، البتہ ان دونوں وحیوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کے بارے میں وہ خاموش ہیں۔ ہماری سمجھ یہ ہے کہ ان اہل علم کی نظر اس بات پر ہے کہ وحی بصورت قرآن پہنچے یا بصورت حدیث دونوں اللہ تعالیٰ کی ابدی ہدایت ہیں، چنانچہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ان دونوں وحیوں کے باہمی تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ اس قسم کی مباحث سے استخفاف وانکار حدیث کے رستے وا ہوتے ہیں، چنانچہ احادیث میں موجود کوئی چیز قرآن مجید پر بظاہر اضافہ کر رہی ہے یا نہیں، ہمارے حق میں وہ اللہ کی ابدی اور ایک جیسے ہدایت ہے۔

اب متقدمین میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تعبیر کو لیا جائے یا امام شافعی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر ائمہ کی تعبیر کو، جو کہ یہ کہتے ہیں کہ ”ألا إني أوتيتُ القرآنَ و مثلَه معه“ [مسند احمد: ۱۷۲۱۳] کہ میرے لیے قرآن کی مثل ایک مستقل وحی مزید دی گئی ہے، امر واقعہ میں نفس مسئلہ پر دونوں سے فرق نہیں پڑتا، لیکن نفس مسئلہ کی حقیقت کے اعتبار سے امام شافعی رحمہ اللہ کی تعبیر چونکہ دیگر اہل علم سے علمی اعتبار سے زیادہ واضح ہے کہ اس میں ایک مزید سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا وہ حکم جو کہ وحی کی بنیاد پر آپؐ نے قرآن مجید سے مستقلاً ہمیں دیا ہے، اس کا بنیادی طور پر قرآن سے تعلق کیا ہے؟ اس حوالے سے ہم اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے اس موقف کو دیکھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ احادیث میں اختلاف قراءات کا جو ذکر آیا ہے، وہ قرآن مجید کی کسی نہ کسی اصولی حکم کے تحت پہلے سے قرآن میں موجود تھا، جسے نبی کریم ﷺ نے وحی کی روشنی میں سمجھ کر ہمارے سامنے پیش کر دیا، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ [البقرۃ:۱۸۵] اور ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج:۷۸] جیسی آیات کے ضمن میں أنزل القرآن علی سبعة أحرف کا کوئی نہ کوئی پیغام موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سوال نمبر۳۳: بعض آئمہ قراء ات پر محدثین کرام نے جرح کی ہے، کیا اس جرح کے باوجود وہ ایک مقدس علم نقل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، جبکہ حدیث کے معاملے میں ان کی شخصیت ثابت نہیں؟

جواب: یہ سوال بنیادی طور پر ایک مغالطے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ، جو علم الحدیث سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں، وہ علم الحدیث کی تحقیق میں جب افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں تو بسا اوقات اس فرق کو بھول جاتے ہیں کہ اہل علم نے مختلف علوم کی روایت اور خود ان علوم کے طریقۂ تحقیق میں فرق رکھا ہے، مثلاً روایت 'سنت' کی بھی ہوتی ہے، اسرائیلیات کی بھی ہوتی ہے، سیرت وتاریخ کی بھی ہوتی ہے، تفسیر کی بھی ہوتی ہے اوراسی طرح قرآن کریم کی بھی۔ ہرایک فن کے حاملین اور ماہرین بھی مختلف ہیں۔ اگر تفسیر کی تحقیق مقصود ہو تو یہ محدثین کے بجائے مفسرین کا موضوع بحث ہے اور اس کو اصول حدیث کے بجائے فن تفسیر کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ اگر تفسیری روایات صحابہ وتابعین کے اقوال پر مشتمل ہوں یا شانِ نزول سے متعلق روایات ہوں اور ان کی تحقیق کا موضوع زیر بحث ہو تو اس کو اصولِ تفسیر میں طے شدہ تحقیقِ روایت کے اُصولوں پر پرکھا جائے گا۔ یہ مفسرین کرام اور نصاب تفسیر کا موضوع ہے۔ یہی حال تاریخی روایات کے پرکھنے کا ہے کہ اگر تاریخ کی روایت زیر تحقیق ہو تو یہ مورخین کا موضوع ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ 'سنت' کے پرکھنے کے حوالے سے جو نصاب محدثین کے ہاں اُصول حدیث کے نام سے مدوّن صورت میں موجود ہے، وہ حدیث کو پرکھنے کا نصاب ہے، لیکن اُصول حدیث حدیث کو پرکھنے کے اصول تو ہیں، لیکن ان کے ذریعہ سے تفسیر، تاریخ، سیرت، إسرائیلیات یا قرآن مجید کو پرکھنا غیر علمی طریق کار ہے۔ ان موضوعات پر مفصل بحث ان کے اپنے اپنے نصابات میں موجود ہے۔

سردست یہاں قرآن مجید کی روایت کے فرق کے حوالے سے جو سوال کیا گیا ہے، اس کے ضمن میں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ قرآن مجید کے طریقۂ روایت کا سنت نبوی کے طریقۂ روایت سے فرق ہے۔ ان دونوں کے طریقہ روایت کا فرق جاننے کے لیے آج کے دور میں محض قرآن مجید کے طریقۂ حفظ کو ہی اگر دیکھ لیا جائے تو اندازہ ہوجائے کا دونوں میں 'ضبطِ شئے' کے معیار کا کس قدر فرق ہے۔ چونکہ حدیث تحمّل واداء کے ذریعے وجود میں آتی ہے کہ ایک آدمی بیان کرنے والا ہوتا ہے، دوسرا آدمی اس کوسن کر اخذ کرتا ہے اور پھر اس کو آگے بیان کرتا ہے، تو روایت تحمّل واَدا کے طریق سے گزر کر سامنے آتی ہے، جبکہ قرآن مجید کے تحمّل واداء، جسے اصطلاح قراء میں تلقّی وتلاوت کہتے ہیں، کا طریقہ حدیث سے انتہائی مختلف ہے۔ حدیث میں چونکہ اصل شے مراد ہے اس لیے اس میں روایت بالمعنی کی گنجائش ہے، لیکن قرآن مجید کے الفاظ وحی ہیں، چنانچہ اس میں روایت بعینہٖ الفاظ کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔ اب دنیا میں روایت باللفظ چونکہ انتہائی مشکل بلکہ ناممکن صورتوں میں سے خیال کی جاتی ہے، چنانچہ مشہور فلسفی وشاعر اقبال کے بقول ان کے بعض فلسفی ساتھیوں نے اسی وجہ سے قرآن کی محفوظ روایت پر شک کیا تھا، لیکن اگر اقبال کے وہ دوست آج کل کے مدرسوں میں شعبہ تحفیظ القرآن اور حلقات تحفیظ کا جائزہ لے لیتے، تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ یہ حفاظت عملی طور پر پچھلی چودہ صدیوں میں کس طرح وجود میں آئی ہے۔

قرآن مجید کے حفظ کا ایک خاص انداز ہے، جس میں ایک آیت کو حفظ کرکے، آگے منتقل کرنے کے لیے استاد اور شاگرد کا جو اسلوب ہوتا ہے، وہ حدیث یا دنیا میں کسی علم کے طریقۂ روایت میں دیکھا نا ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے ایک ایک لفظ کو ایک طالب علم یاد کرنے کے لیے بسا اوقات دو دو گھنٹوں میں بیسیوں دفعہ تکرار کے بعد یاد کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل حدیث کے حفظ کا حلقوں کی صورت میں کوئی اہتمام ہے اور نہ حدیث کو بطور الفاظ یاد کرنے کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے، جس طرح کہ قرآن مجید میں اہتمام کے ساتھ ایک معجزانہ صورت میں یہ موجود ہے۔ قرآن کریم کے طریقۂ ضبط کے حفظِ حدیث سے فرق سمجھنے کے لیے اگر غور کیا جائے تو مشاہدہ یہ ہے کہ جن طلبہ کے حافظے کمزور ہیں، جب وہ قرآن مجید کو یاد کرتے ہیں تو حفظ کرتے وقت ان کو عام ذہین بچوں کے بالمقابل ۵۰ کے بجائے دو دو سو بار ایک آیت کو دہرانا پڑتا ہے اور عام طور پر قرآن کا نقش ان کے ذہن پر جب جاگزیں ہوتا ہے تو وہ نقش اس قدر دیرپا ہوتا ہے کہ تیز حافظے والے بچوں کے ذہن پر اِس کا اثر اس قدر قوی نہیں ہوتا۔ عام مشاہدہ ہے کہ جو بچے قوی حافظے کی بنا پر جلد حفظ کر لیتے ہیں وہ عموماً جلد بھول بھی جاتے ہیں۔ عام طور پر وہ لوگ جو مختلف انسانی قویٰ میں کسی نہ کسی پہلو سے محرومی رکھتے ہوں، مثلاً نابینا حضرات یا وہ لوگ جو ذہنی طور پر کمزور ہوں، بلکہ مدارس میں تو آج ایسے بچوں کو ہی حفظ کے لیے بھیجا جاتا ہے، یہ لوگ جب قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں تو ان کو حفظ کرنے میں چھ چھ، آٹھ آٹھ سال کا عرصہ لگ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حفظ قرآن میں ان کی طبعی کمزوریاں یوں زائل ہوجاتی ہیں کہ بےشمار تکرار کی وجہ سے قلوب واذہان پر قرآن کریم کا نقش زیادہ گہرا ہوجاتا ہے۔

بس اسی مثال کو اگر سامنے رکھ لیا جائے تو یہ بات سمجھ آجانی چاہئے کہ ائمہ قراء میں سے وہ حضرات، جن پر باعتبار حافظہ بعض محدثین نے جرح کی ہے، وہ حدیث میں اپنے حافظے کے کمزور ہونے کے باوجود کس طرح قرآن اور قراءات قرآنیہ میں قوی ترین حافظہ کے مالک تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے قرآن مجید کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ ایک ایک امام دن کے چوبیس چوبیس گھنٹوں میں اور زندگی کے پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ سالوں کے دورانیہ میں جس طرح ہزاروں بار قرآن کو دہرا چکا تھا اور ان کی ہمہ وقت درس و تدریس میں مشغول تھا اس سے اس کے حافظے کی وہ کمزوری، جو حدیث وغیرہ میں تھی، قرآن مجید کے حفظ اور اس کو آگے منتقل کرنے میں زائل ہوگئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ جرح وتعدیل نے اس قسم کے تمام آئمہ کے تراجم میں وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ حدیث کے میدان میں ضعیف ہونے کے باوجود قرآن کے معاملہ میں ثقاہت اور امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ ماہنامہ رشد 'قراءات نمبر' ۳ میں ہم اس موضوع پر ایک مستقل مضمون ہدیہ قارئین کریں گے۔

یاد رہے کہ محدثین کے ہاں فن حدیث میں سیئ الحفظ راوی کی دو قسمیں ہیں: کچھ رواۃ کا حافظہ پیدائشی طور پر کمزور ہوتا ہے اور کچھ کا مختلف وجوہ کی بنا پر بعد میں ضعیف ہوجاتا ہے۔ پہلے کو سوء الحفظ اصلی اور دوسرے کو سوء الحفظ طاری کہا جاتا ہے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے ضمن میں آئمہ قراءات میں موجود دونوں قسم کی حافظے کی کمزوری بوجوہ زائل ہوگئی تھی۔ آئمہ قراءات کے حوالے سے حافظے کی ایسی کمزوری جو پیدائشی وحقیقی ہو اس پر تو اوپر بحث ہوچکی، رہی حافظے کی ایسی کمزوری جو اصلی نہ ہو بلکہ بعد میں مختلف وجوہ سے طاری ہوجائے، تو اہل علم کے ہاں اس کی بعض صورتیں یہ بھی ہیں کہ بسا اوقات کسی شخص کا ایک علم سے اعتناء اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ دیگر امور سے دلچسپی بالکل کھو بیٹھتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا حافظہ صحیح ہونے کے باوجود دیگر اُمور میں کام نہیں کرتا، جیسے ایک شخص جو ہر وقت قرآن اور اس کی قراء ات کے علوم میں مشغول رہے، بسا اوقات غالب یا اقبال کے شاعرانہ ذوق سے عدم دلچسپی کی بنا پر اسے اردو کا نہ کوئی شعر سمجھ آتا ہے اور نہ دماغ میں ٹکتا ہے۔ اس ضمن میں ان اہل علم اور مجتہدین کی مثال بھی قرین قیاس ہے جو ہر وقت دین میں غور وفکر کے عادی ہوتے ہیں، اسی وجہ سے حفظِ حدیث اور دیگر دنیاوی امور میں ان کا حافظہ متاثر ہوجاتا ہے، حالانکہ ان کا حافظہ عمومی طور پر کمزور نہیں ہوتا۔ آئمہ قراء ات میں سے جن بعض حضرات کی باعتبار حافظہ تضعیف کی گئی ہے، ان کے بارے میں واضح رہے کہ بسا اوقات اِس جرح کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اصل ہی کے اعتبار سے ضعیف حافظہ کے مالک ہوتے ہیں یا بعض اوقات قرآن اور علوم قرآن سے سدا بہار تعلق کی وجہ سے دیگر علوم میں ان کا حافظہ متاثر ہوجاتا ہے۔ بہرحال صورت جو بھی ہو ان کا وہ حافظ قرآن کریم کے ضمن میں مقبول بلکہ اعلی درجہ کا ہوتا ہے، برخلاف حدیث ودیگر دنیاوی امور کے، وہ اس میں عام طور پر بات کو بھول جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۳۵ رسم عثمانی کو صحت ِقراءۃ کی ایک لازمی شرط قرار دیا جاتا ہے، لیکن مصاحف عثمانیہ باہمی طور خود مختلف ہیں کہ ان میں بعض مقام پر کچھ کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں؟ اس پر کچھ تبصرہ کردیجیے۔

جواب: پہلے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ رسم عثمانی کی جو نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر مجازا ہے، ورنہ درحقیقت قرآن مجید کا رسم، جسے صحت ِقراء ات کے لیے ایک لازمی شرط قرار دیا گیا ہے، یہ بنیادی طور پر وہ طریقۂ کتابت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود املاء کروایا تھا۔ اس کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس متعدد صورتوں میں موجود رہا۔ یہی وجہ کہ علم الرسم کی جمیع کتب میں رسم عثمانی کی تعریف میں ماہرین فن نے بالاتفاق وضاحت کی ہے کہ عثمانی رسم الخط کے معنی یہ ہیں کہ قرآنی کلمات کو حذف وزیادت اور وصل وقطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جس پر دور عثمانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوچکا ہے اور جو تواتر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض وجوہات کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کتابت اور رسم الخط کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ایک جگہ اکٹھا کردیا اور حکومتی حفاظت میں لے لیا، تاکہ وہ طرز کتابت، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں لکھوا کر محفوظ کروا چکے تھے، غیر محفوظ ہو کر ضائع نہ جائے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کے حوالے سے اختلافات ظہور پذیر ہوئے تو ان اختلافات کو حل کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کے اندر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے اس رسم کو، جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یکجا کرلیا تھا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوایا اور ایک تحقیقی کمیٹی بنا کر دوبارہ نظر ثانی کروا کر لوگوں کے لیے ایک 'معیار' کے طور پر قانونی طور پر نافذ کردیا، تاکہ آج کے بعد قرآن کے حوالے سے جو بھی اختلاف رونما ہو، اُس کو اِس 'معیاری رسم الخط' پر پیش کرکے دیکھ لیا جائے، اگر یہ رسم اس کو قبول کرے تو اس کو بطور قرآن قبول کرلیا جائے، ورنہ رد کردیا جائے۔

یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے مختلف حفاظ کے درمیان آج قرآن مجید کی کسی آیت یا کلمے کے بارے میں جب اختلاف پیدا ہوجاتا ہے تو قرآن مجید کو کھول کر اس کی کتابت سے فیصلہ کرلیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں وہ چیز موجود ہے یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ اگر موجود ہو تو اس کو بطور قرآن قبول کرلیا جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ عین یہی تدبیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد سلطنت میں قرآن مجید کے ضمن میں پیدہ شدہ فتنہ واختلاف کو ختم کرنے کے لیے کی تھی۔ اسی وجہ سے بعدازاں زمانوں میں ہمیشہ کے لیے یہ ضابطہ طے کر دیا گیا کہ قیامت تک اگر کبھی قرآن کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو تو اختلافات کو حل کرنے کے لیے اور کسی بھی شے کو بطور قرآن قبول کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ مصاحف سے موافقت ضروری ہے۔ باقی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو رسم الخط پیش فرمایا تھا، اس کے بارے میں واضح کیا جاچکا ہے کہ وہ رسم انہوں نے خود اللہ کے رسول ﷺ سے اخذ فرمایا تھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس رسم کو اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کو املاء کروا دیا تھا، جس کے دو مقاصد تھے:

① قرآن مجید کی جو روایت الفاظ کی صورت میں بعدازاں کی جائے تو چونکہ یہ ایک مشکل کام تھا، چنانچہ اس کی حفاظت کے لیے قرآن مجید کو لکھوا دیا گیا، تاکہ کسی بھی وقت کسی بھی قسم کے لفظی اختلاف کی صورت میں کتابت کے اس 'معیار' سے مدد لی جاسکے۔

② امت میں قرآن اور اس کے نقش کے بارے میں کسی وقت بھی پیدا ہونے والے اختلاف کا قبل ازیں ایسا اہتمام کرلیا جائے کہ اس اختلاف کے حل کے لیے خارج میں پہلے سے ایک ایسا معین 'معیار' موجود ہو، جو صحیح وغلط کے مابین امتیاز کا کام دے۔

اب ہم آتے ہیں سوال مذکور کے جواب کی طرف کہ کیا رسم عثمانی میں اختلاف موجود ہے؟ اس حوالے سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ یہ رسم، چونکہ قرآن مجید کی روایت اور قراءات یا نفس قرآن کی حفاظت کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں املاء کروا دیا تھا، تو اب چونکہ قرآن مجید میں متعدد لہجوں اور اسلوبِ بلاغت کا بھی اختلاف روزِ اوّل سے موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو رسم صحابہ کو لکھوایا تھا، اس رسم میں بعض ایسے کلمات، جو متعدد قراءات کو اپنے اندر سمو نہیں سکتے تھے، مثلاً حذف وزیادت وغیرہ کے قبیل کے بعض اختلافات، کو خود آپ ﷺ نے مختلف اندازوں سے لکھوا دیا تھا۔

بعدازاں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے اس 'معیار' کو پیش فرمایا تو اس معیار کو پیش کرتے ہوئے جو مصاحف مختلف شہروں کی طرف روانہ فرمائے، ان کے اندر بھی مختلف فیہ کلمات، جو تقریباً پچاس یا ساٹھ کے قریب ہیں، کو پھیلا دیا، مثلاً وہ مصحف جو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ فرمایا تھا، اس میں سورۃ توبہ کے اندر ''تجری تحتها الانهار'' میں ''تحتها'' سے قبل 'مِنْ' کا اضافہ کردیا۔ اس طرح مصحف شام اور مصحف مدینہ کے اندر ''ووصّى'' کو ''وأوصى'' لکھوا دیا گیا، تاکہ دونوں قراءات رسم الخط سے نکل سکیں۔ المختصر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کے بجائے اللہ کے رسول ﷺ کے طریقہ کتابت اور اس میں موجود اختلافات کو ہی برقرار رکھتے ہوئے مختلف مصاحف میں منقولہ اختلاف کو اُسی طرح لکھوایا تھا، جس طرح صحفِ ابی بکر میں موجود تھا۔ واضح رہے کہ متنوع قراءات کی مثل رسم الخط کا یہ سارا اختلاف بھی توقیفی اور ثابت عن الرسول ﷺ ہی ہے۔

رسم عثمانی توقیفی ہے یا اجتہادی؟ اس سلسلہ میں ایک مضمون 'رشد' قراءات نمبر' حصہ اوّل میں قاری محمد مصطفیٰ راسخ حفظہ اللہ کے قلم سے شائع کیا جاچکا ہے اور دوسرا زیر نظر شمارے میں حافظ سمیع اللہ فراز حفظہ اللہ کے رشحات قلم سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل اشاعت ہے، جب کہ عثمانی مصاحف میں رسم الخط کے ضمن میں چند ایک اختلافات موجود تھے، اس پر تفصیلا بحث پچھلے شمارہ میں شائع شدہ قاری محمد ابراہیم میر محمدی ﷾ کے مضمون کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر ⑬: اگر رسم عثمانی اور اس میں موجود اختلاف توقیفی ہے تو حضرت عثمان ؓ کے ارشاد فاکتبوہ بلغة قریش کا کیا معنی ہے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسم عثمانی قریشی اندازِ کتابت پر مشتمل ہے۔

جواب: اوپر ذکر کردہ جواب سے یہ سوال بدیہی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے ایک متفقہ مصحف کی تیاری کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی، جن کے کام پر بعد ازاں بارہ ہزار صحابہ ؓ نے اتفاق کیا، اس کمیٹی کو حضرت عثمان ؓ نے یہ ہدایت ارشاد فرمائی تھی، جو صحیح بخاری میں موجود ہے کہ اگر آپ کا کسی بھی شے میں باہمی اختلاف ہوجائے، تو اس صورت میں اس شے کو آپ لغت قریش کے مطابق لکھیں۔ اگر رسم الخط کا اختلاف توقیفی ہوتا تو انہیں یوں کہنا چاہئے تھا کہ اختلاف کی صورت میں تم ماضی میں موجود اللہ کے رسول ﷺ کے رسم میں سے اسے تلاش کرنا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کے اس دعوی ہی میں اس بات کا جواب موجود ہے کہ اگر رسم عثمانی کی اَساس صحف ابی بکر اور کتابت نبوی کو نہیں بنایا گیا تو اختلاف کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔ سیدھی بات ہے کہ جس طرح سے کلمات کو لکھنے سے قرآن کا تعین ممکن ہوتا ویسے لکھ لینا چاہیے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ تاریخی روایات اس بارے میں بالکل قطعی ہیں کہ حضرت عثمان ؓ نے اس کام سے قبل صحف ابی بکر کو منگوایا تھا اور کام کی اساس انہیں کو بنایا تھا۔ اگر لغت قریش میں قرآن کا رسم تیار کرنا اس کمیٹی کا کام ہوتا تو کبھی بھی حضرت عثمان ؓ حضرت حفصہ ؓ سے صحف ابی بکر کو نہ منگواتے، کیونکہ اگر لغت قریش پر لکھنا قرآن مجید کا کوئی اجتہادی انداز ہوتا تو صحف حفصہ کا اس میں سرے سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔

علاوہ ازیں حضرت عثمان ؓ کے مذکورہ جملہ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ ؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تمہارا اختلاف نہ بھی ہو تو پھر بھی تم لغت قریش کے مطابق لکھتے چلو، بلکہ فرمایا کہ اگر کسی بھی جگہ پر کسی پہلو سے تمہارے مابین اختلاف پیدا ہوجائے کہ اس جگہ اس کا رسم کیا اختیار کرنا ہے تو ایسے اختلاف کی صورت میں تم لغت قریش کو معیار بنانا۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اختلاف کے بغیر لکھنے کی قرآن کو لغت قریش کے مطابق لکھنے کی حضرت عثمان ؓ نے ہدایت نہیں فرمائی تھی۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عثمان ؓ نے یہ ارشاد کیوں فرمایا تھا؟ تو ہم یہ بات ذکر کرنا چاہیں گے کہ اس کا سبب تاریخی روایات میں بالصراحت موجود ہے کہ صحف ابی بکر کے اندر بعض چیزیں مرورِ زمانہ کے ساتھ مٹ گئیں تھیں یا ان کی سیاہی مدھم پڑ گئی تھی، چنانچہ اس کمیٹی میں بعض کلمات میں اس قبیل سے اختلاف ہوا تو حضرت عثمان ؓ نے ایک اجتہادی ضابطے کے طور پر فرما دیا کہ ایسے اختلاف کی صورت میں اگر تمہیں پہلے سے موجود کوئی رسم نہیں ملتا، تو قرآن مجید چونکہ بنیادی طور پر لغت قریش کے مطابق نازل ہوا تھا اور قریشی لغت کو یک گونہ دیگر لغات پر جو فوقیت دی گئی ہے، اس اعتبار سے ایسے اختلافی مقامات پر قریش کے طریقہ کتابت کو اختیار کرلینا۔ تاریخی روایات میں وضاحتاً یہ بھی موجود ہے کہ ایسا اختلاف صرف ایک کلمہ میں سامنے آیا تھا اور وہ کلمہ 'تابوت' کی 'تا' ہے۔ امام ابن حجر ؒ اور دیگر اہل علم نے لکھا ہے کہ صحفِ ابی بکر میں تابوت کی دوسری تاء بوجوہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مٹ گئی تھی اور یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کلمہ لمبی تاء کے ساتھ لکھا جائے یا چھوٹی تاء سے، تو ان صحابہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کے ارشاد کے مطابق قریش کے طریقۂ کتابت کے مطابق اسے لمبی تاء سے لکھ دیا۔ اب جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں 'تابوت' کی تا کے علاوہ باقی تمام مقامات صحف ابی بکر اور رسمِ نبوی کے قبیل سے ہی ہیں۔ صرف 'تابوت' کی تا قریش کے طریقۂ کتابت کے مطابق ہے۔

اب 'تابوت' کی 'تا' کے سلسلہ میں واضح ہونا چاہیے کہ ابتدائی ہدایت کے مطابق تو اجتہاد کرتے ہوئے اسے لغت قریش کے مطابق لکھ دیا گیا تھا، لیکن بعد ازاں بعض روایات میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ اسی کمیٹی کو لفظ 'تابوت' بعض صحابہ ؓ کے پاس باقاعدہ طور پر لمبی تاء کے ساتھ لکھا ہوا بھی مل گیا تھا، جس کی وجہ سے ہم برملا کہہ سکتے ہیں کہ کلمہ 'تابوت' میں اجتہاد کے ذریعے جو رسم الخط اختیار کیا گیا تھا، بعد ازاں اسے بھی روایات کی موافقت ملنے کی وجہ سے 'توقیفی' حیثیت مل گئی۔ اس قسم کی بعض دیگر تفصیلات ماہنامہ رشد 'قراءات نمبر' حصہ اوّل میں قاری محمد مصطفیٰ راسخ ﷾ کے مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ موصوف نے اس قسم کے تمام اشکالات کو رفع کیا ہے اور ان روایات کی تخریج بھی کر دی ہے، جن میں تابوت کی 'تا' بعض دیگر صحابہ سے مل گئی تھی۔

اس ضمن میں تفصیلی دلائل کے شائقین کو جناب حافظ سمیع اللہ فراز ﷾ کے ایم فل کی سطح پر لکھے گئے تحقیقی مقالے 'رسم عثمانی اور اس کی شرعی حیثیت'، مطبوع شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، جس سے کافی سارے سوالات واشکالات رفع ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔

سوال نمبر ۱۲: قراءات شاذہ کا کیا حکم ہے اور ان کو 'قراءات' کیوں کہا جاتا ہے، جبکہ یہ قرآن مجید نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ اختلافاتِ 'مترادفات' کے قبیل کی 'قراءات شاذۃ' سے معنی میں استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے، جبکہ ہمیں تسلیم ہے کہ وہ عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہو گئی تھیں؟

جواب: 'قراءات شاذۃ' کے بارے میں کسی بحث سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کا معنی کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایسی روایات جو بطور قرآن نقل تو کی گئی ہیں، لیکن بعد ازاں قرآن مجید کے ثبوت کے ضابطے پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے وہ بطور قرآن قبول نہیں کی جا سکیں تو انہیں 'قراء ات شاذۃ' کہا جائے گا۔ بعض علمائے قراءات کے ہاں غیر ثابت شدہ قراءات کو بھی قراءات شاذہ کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ بہرحال 'قراءاتِ شاذۃ' کو 'قراءۃ' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بطورِ قرآن نقل ہوتیں ہیں اور سوال نمبر ۴ اور ۷ میں گزر چکا ہے کہ لفظ 'قراءۃ' اہل علم کے ہاں قرآن کی 'روایت' کے لیے مستعمل ہے، چنانچہ قراءات شاذہ ہوں یا قراءات ضعیفہ، یہ بنیادی طور پر قرآن مجید تو نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کو بطور قرآن کے نقل کیا گیا ہے، اس لیے انہیں 'قراءات' کہتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح ضعیف اور موضوع روایت کو ہم ضعیف وموضوع حدیث کہہ دیتے ہیں، کیونکہ ان کی روایت بطور حدیث کی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح 'قراءات شاذۃ' کو قراءات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے طور پر نقل ہوئی ہیں، اگرچہ نفس الامر میں بطور قرآن ثابت نہیں ہو سکیں۔

اب رہا یہ سوال کہ قراءات شاذہ کا حکم کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قراءات شاذہ کی دو قسمیں ہیں: اگر یہ صحت سند سے ثابت نہ ہوں تو محدثین نے جو مقام ضعیف احادیث کا مقرر کیا ہے، وہی مقام قراءات شاذہ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہوگا،البتہ اگر یہ صحت سند سے تو ثابت ہوں،لیکن قرآن مجید کے معیارِ ثبوت پر پورا نہ اتر سکیں تو ایسی قراء ات کوقرآن مجید میں شامل نہ ہوسکنے کی وجہ سے نہ تو بطورقرآن تلاوت کیا جاسکتا ہے اور نہ نمازوں میں پڑھا جاسکتا ہے، البتہ بطور تعلیم وتعلّم کے انہیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔اب ایسی قراء ات شاذہ جو کہ صحت سند سے تو ثابت ہیں، لیکن ان کے الفاظ بطورقرآن ثابت نہیں تو فقہاء میں ان بارے میں دو آراء ہوگئی ہیں کہ بطور حدیث ان سے استدلال کیا جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کی صحیح رائے یہ ہے کہ اگر اس قراء ۃ کے الفاظ ثابت نہیں ہو سکے تو اس کا معنی تو بہرحال ثبوت کے عام معیار پر ثابت شدہ ہے، چنانچہ اسے وحی کی معنوی صورت یعنی حدیث پرمحمول کرکے بطور حدیث اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحیح سند سے ثابت شدہ قراء ات شاذہ سے تفسیر و فقہ میں آئمہ اسلاف نے نہایت استفادہ فرمایا ہے، جس سے اصحاب علم واقف ہیں۔ہماری رائے کے مطابق جو اہل علم 'قراء اتِ شاذہ' سے استدلال کو صحیح نہیں سمجھتے، اس سے ان کی مراد وہ 'قراء ات شاذہ' ہیں جو کہ فن حدیث کے معیارِصحت پر پورا نہیں اترتیں اور اس بات سے اہل علم میں سے کوکوئی اختلاف نہیں۔

اب آتے ہیں سوال کے آخری حصہ کی طرف کہ اختلافاتِ 'مترادفات' کے قبیل کی 'قراء ات شاذہ' سے معنی میں استدلال کیوں کرصحیح ہوسکتا ہے، جبکہ ہمیں تسلیم ہے کہ وہ عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہوگئی تھیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ 'قراء ات شاذہ' جو کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کی تفسیری توضیحات سے متعلق تھیں،لیکن بعد ازاں غلطی سے بطورقراء ات رائج ہوگئیں تو ان سے استدلال کرنے میں تو کوئی شبہ نہیں،سوال صرف منسوخ التلاوۃ قراء ات کے بارے میں ہے،تو ان کے بارے میں اہل علم کی توضیح یہ ہے کہ اول تو اس قسم کے الفاظ میں عموما مترادفات کا ذکر موجود ہے، جن کا ٹکراؤ کی صورت میں معنی پر کوئی خاص نہیں پڑتا ، ثانیا یہ کہ عرضۂ اخیرہ میں اس قسم کے کلمات کی تلاوت منسوخ کی گئی تھی، نا کہ ان کا معنوی مفہوم بھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ہر سال جبریل سے دور کرنا ہو یا 'عرضہ اخیرہ' میں دو دفعہ دور کرنا، بہرحال یہ قراء ت وتلاوت کے قبیل سے ہوتا تھا، چنانچہ 'عرض' کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کی تلاوت ختم کی گئی ہے، نا کہ مفہوم بھی اور یہ بات قرآن کریم میں موجود نسخ کی صورتوں میں معروف بات ہے کہ کسی چیز کی تلاوت تو منسوخ ہوجائے البتہ اس کا حکم باقی رکھا جائے۔اس کی مثال باتفاق امت آیت رجم کی ہے کہ اس کی تلاوت اب منسوخ ہوگئی ہے اور اس کا حکم قرآن میں باقی ہے۔

'قراء ات شاذہ' اور ان سے متعلقہ تمام سوالات ومباحث کے لیے مناسب ہوگا کہ کلّیۃ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے فاضل اور مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور کے سابق رکن مولانا محمد اسلم صدیق حفظہ اللہ کی تصنیف ِانیق 'قراء ات شاذہ، شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ پر ان کے اثرات' کا ضرور مطالعہ کرلیا جائے، جو کہ شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی طرف سے مطبوع ایم فل کا ایک تحقیقی مقالہ ہے۔

[جاری ہے..]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسط چہارم

ڈاکٹر عبدالعزیز القاری☆
مترجم: محمد عمران اسلم☆☆

ضابطہ ثبوتِ قراءات کا تفصیلی جائزہ

مدینہ منورہ یونیورسٹی کے کلّیة القرآن الکریم کے سابق پرنسپل ڈاکٹر عبدالعزیز القاری ﷾ کی شخصیت کا یہ امتیاز ہے کہ موصوف کا قراءات عشرہ کے ساتھ ساتھ اَصل ذوق فقہ واُصول فقہ کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار مدینہ منورہ یونیورسٹی میں سرپرست ماہنامہ رشد مولانا حافظ عبد الرحمٰن مدنی ﷾ کے قریبی ترین ساتھیوں اور دوستوں میں ہوتا ہے۔ کلّیة الشریعہ کے چار سالہ تعلیمی سفر میں دونوں جلیل القدر اصحابِ علم کے بیٹھنے کی نشستیں مسلسل ساتھ ساتھ رہیں۔ مولف کا زیر نظر مضمون سہ ماہی مجلّہ کلّیة القرآن الکریم سے ماخوذ ہے۔ مقالہ کا تعلق حدیث سبعة أحرف اوراس کے متعلقات سے ہے، لیکن ہم نے اس کے موضوعات کے پیش نظر اسے چار حصوں میں تقسیم کردیا تھا، جس میں سے دو حصوں کا ترجمہ پچھلے شمارہ میں اور ایک حصہ کا ترجمہ اس شمارے کے گزشتہ صفحات میں پیش کیا جاچکا ہے۔ مضمون ہذا اسی مقالہ کے آخری حصے کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ [اِدارہ]

صدرِ اوّل کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کسی بھی حرف پر اس وقت تک قرآن مجید کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ اس کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا ثابت نہ ہوجائے۔ یعنی اس کو اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہو جس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ﷢ نے مصاحف عثمانیہ میں صرف ایسی روایات کو جگہ دی جو مطلوبہ معیار پر پوری اترتی تھیں اور ان تمام روایات کو قابل اعتناء نہ سمجھا جو اَخبار آحاد تھیں، چاہے وہ عمر بن خطاب ؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے ہی کیوں نہ مروی ہو، جیسا کہ آیت رجم کا معاملہ ہے۔ حضرت عمر ؓ کے یہ کہنے کے باوجود کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسے حفظ کیا ہے، اسے مصحف میں جگہ نہیں دی گئی۔ [فتح الباري:۱۲/۱۴۳]

مصاحفِ عثمانیہ میں صرف ان روایات کو نقل کیا گیا جن پر لوگ متفق تھے کہ عرضۂ اخیرہ میں رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام پر پڑھا اور اس کے بعد صحابہ کرام ﷢ کو پڑھایا ہے، لیکن جب حضرت ابوبکر، عمر بن خطاب اور حضرت عثمان ؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں صحابہ کرام ﷢ جہاد کی غرض سے مختلف ممالک میں پھیل گئے تو اس کے ساتھ ایسے قرآنی حروف کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا چلا گیا جو عرضۂ اخیرہ سے پہلے مروّج تھے یا جن کو رسول اللہ ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے قرآن کا حصہ نہ بنایا تھا۔

◉ صدرِ اوّل کے قراء کرام نے صحابہ کرام کے حفظ وذکاوت پر ہی اعتماد کیا اور اسی طرح قراءات سینہ بسینہ دیگر لوگوں تک منتقل ہوتی رہیں، لیکن جب یہ معاملہ عوام تک پہنچا اور ان کے پاس باقاعدہ کوئی ایسا معیار نہ ہونے کی وجہ

☆ سابق پرنسپل کلیہ القرآن الکریم، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ
☆☆ فاضل کلّیة الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورُکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے، کہ جس پر وہ اپنی قراءات کو پرکھ لیں، شدید اختلاف کی صورت اختیار کر گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظ کرام سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مصحف کی روشنی میں مزید مصاحف تیار کروائے اور انہیں ایک معیار کے طور پر مقرر فرما دیا جن کی مدد سے ثابت اور منسوخ قرآن کے مابین تمیز کی جاتی تھی، لیکن کیونکہ مصاحف کو اَحرف سبعہ کی وجہ سے نقط واعراب سے خالی رکھا گیا تھا اس لیے عوام بذات خود اِن کے پڑھنے پر قادر نہ تھے، اور کسی استاد سے قرآنی حروف کو بالمشافہ پڑھنے کے محتاج تھے۔ اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سے آئمہ قراءات کو مختلف شہروں کی جانب روانہ کیا چنانچہ:

* عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا گیا، جو یہاں ۷۰ھ تک پڑھاتے رہے۔
* مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا گیا، جہاں وہ ۹۱ھ تک رہے۔
* جبکہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے یہاں ۳۲ھ تک پڑھایا۔
* اور یہیں پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھایا۔
* حضرت عبدالرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ کیا گیا، جو یہاں ۷۴ھ تک پڑھاتے رہے۔
* جبکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ میں ۴۴ھ تک پڑھاتے رہے۔

◉ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو حمص، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فلسطین روانہ کیا تھا۔

صحابہ وتابعین میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو قرآن کریم کی درس وتدریس میں مشغول رہے اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو اِشاعت قرآن کے لیے وقف کر دیا۔ پہلی صدی کے نصف اوّل تک لوگ اسی حالت پر قائم رہے پھر اس کے بعد اِشاعت اسلام میں مزید اضافہ ہوا تو اس میں ہر جنس اور زبان سے متعلقہ لوگ داخل ہونے لگے۔ جس کے لازمی نتیجے کے طور پر قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے والوں کی تعداد میں بھی بیش بہا اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایک ایک مجلس میں قرآن سیکھنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ دمشق میں حضرت ابوالدداء رضی اللہ عنہ کے حلقہ میں سولہ سولوگ موجود تھے۔[معرفة القراء للذهبی:ص۳۸]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ بڑی جانفشانی کے ساتھ عوام تک قرآنی حروف کو منتقل کرتے رہے، لیکن جیسے جیسے قرآن کریم سیکھنے والوں کی تعداد میں اِضافہ ہو رہا تھا ویسے ویسے اس خدشے میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا کہ کہیں ثابتہ وغیر ثابتہ، مشہور، مستفیض اور آحاد وشاذ قراءات کو آپس میں خلط نہ کر دیا جائے۔ لہٰذا فن قراءات کے ماہر اَفراد نے کچھ ایسے اُصول اور ضابطے مقرر کیے جن کی مدد سے قرآنی اور غیر قرآنی حروف کے مابین امتیاز کیا جا سکے۔ اس کے لیے تین قسم کے قواعد کا اِجراء کیا گیا:

① سند کا تواتر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونا۔
② روایت کا مصحف عثمانیہ کی رسم کے موافق ہونا۔
③ لغت عرب کی کسی بھی وجہ سے موافقت۔

◉ اس پر یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ کیا صرف مصحف عثمانیہ سے ہی مطابقت کافی نہ تھی، کیونکہ وہ ان تینوں شرائط

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا حامل تھا۔

☜ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں بہت سی جگہوں پر مختلف وجوہ کا احتمال پایا جاتا ہے جن کی تحدید صرف روایت کے ساتھ ہوسکتی ہے اور صرف کتابت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔جیسا کہ کلمہ 'ملك يوم الدين' دس وجوہ کو گھیرے ہوئے ہے اور اہل بدعت نے اس دروازے سے قرآن کریم میں ایسے حروف کا اضافہ کیا جو ان کی خواہشات کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔اگر معاملہ ضبط روایت کے بغیر ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو اس سے قرآن کریم میں بہت سے خلط اور اضطراب کا امکان تھا۔جیسا کہ بعض قراء کا خیال ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں جتنی وجوہ کا بھی احتمال ہے اگر وہ لغت عرب کے موافق ہوں تو ان کا پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ روایتاً ثابت نہ بھی ہوں۔جیسا کہ حافظ محمد بن الحسن المشهور ابن مقسم رحمہ اللہ کا خیال ہے۔قراء کرام نے اس قول کی شدت کے ساتھ نفی کی ہے اور بھرپور دلائل کے ساتھ اس کا محاکمہ کیا ہے۔امام جزری رحمہ اللہ نے ان تین شروط کو تین اشعار میں بیان کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

فكل ما وافق وجه نحو وكان للرسم احتمالا يحوى
وصح إسنادا هو القرآن فهذه الثلاثة الأركان
وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه فى السبعة

''ہر وہ قراءت جو نحوی وجہ کے موافق ہو، رسم کے (حقیقی یا) احتمالی طور پر موافق ہو جس کی سند صحیح ہو وہ قرآن ہے، یہی تین ارکان قراءات ہیں۔جس جگہ کسی بھی رکن میں خلل آگیا تو وہ قراءات شاذہ قرار پائے گی، اگرچہ قراءات سبعہ میں سے ہی کیوں نہ ہو۔''

◉ اب ہم ترتیب وار ان تینوں شروط کی تفصیل پیش کرتے ہیں:

تواترِ اسناد

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم صرف اسی طرح پڑھا جائے گا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے سکھلا دیا اور اس سے تجاوز کی کسی شخص کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھرپور طریق سے اس قاعدے کو ملحوظ رکھا۔

◉ لہٰذا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''القراءة سنة متبعة يأخذها الآخر عن الأول''

''قراءة ایسی سنت ہے جس کی اتباع کی گئی ہے اور اسے بعد میں آنے والوں نے پہلوں سے اخذ کیا ہے۔''

◉ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''اقرأوا كما علّمتم وإياكم والتنطع''

''جس طرح تم کو سکھایا گیا ہے، اسی طرح پڑھو اور غلو سے بچو۔''

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں پڑھا جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہ پہنچتی ہو اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن مقسم رحمہ اللہ کے علاوہ نہ ہی کسی نے ان میں استحسان یا قیاس کو داخل کیا ہے اور انہوں نے بھی اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔ ویسے بھی ایک منفرد شخص کی رائے اجماع کو ختم نہیں کر سکتی۔

ایک راوی کے لیے قرآنی حروف کو روایت کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ راوی نے اس حرف کو اپنے شیخ سے سنا ہو اور بعض کا خیال ہے کہ اس نے اپنے شیخ کے سامنے پڑھا ہو اور شیخ نے سماعت کی ہو، کیونکہ ہر سننے والا اس بات پر قادر نہیں ہوتا کہ جس طرح اس نے سنا ہو، ہو بہو اسی طرح بیان کر دے۔ جنہوں نے روایت اور تلقی دونوں کو واجب قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ قراءات کا فن ایک ایسا فن ہے جو نطق کی مختلف کیفیتوں کے ساتھ متعلق ہے۔ اور تطبیق عملی اور سماع کے بغیر اس پر کامل عبور حاصل نہیں کیا جا سکتا اور صرف کتابوں پر انحصار کافی نہیں ہے۔

پھر قرآنی حروف کا نقل ایک یا دو روایتوں میں کفایت نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے جمہور قراء کے ہر طبقے میں نقل کیا گیا ہو اور یہ اس وقت تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اتنی بڑی جماعت سے نقل نہ کیا گیا ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو۔ علماء روایت کے ہاں تواتر کا معروف معنی یہی ہے۔

اگر کوئی شخص قراءت نقل کرنے میں منفرد ہو اگرچہ وہ جھوٹ نہ بھی بول رہا ہو اور اس کی عدالت اور ثقاہت میں بھی کسی قسم کا شک نہ ہو تو بھی اس کا انفراد اور شذوذ اس کی قراءۃ کو قبول کرنے سے مانع ہے۔ چاہے وہ قراءۃ لغت عرب اور مصحف رسم کے موافق ہی کیوں نہ ہو۔ یاد رہے کہ یہ اِصطلاح نئی مقرر نہیں ہوئی، بلکہ اس پر صدر اوّل کے علماءِ اُمت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے اور موجودہ دور کے محققین اور متقنین بھی اس پر متفق ہیں۔ تواتر کے معنی اور اس کی حقیقت کی وضاحت عنقریب ہم تواتر قراءات عشرہ کے ذیل میں کریں گے۔

مصحف عثمانی کے رسم کی موافقت

- مصحف عثمانی کی کتابت کے بعد اس شرط پر صدر اوّل کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس صحف قرآن کی صورت میں جو کچھ بھی لکھا ہوا تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مصحف کی تدوین کے بعد باقیوں کو پانی کے ساتھ غسل دیا اور اس کے بعد جلا دیا۔ پس پوری اُمت مصحف عثمانی کے پڑھنے اور پڑھانے پر جمع ہو گئی۔
- تمام لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو کچھ مصحف عثمانی میں درج ہے وہ بغیر کسی نقص وزیادت کے قرآن ہے اور جو کچھ اس میں درج نہیں کیا گیا وہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا، کیونکہ آپ نے اسے عرضۂ اخیرہ میں ترک کر دیا تھا یا پھر وہ حقیقتاً نازل ہی نہیں ہوا تھا بلکہ تفسیر اور شرح کے طور پر لکھا گیا تھا۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک حرف میں متعدد وجوہ کا احتمال ہونے کی صورت میں انہیں مصحف میں ایک ہی جگہ جمع کر دیا، لیکن چونکہ تمام وجوہ لکھنے کی صورت میں لوگوں کے توہم کے شکار ہونے کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا جن حروف میں متعدد وجوہ کا احتمال تھا ان کی کتابت میں ایسا طریقہ اختیار کیا گیا کہ تمام وجوہ کو آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے۔

نوٹ: اس مسئلہ میں مصنف موصوف کی رائے کمزور ہے۔ وہ رسم عثمانی کے اجتہادی ہونے کے قائل نظر آرہے ہیں حالانکہ اس کے توقیفی ہونے پر اجماع ہے۔ تفصیل کے لیے زیر نظر شمارہ میں جناب حافظ سمیع اللہ فراز حفظہ اللہ کا مضمون بعنوان 'رسم عثمانی کی شرعی حیثیت' کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (مدیر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے تمام حروف کو نقطوں سے پاک رکھا گیا۔ یاد رہے کہ جس جگہ ممکن ہو سکا ایسا طریقہ اختیار کیا گیا، کیونکہ تمام جگہوں پر ایسا ممکن نہیں تھا۔ ☆

مثلاً انہوں نے 'ملك' کو میم کے بعد بدون الف کے لکھا۔ اسی طرح 'غیبت' 'رسالت' اور 'جملت' کو بھی بغیر الف کے ہی لکھا گیا، لیکن ان کی کتابت میں ایسی صورت اختیار کی گئی کہ ان کو الف اور بغیر الف دونوں طرح پڑھا جا سکے، کیونکہ اہل عرب نطق کے وقت الف کی موجودگی کا اندازہ کر لیتے ہیں، اگرچہ کتابت میں موجود نہ بھی ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ طریقہ کتابت میں ذکر کردہ کلمات کو منزل وجوہ کے ساتھ پڑھا جا سکتا تھا۔ جیسے 'مَلِكِ' اور 'مَالِكِ'، 'غَيَابَتْ' اور 'غَيَابَات'، 'رِسَالَت' اور 'رِسَالَات'، 'جِمٰلَت' اور 'جِمَالَات' ان سب کو مفرد اور جمع دونوں طرح پڑھنا ممکن تھا۔ اور یہ تمام کی تمام قراءات نازل کردہ ہیں۔

اور اسی طرح 'الصراط' 'صراط' اور 'مصیطر' ان سب کو 'صاد' کے ساتھ لکھا گیا۔ ان میں دو وجوہ کا احتمال موجود ہے: 'صاد' کے ساتھ پڑھیں یا 'سین' کے ساتھ۔ اور لغت عرب میں 'صاد' کی جگہ پر 'سین' کے نطق کا احتمال موجود ہے۔ لیکن اگر کسی جگہ پر 'سین' لکھا ہوا تو اس کی جگہ پر 'صاد' نہیں پڑھا جائے گا کیونکہ اہل عرب کے ہاں اس کا عکس معروف نہیں ہے۔

◉ پھر خط کے نقطوں اور شکل سے خالی ہونے کی وجہ سے بہت سے کلمات میں نازل کردہ متعدد وجوہ کو پڑھنے میں مدد ملی۔ جیسا کہ کلمہ 'یرجعون' کو بہت سی جگہوں میں 'تا' اور 'یا' کے ساتھ پڑھنا ممکن ہے۔ اور 'فیقتلون ویقتلون' میں پہلے فعل کو مجہول اور دوسرے کو معلوم یا اس کے برعکس پڑھا جا سکتا ہے۔

◉ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتداء کرتے ہوئے ان کے بعد آنے والے تمام علماء متفق ہیں کہ قرآن کی قراءت کا انحصار مصحف عثمانی پر ہے۔ جو قراءات مصحف عثمانی میں درج ہوگی صرف اسی کو پڑھا جائے گا اور جو قراءات مصحف عثمانی کی کسی بھی وجہ سے موافقت نہ رکھتی ہوگی اس کو بطور قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے چاہے اس کا صحیح سند کے ساتھ نبی ﷺ کے سے ثبوت بھی ہو۔ تمام اصحاب رسول ﷺ کا اجماع ہے کہ تمام احرف منسوخہ کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عرضۂ اخیرہ میں ان کو نہیں پڑھا تھا۔

◉ اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے سوائے امام محمد بن شنبوذ رحمہ اللہ کے۔ جو کہ چوتھی صدی ہجری کے بہت بڑے امام اور حافظ ہیں، وہ اس اجماع سے الگ ہوگئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ تمام حروف جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ثابت ہیں ان کی تلاوت کی جائے گی اگرچہ وہ رسم عثمانی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن علماء وفقہاء بغداد نے ان کا ایسا علمی محاکمہ کیا ہے کہ جو اپنی نوع میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

لغت عرب کی کسی وجہ کی موافقت

اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر وہ قراءت جو متواتر سند کے ساتھ منقول ہو اور مصحف عثمانی کے خط کے بھی موافق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ لغت عرب میں بھی اس کی کوئی وجہ بنتی ہو، اگرچہ وہ زیادہ معروف نہ بھی ہو۔ مزید برآں آئمہ لغت کی رائے پر ایک ثابت قراءت کا رد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ علماء لغت اور آئمہ نحو کلام عرب کے قواعد اور اصطلاحات کو بنیاد بناتے ہیں جس کا زیادہ تر انحصار کلام عرب کے شعر اور نثر پر ہے۔ اس لیے ہم لغت عرب کی کسی بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے موافقت کی صورت میں قراءت کو قبول کرلیں گے تاکہ عظیم مصدر، قرآن مجید میں ہر قسم کی لغزش سے محفوظ رہا جا سکے۔

◉ لیکن بعض آئمۂ لغت، جنہوں نے لغوی قواعد وضوابط کو تحریر کیا ہے ان پر یہ بات گراں گزری ہے کہ وہ ایسے حروف کو مانیں جو ان کے ذکر کردہ قواعد وضوابط سے مطابقت نہیں رکھتے اور اس وجہ سے انہوں نے ثابت شدہ مروی حروف کو باطل قرار دے دیا ہے اور جمہور قراء کرام کے ضبط پر پرطعن کرتے ہوئے ان کی روایات پر اتہام کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آئمہ لغت پر تعجب ہے کہ انہوں نے جمہور قراء کی ایسی قراءات میں غلطی کا امکان ظاہر کیا ہے جو قطعی اور یقینی ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، جبکہ انہوں نے اپنی ظنی اور فرضی رائے کو غلط قرار نہیں دیا جو ان کے لغوی بخار کی علامت ہے۔

✳ انہوں نے اس قراءۃ حمزہ رحمہ اللہ کا انکار کیا ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامِ﴾

اس آیت میں اسم ظاہر کا عطف اسم مضمر پر ہو رہا ہے جبکہ اہل لغت کے ہاں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

✳ اہل لغت نے ابوجعفر رحمہ اللہ کی اس قراءۃ کا بھی انکار کیا ہے:

﴿لِيُجْزَىٰ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

وہ ''لیجزی'' کے فعل مجہول ہونے پر ''قوما'' کو نصب دینا درست نہیں سمجھتے۔

✳ اسی طرح انہوں نے ابن عامر رحمہ اللہ کی اس قراءۃ کا بھی انکار کیا ہے:

﴿زُيِّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلُ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ﴾

اس آیت میں چونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے مابین فاصلہ ہے جو نحویوں کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

✳ جبکہ بعض نے ﴿إِنَّ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ﴾ میں 'إن' کی تشدید اور 'ھذان' پر الف کا انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کاتب حضرات کی غلطی ہے۔

◉ بیان کردہ تمام قراءات، متواتر اسناد کے ساتھ منقول ہیں جن کی صحت اور ضبط میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ان کی وجہ سے نحویوں کے قواعد پر زد پڑتی ہے اس لیے انہوں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن اگر آپ ان قراءات کی وجوہ تلاش کریں گے، تو آپ دیکھیں گے کہ کلام عرب میں سے بہت سے شواہد اور قوی دلائل ان قراءات کی تائید کر رہے ہوں گے۔

▣ تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ تیسری شرط اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے حقیقی حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ اس کو دو سبب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے:

① اس کا وقوع ممکن نہیں ہے، کیونکہ ایسی کسی قراءۃ کا وجود نہیں ہے جو متواتر ہو، رسم عثمانی کے موافق اور لغت عرب میں اس کی کوئی وجہ نہ ہو۔

② اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ ایک ایسی ثابت متواتر قراءت جو کہ رسم عثمانی کے موافق ہے لیکن لغت عرب میں ہمیں اس کی کوئی دلیل نہ مل رہی ہو تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پوری لغت عرب میں اس کا کوئی وجود نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، کیونکہ ہمارا علم محدود اور ناقص ہے۔ یہ بات قطعی ہے کہ قراءت جو تواتر کے ساتھ منقول ہو اور مصحف عثمانی کے موافق ہو وہ نازل کردہ قرآن ہے یہ ایک ایسی قطعی دلیل ہے جو وجود لغت کا پتہ دے رہی ہے، جس کے ثبوت میں کوئی بحث نہیں ہے۔

- لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ تیسری شرط، پہلی دو شرطوں کا لازمی نتیجہ ہے بذات خود ایک شرط نہیں ہے۔

قراءات عشرہ متواترہ

علماء قراءت نے ذکر کردہ ارکان ثلاثہ کو قراءت کے لیے لازم قرار دیا ہے پس ہر وہ قراءۃ جو ان تینوں ارکان سے متصف ہوگی وہ قرآن کا حصہ ہوگی اور نماز اور غیر نماز میں اس کی تلاوت کی جائے گی اور جو روایت ان ارکان سے خالی ہوگی اسے قبول نہیں کیا جائیگا، نہ اس کی تلاوت ہی کی جائیگی اور نہ ہی اس پر قرآن کریم کا حکم لگایا جائے گا۔

بعض علمائے قراءۃ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ قراءۃ کی نسبت اس کے نقل اور روایت کرنے والے کی طرف کی جائے یعنی یہ کہا جائے کہ: قراءۃ اعمش رحمہ اللہ یا قراءۃ ابی عبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ، تاکہ کسی کو یہ وہم لاحق نہ ہوجائے کہ یہ صرف اسی کے ساتھ خاص ہے اور کسی اور سے مروی نہیں ہے۔ یا کسی کو یہ شک نہ ہوجائے کہ اس کا اجتہاد اور رائے اس میں داخل ہے۔

صدر اول کے لوگوں نے عدد رواۃ کی تحدید اور تخصیص کی جانب دو وجوہ سے رخ نہیں کیا:

(١) ہمتوں کا بہت زیادہ ہونا (٢) قرآن کے نزول کا زمانہ قریب ہونا۔

صدر اول کے لوگوں نے تحدید رواۃ کی طرف اس لیے توجہ نہیں دی، کیونکہ وہ شوقِ دین سے مالا مال تھے اور اپنی تمام ہمتیں اس کام پر صرف کرنے پر آمادہ تھے، لیکن پھر جب ہمتیں جواب دے گئیں اور نزول قرآن کا قریبی زمانہ جاتا رہا۔ روایت کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ اسناد منتشر ہوگئیں تو لوگوں نے اس کام کو ضبط کرنے کا ارادہ کیا تاکہ یہ لوگوں پر مختلط نہ ہو۔ پس اسی تناظر میں محققین عظام نے حروف مرویہ، روایات، طرق اور اسانید کی تلاش کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ پس اسی تتبع اور استقراء کے باوصف آئمہ کرام کے اختیارات وجود میں آئے۔

ان آئمہ کو بقیہ رواۃ سے کیونکر امتیاز حاصل ہوا

کیونکہ یہ حفظ، ضبط اور اتقان میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ انہی خصوصیات کی بناء پر ان کی روایات کو لوگوں میں تلقی بالقبول حاصل ہوا اور ہر شہر میں ان کے ضبط اور امامت پر لوگوں نے اجماع کیا۔ محققین عظام نے ان آئمہ کے اختیارات میں اختلاف کیا ہے۔ البتہ تمام لوگ ان پانچ شہروں (مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام) میں موجود آئمہ قراء کی امامت پر متفق ہیں جن میں مصاحف عثمانیہ بھیجے گئے۔

مکہ مکرمہ کے قراء کرام

عبداللہ بن کثیر، محمد بن عبدالرحمن بن محیصن اور حمید الدین بن قیس الأعرج رحمہم اللہ

مدینہ منورہ کے قراء کرام

ابوجعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصاح اور نافع بن ابی نعیم رحمہم اللہ

کوفہ کے قراء کرام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یحییٰ بن وثاب، عاصم بن ابی النجود، أعمش، حمزہ بن حبیب الزیات، علی بن حمزہ الکسائی ؒ

◉ **بصرہ کے قراء کرام**

عبداللہ بن ابی اسحاق، ابوعمرو بن العلاء، عاصم الجحدری اور یعقوب الحضرمی ؒ

◉ **شام کے قراء کرام**

عبداللہ بن عامر یحصبی، عطیہ بن قیس کلابی، یحییٰ بن حارث الذماری ؒ

لوگ ان تمام شیوخ سے علم قراءات حاصل کرتے رہے اور ان کی روایات کو تلقی بالقبول حاصل رہا۔اس کے بعد بغداد میں قراءات کے شیخ ابوبکر بن مجاہد تمیمی بغدادی ؒ نے ''سبعة'' کے نام سے کتاب تصنیف کی اور اس میں درج ذیل قراء کا اقتصار کیا:

◉ نافع، عبداللہ بن کثیر، عبداللہ بن عامر، عاصم بن ابی النجود، ابوعمرو بن العلاء ؒ، امصار خمسہ میں سے پانچ یہ اور پھر اہل کوفہ میں سے مزید درج ذیل دو آئمہ کا تذکرہ کیا:

① حمزہ بن حبیب الزیات ؒ ② علی الکسائی ؒ

ابوبکر بن مجاہد تمیمی ؒ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں سات قراء کی قراءات کو ذکر کیا۔ان کا سات قراء کو ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سات مصاحف عثمانیہ کی موافقت کی جائے، کیونکہ حضرت عثمان ؓ نے بھی سات مصاحف کی ترسیل فرمائی تھی۔

◉ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مصنف کا اپنی کتاب میں سات قراء کو لانا احرف سبعہ کی تفسیر کی طرف اشارہ کرنا ہے، لیکن یہ صرف اور صرف غلط فہمی ہے۔کثیر تعداد میں لوگوں نے قراء کرام میں سے صرف ان لوگوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے جن کو عوام میں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور جن کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہوا۔ قراءات قرآنیہ کا سات یا دس، حتی کہ سو میں بھی اقتصار ممکن نہیں ہے اور اگر ہم ان کے رواۃ کو نقل کرنا چاہیں تو وہ ہر زمانہ میں ہزاروں کی تعداد کو پہنچ جائیں گے۔

◉ ابن مجاہد ؒ ایک زمانہ تک اس مخمصے کا شکار رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں یعقوب ؒ اور کسائی ؒ میں سے کس کو مقدم کریں۔ پھر انہوں نے کسائی ؒ کو مقدم کیا اس لیے نہیں کہ وہ یعقوب ؒ سے زیادہ اضبط ہیں بلکہ اس لیے کہ ان کی قراءت عالی سند کے ساتھ ہے۔[المرشد الوجیز: ص۱۶۱]

◉ اسی طرح امام حمزہ ؒ کا، ان کے شیخ کے بجائے اختیار بھی ایک بین مثال ہے۔حالانکہ آپ کے زمانہ میں ابوجعفر، شیبہ، ابن محیصن، أعرج، أعمش، حسن بصری، أبو الرجاء، عطاء، مسلم بن جندب، یعقوب حضرمی، اور عاصم جحدری ؒ جیسے بلند پایہ قراء کرام موجود تھے۔

◉ ابن جریر طبری ؒ نے ایک کتاب 'جامع' کے نام سے تصنیف فرمائی جس میں انہوں نے آئمہ کی قراءات کو ان کی اَسانید کے ساتھ جمع کیا۔انہی قراء کا تذکرہ ابن مجاہد، ابوعبید قاسم بن سلام اور اسماعیل بن اسحاق القاضی ؒ نے بھی کیا ہے۔ابن مجاہد ؒ سے قبل ابن جبیر مقری ؒ نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں آٹھ قراء کی قراءت کو جمع کیا۔ جن میں سے سات تو ابن مجاہد ؒ کے ذکر کردہ ہیں اور ان میں ایک یعقوب الحضرمی ؒ کا اضافہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے۔

◉ علاوہ ازیں ابوبکر الداجونی رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی جس میں وہ گیارہ اماموں کی قراءات لائے ہیں جس میں ابوجعفر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔اس کے علاوہ ابو القاسم ہذلی رحمہ اللہ نے 'کامل' کے نام سے کتاب تصنیف کی، جس میں آئمہ عشرہ کی قراءات کا اہتمام کیا گیا ہے، اوران کے ساتھ مزید چالیس قراء کرام کی قراءات کا اضافہ بھی شامل ہے۔

❁ سابقہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء قراءات نے 'سبعة' کی اِصطلاح بیان نہیں کی بلکہ انہوں نے ہر وہ روایت بیان کی ہے، جس میں ذکر کردہ ارکان ثلاثہ پائے جاتے ہوں چاہے وہ سات سے بیان کی گئی ہو یا سات ہزار سے،لیکن ابن مجاہد رحمہ اللہ کے بعد لوگوں کی طرف سے آئمہ سبعہ کی صفات حسنہ پر اجماع اور ان کی قراءات کو تلقی بالقبول حاصل ہونے کی وجہ سے قراءات سبعہ پر اکتفاء شروع کر دیا گیا۔

❁ ان میں سے بعض نے قراءات سبعہ پر ابوجعفر یزید بن قعقاع مدنی رحمہ اللہ اور یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمہ اللہ کا اضافہ کیا ہے اور اکثر تصنیفات میں خلف رحمہ اللہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا، کیونکہ ان کی قراءت کوفیین سے خارج نہیں ہے۔

❁ اس کے بعد ابوعمرو دانی رحمہ اللہ نے قراءات سبعہ پر 'تیسیر' اور 'جامع البیان' نامی کتب تصنیف کیں جس کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے 'حرز الأمانی' میں منظوم انداز میں پیش کیا۔علاوہ ازیں اور بہت سی کتب بھی منظر عام پر آئیں جن میں دیگر آئمہ قراء کو ذکر کیا گیا تھا جیسا کہ سبط الخیاط نے 'مبهج' نام کی کتاب تصنیف کی اور اس میں یعقوب، ابن محیصن، أعمش اور خلف رحمہم اللہ کو لائے۔

قراءات عشرہ کا اَحرف سبعہ کے ساتھ تعلق

◉ امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إن المصاحف العثمانية لم تكن محتوية على جميع الأحرف السبعة التى أبيحت بها قراء ة القرآن كما قال جماعة من أهل الكلام وغيرهما بناء منهم على أنه لا يجوز على الأمة أن تهمل نقل شيء من الأحرف السبعة''

''مصاحف عثمانیہ جمیع احرف سبعہ پر مشتمل نہیں ہیں جیسا کہ اہل کلام کی ایک جماعت اور دیگر اس پر بناء رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ امت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز کو چھوڑ دے جو احرف سبعہ کے طور پر نقل کی گئی ہو۔''

◉ مزید کہتے ہیں:

''یہ ہم نے اس لیے کہا ہے کہ مصاحف عثمانیہ جمیع اَحرف سبعہ پر مشتمل ہیں اور جو قراءات مصاحف عثمانیہ کے رسم سے مطابقت نہ رکھتی ہوگی وہ یقیناً احرف سبعہ میں سے نہیں ہے۔لیکن بہت سی ایسی قراءات بھی موجود ہیں جو رسم عثمانی کے مخالف ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنداً صحیح ثابت ہیں۔''

ابومجاہد رحمہ اللہ (صاحب کتاب) کا خیال ہے کہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بعض اَحرف سبعہ کی تلاوت عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کر دی گئی تھی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ان کی تلاوت فرمائی اور نہ ہی انہیں قرآن کا حصہ شمار کیا اور یہی وجہ ہے کہ انہیں مصاحف عثمانیہ میں بھی جگہ نہیں دی گئی، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ہی تحقیق کے بعد مصاحف عثمانیہ میں شامل کیا ہے جو عرضۂ اخیرہ میں ثابت تھا۔اور بہت سی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی روایات آج بھی موجود ہیں جنہیں مصاحف میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

- صحیحین میں ابوالدرداء اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿والّیلِ إِذَا یَغْشٰی وَالنَّھَارِ إِذَا تَجَلّٰی وَالذَّکَرِ وَالْأُنْثٰی﴾ پڑھا۔
- صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

''کان مما أنزل اللہ آیت الرجم فقرأناھا وعقلناھا ووعیناھا'' [صحیح البخاري، کتاب الحدود]

''جب آیت رجم نازل ہوئی تو ہم نے اسے پڑھا، سیکھا اور یاد بھی کیا۔''

- مؤطا امام مالک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مذکور ہیں کہ

اگر مجھے لوگوں کے یہ کہنے کا ڈر نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اضافہ کر دیا ہے تو میں ضرور یہ لکھواتا:

''الشیخ والشیخة إذا زنیا فارجموھا البتة''

ان حروف کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ یہ حروف منزل شدہ ہیں، لیکن عرضۂ اخیرہ میں خدا تعالیٰ کے حکم سے ان کو منسوخ کر دیا گیا۔

- اس سے ثابت ہوا کہ مصاحفِ عثمانیہ میں عرضۂ اخیرہ میں ثابت شدہ قرآنی احرف کو لکھا گیا تھا اور ثابت شدہ کسی چیز کو بھی ترک نہیں کیا گیا۔ محققین عظام کا اس پر اتفاق ہے کہ آئمہ عشرہ نے جو کچھ بھی روایت کیا ہے وہ انہی حروف میں سے ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو کچھ ان حروف سے ہٹ کر بیان کیا گیا ہے وہ شاذ، منکر، ضعیف یا موضوع ہے۔

- جزری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''وقول من قال إن القراء ات المتواترة لا حد لھا، إن أراد فی زماننا فغیر صحیح، لأنه لا یوجد الیوم قراء ة متواترة وراء العشر، وإن أراد فی الصدر الأول فیحتمل إن شاء اللہ تعالیٰ''

''بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ قراءات متواترہ کی کوئی حد نہیں ہے (فرماتے ہیں) کہ اگر ان کا اس سے ارادہ یہ ہے کہ صدرِ اوّل میں ایسا تھا تو یہ بات صحیح ہے لیکن موجودہ زمانہ میں قراءات عشرہ کے علاوہ کوئی متواتر قراءات نہیں ہے۔''

قراءاتِ عشرہ کی اَسانید کا تواتر

- **قراءاتِ قرآنیہ کو نقل کرنے کا قاعدہ یہ ہے:**

"إنھا ترویھا أمة عن أمة فی کل مصر وفی کل عصر"

''یہ کہ قراءات ہر زمانہ اور ہر شہر میں ایک جماعت سے دوسری نے روایت کی ہوں۔''

یعنی کسی ایک، دو یا دس رواۃ کے نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، بلکہ وہ اَحرف منقولہ جمیع افراد کو معلوم ہوں اور ان کے ہاں مشہور ہوں۔

- یہ ایسی اصطلاح ہے جس پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد میں آنے والے تمام لوگوں کا اجماع منعقد ہوا ہے۔

عامة القراء سے مراد

وہ قراءات قراء میں اس قدر معروف ہوں کہ کوئی فرد ایک لفظ بھی ایسا روایت کرے جو غیر مانوس ہو تو اس شہر کے دیگر جمیع قراء اس حرف کا انکار کر دیں تو اس کی قراءت نہیں کی جائے گی اور اسے آحاد اور شاذ شمار کیا جائے گا۔ 372

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس سلسلے میں ان پانچ شہروں کو معیار بنایا جائے گا جن کی طرف مصاحف عثمانیہ بھیجے گئے تھے۔

- مکی بن طالب رحمہ اللہ کے نزدیک عامۃ القراء کی قراءت سے مراد ایسی قراءت ہے جس پر اہل مدینہ وکوفہ نے اتفاق کیا ہو۔
- جبکہ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد اہل حرمین کی قراءۃ ہے۔[الإبانۃ عن معانی القراءات:ص۴۹،۵۰]

لہٰذا ایک قراءات کے لیے راوی کا سند ذکر کردینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اولاً اس کا عامۃ القراء کی قراءت سے موافقت اور اُمت میں تلقی بالقبول حاصل ہونا ضروری ہے۔

تواترت قراءۃ الأئمۃ العشرۃ کا مطلب

بلا شبہ آئمہ عشرہ نے جو قراءات روایت کی ہیں ان میں پورے طور پر تواتر کا التزام کیا ہے، پھر ان کی قراءات کی صحت پر عامۃ القراء نے شہادت دی اور لوگوں نے ان کی امامت اور قبول روایت پر اتفاق کیا ہے اور ان کی قراءات کو بذریعہ تلقی برضا ورغبت قبول کیا ہے۔

- مدینہ منورہ میں بہت سے آئمہ کرام ایسے موجود تھے جنھوں نے امام نافع رحمہ اللہ اور ابوجعفر رحمہ اللہ سے مختلف حروف بیان کیے، لیکن ان دونوں اماموں کی قراءت پر لوگوں نے اجماع کرلیا۔ یاد رہے کہ امام نافع رحمہ اللہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، لیکن امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت کی زیادہ شہرت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امام ابوجعفر رحمہ اللہ سے تلقی کے ساتھ ساتھ دیگر قراء سے بھی قراءات اَخذ کیں۔

اسی طرح مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر آئمہ کرام بھی موجود تھے، جن میں محمد بن عبدالرحمٰن بن محیصن رحمہ اللہ اور حمید بن قیس الأعرج رحمہ اللہ جیسے آئمہ بھی شامل ہیں، لیکن امت کی طرف سے جس قدر تلقی بالقبول عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کو حاصل ہوا اس تک یہ دونوں حضرات نہیں پہنچ پائے۔

اسی طرح دیگر ائمہ کی حالت ہے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اجماع امت جمیع قراءات عشرہ پر منعقد ہوا ہے جن میں سات ابن مجاہد والے اور تین ابوجعفر رحمہ اللہ، یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ اور خلف بن ہشام رحمہ اللہ ہیں۔

- قراء سبعہ کی قراءت پر اِجماع تو بالکل واضح ہے، کیونکہ ان کے روایت کردہ حروف کو ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں سند قبولیت عطاء کی گئی اور انہیں ضبط اور اِتقان سے متصف کیا گیا۔ البتہ بقیہ تین قراء کی قراءات پر اِجماع کا دعویٰ کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس میں اختلاف کیا گیا ہے، لیکن دو وجوہ سے اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

1. اُمت کا ہر طبقہ میں تینوں آئمہ کی قراءت پر اجماع رہا ہے۔ امام جزری رحمہ اللہ نے سولہ طبقات کا تذکرہ کیا ہے جن میں آئمہ کرام کی کثیر تعداد شامل ہے اور یہ بات علم یقین کے ثبوت اور شک زوال کے لیے کافی ہے۔

- علاوہ ازیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابوجعفر مدنی رحمہ اللہ کو نماز میں امام مقرر فرمایا اور ان کی امامت میں نماز ادا کی۔

[معرفۃ القراء:۱/۵۹]

- اور ابن مجاہد رحمہ اللہ ایک عرصے تک اس مخمصے میں رہے کہ یعقوب اور کسائی رحمہما اللہ میں سے کسے ساتویں امام کا درجہ دیں۔[المنجد:۸۲]
- ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بعض قراء کا خیال ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’لو لم يسبقني ابن مجاهد إلى الكسائي فجعلت يعقوب مكانه‘‘

’’اگر ابن مجاہد رحمہ اللہ، کسائی رحمہ اللہ کو ذکر کرنے میں سبقت نہ لے جاتے تو ہم اس کی جگہ یعقوب رحمہ اللہ کو ذکر کرتے۔‘‘

❷ دوسرا یہ کہ ان تینوں آئمہ کی قراءت قراء سبعہ کی قراءت سے خارج نہیں ہے۔ ابوجعفر رحمہ اللہ، نافع رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں اور نافع رحمہ اللہ نے زیادہ تر حروف انہی سے بیان کیے ہیں اور بقیہ حروف میں آئمہ سبعہ میں سے دیگر کی موافقت کی ہے اور یعقوب رحمہ اللہ نے سلام الطّویل رحمہ اللہ پر پڑھا ہے اور سلام الطّویل رحمہ اللہ نے ابوعمرو رحمہ اللہ اور عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ پر پڑھا ہے۔ لہٰذا ابوجعفر رحمہ اللہ اور یعقوب رحمہ اللہ کی قراءت قراء سبعہ کی قراءات سے خارج نہیں ہے۔ اور جو خلف رحمہ اللہ ہیں ان کی قراءت قراء سبعہ میں سے کوفیین کی قراءت سے خارج نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے عمومی طور پر حمزہ رحمہ اللہ سے اَخذ کردہ اختلافات کو اپنے اختیارات میں شامل کیا ہے۔

ہم نے اس ادنیٰ سی کوشش میں ثبوتِ قراءات اور قراءات کا آئمہ عشرہ سے کیا تعلق ہے، کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ رب العزت اسے درجہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

اِدارہ طلوع اسلام کی تلبیس

معروف منکر قراءات و منکر حدیث مسٹر غلام احمد پرویز کے جاری کردہ رسالہ ماہنامہ طلوع اسلام، لاہور نے اپنی اشاعت بابت ماہ ستمبر ۰۹ء میں ماہنامہ رشد قراءات نمبر کے بارے میں قارئین کے سامنے اپنے جوابی تاثرات کیلئے اپنی پرانی روایت کے مطابق یوں تدلیس سے کام لیا ہے کہ طلوع اسلام کے شمارہ مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع شدہ مضمون ’اختلاف قراءات کا افسانہ‘ کو ہی دوبارہ جوابی مضمون کے طور پر شائع کردیا ہے، حالانکہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عین اسی مضمون پر ہم نے دو دفعہ یعنی رشد قراءات نمبر حصہ اول میں اور اس سے قبل ماہنامہ رشد کی اشاعت بابت ماہ ستمبر، نومبر کی دو قسطوں میں تفصیلی تجزیہ شائع کیا تھا۔ ضرورت تو اس امر کی تھی کہ انہیں اگر اپنے قارئین کے سامنے کوئی گذارشات پیش کرنا تھیں تو مجلّہ میں شائع شدہ اسی مضمون پر متعلقہ مضمون نگار یا کسی اور سے جواب لکھواتے، لیکن ایسا کرنے کی بجائے اُسی مضمون کو بغیر تبدیلی کے دوبارہ شائع کرنا چہ معنی دارد؟ ادارہ طلوع اسلام کو اس سلسلہ میں اگر اپنے قارئین کے سامنے کوئی وضاحت پیش کرنا ہے، تو اسے علم و تحقیق اور انصاف کے تقاضوں کو بہرحال پورا کرنا چاہیے۔ [ادارہ]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری صہیب احمد میر محمدی☆

قراءات قرآنیہ کی اَساس......تلقّی وسماع

ہم قراءات سبعہ وعشرہ متواترہ کی نشاۃ وتدوین کو دو مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

① مرحلہ اولیٰ: اس بحث پر مشتمل ہے کہ ان قراءات کا اصل مصدر تلقی وسماع عن النبی ہے۔

② مرحلہ ثانیہ: یہ تدوین قراءات کے بارے میں علی الاختصار بحث پر مشتمل ہے۔

❶ مرحلہ اولیٰ: قراءاتِ سبعہ وعشرہ جو ثبوت میں تواتر کا درجہ رکھتی ہیں ان میں اصل مصدر سماع عن النبی ہے۔قرآن کریم کی پہلی وحی ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ.خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ . إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾[العلق:۱ تا ۵] کے الفاظ سے ہے۔اور آخری وحی راجح قول کے مطابق ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ہے۔[البقرۃ:۲۸۱]

ابتدائے وحی کے متصل بعد سب سے بڑی چیز جس کا حکم ہوا وہ ﴿قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾[الاسراء:۱۰۶] کے الفاظ میں موجود ہے۔چنانچہ اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ نے صحابہ کو وحی کے مطابق ایک کامل واکمل طریقہ پر کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔جس طرح آپ ﷺ صحابہ کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے،خود بھی اس کے ضبط کرنے میں بڑے حریص تھے۔

حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

كان رسو ل الله ﷺ يعالج من التنزيل شدة وكان مما يحرك شفتيه فأنزل الله ﴿لاتحرك به لسانك لتعجل به . إن علينا جمعه وقرآنه﴾ فكان رسول الله ﷺ بعد ذلك إذا أتاه جبريل استمع فاذا انطلق جبريل قرأه النبی ﷺ كما قرأه . [صحيح بخاری: كتاب بدأ الوحی]

”نزول وحی کے وقت آپ ﷺ فوراً وحی کو یاد کرنے کی کوشش کرتے (کہ کہیں بھول نہ جائے) تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ...﴾[القیامۃ:۱۶] آیت اتاری کہ آپ ﷺ اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں کیونکہ اس کو محفوظ کرنا اور تلاوت سکھلانا ہماری ذمہ داری ہے۔تو اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام آتے تو رسول اللہ ﷺ غور سے سنتے رہتے اور جبریل علیہ السلام کے جانے کے بعد ویسا ہی پڑھتے جیسا جبریل علیہ السلام پڑھا کرجاتے تھے۔“

آپ ﷺ نزول وحی کے وقت فوراً وحی کو اس لیے یاد کرنا شروع کر دیتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے ذمہ قرآن کریم کو بعینہ آگے منتقل کرنا بھی فرض تھا۔اس ذمہ داری کی وجہ سے آپ ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔

جس طریقے سے آپ ﷺ قرآن کریم اخذ کرتے تھے اسے تلقّی کہتے ہیں اور نقل قرآن میں یہ بنیادی شرط ہے۔وحی کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا پھر آپ ﷺ کا معمول یہ بن گیا کہ ہر سال رمضان المبارک میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا

☆ فاضل کلیة القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ وفاضل جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور کرتے جیسا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''أسرَّ إلى النبیﷺ أن جبريل كان يعارضني بالقرآن كل سنة وأنه عارضني العام مرتين ولا أراه إلا حضر أجلي''[صحيح البخاري:٣٦٢٤]

''جبریل علیہ السلام ہر سال آپ ﷺ کے ساتھ دور کرتے اور آخری سال دو مرتبہ دور کیا۔''

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''كان النبیﷺ أجود الناس وأجود ما يكون في شهر رمضان لان جبريل كان يلقاه في كل ليلة في شهر رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه رسو ل الله القرآن''[صحيح البخاري:٤٩٩٧]

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

"كان يعرض على النبی القرآن كل عام مرة فعرض عليه مرتين في العام الذی قبض فيه وكان يعتكف فی كل عام عشرا فاعتكف عشرين في العام قبض فيه"

اس حدیث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہر سال جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کرتے اور زندگی کے آخری سال دو مرتبہ دور کیا۔ یہ دلائل آپ ﷺ کے جبرئیل علیہ السلام سے مشافہہ اور تلقی سے قرآن کے حاصل کرنے پر دال ہیں۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اسی طرح صحابہ کو سکھلایا۔ چنانچہ ابن الجزری رحمہ اللہ غاية النهاية:۱/۴۵۸،۴۵۹ پر اور دکتور محمد حسین الذہبی رحمہ اللہ التفسير والمفسرون کی جلد۱ص۸۶ پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''حفظت من في النبی بضعة وسبعين سورة''

''میں نے ستر (۷۰) سے زائد سورتیں رسول اللہ ﷺ سے مشافہۃ یاد کیں۔''

واضح رہنا چاہیے کہ تعلیم کے دو طریقے ہیں: ① شیخ پڑھے اور شاگرد سماعت کرے ② شاگرد پڑھے اور شیخ تصحیح کرائے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۷۰ سے زائد سورتیں پہلے طریقے کے مطابق یاد کیں اور بقیہ خود یاد کر کے ان پر پڑھیں۔اسی طرح بخاری کتاب الاستئذان حدیث نمبر ۶۲۶۵ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

"علمني رسول الله وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن"

''آپ ﷺ نے مجھے تشہد اس طرح سکھلایا جیسے قرآنی سورت سکھلاتے تھے اور میری ہتھیلی آپ کی ہتھیلی میں تھی۔''

گویا کہ قرآن کریم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہ سماعاً وعرضاً حاصل کیا۔

اسی طرح صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ (حدیث نمبر ۱۴۰۳) میں ابن عباس سے روایت ہے کہ:

"كان رسول اللهﷺ يعلّمنا التشهد كما يعلّمنا السورة من القرآن"

''رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھلاتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھلاتے تھے۔''

اس سے یہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ تشہد کے کلمات سکھلاتے تھے اسی طرح قرآن بھی سکھلاتے تھے۔

اسی طرح تفسیر طبری: ۱/۸۰ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"كان الرجل منا إذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن والعمل بهن"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''ہم میں سے کوئی شخص دس آیات سیکھنے کے بعد اس وقت تک آگے نہ سیکھتا جب تک ان کے معانی ومطالب سے متعارف نہ ہوجاتا اور عمل نہ کرلیتا۔''
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرنے کے بعد مزید قرآن کریم سیکھتے تھے۔
اسی طرح ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:
"حدثنا الذين كانوا يقرء ونا أنهم كانوا يستقرء ون من النبى فكانوا إذا تعلموا عشر آيات لم يخلفوها حتى بما فيها من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جميعا" [تفسیر طبری: ۱/۸۰]
يستقرء ون من النبى کے الفاظ سابقہ حدیث کے مفہوم کو مزید تقویت دیتے ہیں۔
اسی طرح محدث ناقد ومورّخ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ) الاعلام: ۵/۳۲۶ پر رقمطراز ہیں کہ
الذين عرضوا على رسول الله ﷺ القرآن عثمان بن عفان (المتوفى ۳۵هـ) وعلى بن ابى طالب (المتوفى ٤٠هـ) وابى بن كعب (المتوفى ۳۲هـ) وعبدالله بن مسعود (المتوفى ۳۲هـ) وزيد بن ثابت (المتوفى ٤٥هـ) وابوموسى الاشعرى (المتوفى ٥٠هـ) وابوالدرداء (المتوفى فى آخر خلافة عثمان)
''وہ مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے آپ ﷺ سے قرآن حفظ کیا ان میں عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ الاشعری، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ہیں۔''
اگرچہ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم کا حفظ کرنا ثابت ہے۔اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:
"فهولاء الذين بلغنا أنهم حفظوا القرآن فى حياة النبى وأخذ عنهم عرضا وعليهم دارت أسانيد قراء ة الأئمة العشرة"
''یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قرآن کریم حفظ کیا تھا اور جن پر قراءعشرہ کی اَسانید کا مدار ہے۔''
اگرچہ ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو مصاحف میں نقل کیا ہے، جیسا کہ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبى میں منقول ہے، لیکن اعتماد حفظ، سماع وتلقی پر ہی تھا جیسا کہ علامہ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸) مجموع فتاوی جلد نمبر ۱۳ ص ۴۰۰ پر رقمطراز ہیں کہ:
الاعتماد فى نقل القرآن على حفظ القلوب لا على المصاحف كما فى الحديث الصحيح عن أنس قال إن ربى قال لى ان قم فى قريش فانذرهم...... ومنزل عليك كتابا لا يغسله الماء تقرء ه نائما ويقظانا ....الخ
''قرآن کریم کے نقل کے لیے باعتماد ذریعہ حافظہ ہے، مصحف نہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اٹھیے اور قریش کو ڈرائیں، آپ پر وہ کتاب اتاری ہے جو پانی سے ختم نہیں ہوگی بلکہ ہر حال میں باقی رہے گی، نینداور بیداری ہر دو حالت میں پڑھی جائے گی۔''
امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ أناجيلهم فى صدورهم کہ یہ اُمت کتاب کو سینوں میں محفوظ کرے گی۔''
اگرچہ اعتماد حفظ پر تھا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ وحی آنے پر کاتبین وحی کو بلا کر لکھوا بھی دیتے تھے جیسا کہ محمد ابی شهبه نے المدخل لدارسة القرآن الكريم کے ص ۳۴ پر صراحت کی ہے، لیکن اس کے بارے میں ہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرحلہ ثانیہ میں گفتگو کریں گے۔

سابقہ بحث سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو حفظ کیا اور اعتماد سماع و تلقی پر تھا، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ حفاظ کی شان میں رسالت مآب نے وہ کلمہ کہہ دیا جو تمام فضائل کو مشتمل ہے۔ چناچہ سنن ابن ماجہ، مسند احمد، سنن الدارمی نے اس کو روایت کیا ہے اور اسی طرح المناوی نے فیض القدیر شرح جامع الصغیر :۳/۶۷ پر اور ملا علی بن سلطان القاری مرقاۃ المفاتیح کی جلد ۲/۵۷۳ پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «حملة القرآن هم أهل الله وخاصة» ''یعنی اہل قرآن تو اللہ والے اور اس کے خواص میں سے ہیں۔'' اور انہی کے بارے میں طبرانی، مسند کبیر میں اور المناوی فیض القدیر کی جلد ۲/۵۲۲ پر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ :

أشراف أمتی حملة القرآن ''کہ سب سے اشرف و افضل لوگ حاملین قرآن ہیں۔''

اور ان کے مشغلہ کو کل کائنات سے افضل گردانا، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فضائل القرآن کے تحت اور فتح الباری :۹/۶۱ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کتاب نمبر ۸ باب نمبر ۱۴ پر اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب نمبر ۴۳ باب نمبر ۱۵ پر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے جلد نمبر ۱/۹۲، ۹۳ پر امام دارمی رحمہ اللہ نے کتاب نمبر ۲۳ اور امام طیالسی رحمہ اللہ نے حدیث نمبر ۷۳ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

« خیرکم من تعلم القرآن وعلمه »

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور آگے تعلیم دے۔''

اسی حدیث کی وجہ سے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ ۴۰ سال کوفہ کی جامع مسجد میں لوگوں کو تعلیم قرآنی دیتے رہے جیسا کہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے النشر فی القراء ات العشر :۳/۱ پر اور ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیة الاولیاء :۴/۱۹۴ پر نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو یاد کرکے بھلانے والے کے لئے وعید سنائی ہے، چنانچہ امام القراء البغوی رحمہ اللہ المصابیح السنة کی جلد نمبر ا ص ۱۵ پر نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مامن امریء یقرء القرآن ثم ینساه الا لقی الله یوم القیامة أجرم »

''یعنی جو شخص قرآن کو حفظ کرکے بھلادے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے فالج زدہ کرکے لایا جائے گا۔''

قرآن کریم کا حفظ کرنا بھی عبادت ہے، جیسا کہ المناوی رحمہ اللہ نے فیض القدیر جلد نمبر ۲ ص ۴۴ پر نقل کیا ہے

''أفضل العبادة قراء ة القرآن''

''کہ افضل عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔''

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ:

'' أفضل عبادة أمتی قراء ة القرآن''

''اُمت محمدیہ کی سب سے افضل عبادت تلاوت قرآن ہے۔''

توجب قرآن کریم کا حفظ کرنا، پڑھنا عبادت ہے تو اسی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مختلف قبائل عرب کو اسلام بگوش ہوتے دیکھا، اور عجمیوں کو مسلمان ہوتے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے رخصت مانگی کہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قرآن کریم کو زیادہ حروف میں نازل کر کے میری امت پر آسانی فرمائی جائے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ کتاب الصلوۃ حدیث نمبر ۲۸ ابوداؤد کتاب الصلوۃ حدیث نمبر ۱۴۷۷،۱۴۷۸ اور نسائی کتاب الصلوۃ جلد نمبر ۲ ص ۱۵۲،۱۵۴ پر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أن النبی کان عند إضاء ة بنی غفار قال فأتاه جبریل علیه السلام فقال إن الله یامرك أن تقرا أمتك القرآن علی حرف فقال أسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لاتطیق ذلك ثم أتاه الثانیه فقال إن الله یأمرك أن تقرأ أمتك القرآن علی حرفین فقال اسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لا تطیق ذلك ثم جاء ه الثالثة فقال إن الله یأمرك أن تقرأ أمتك القرآن علی ثلثة أحرف فقال اسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتی لاتطیق ذلك ثم جاء ه الرابعه فقال إن الله یأمرك أن تقرأ أمتك القرآن علی سبعة أحرف فأیما حرف قروؤا علیه فقد أصابوا

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک جگہ بنی غفار کے محلے میں تھے تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھاؤ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ سے اس کی عافیت اور مغفرت طلب کرتا ہوں! میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر جبریل علیہ السلام اللہ کے پاس گئے اور دوسری مرتبہ آئے اور حکم سنایا کہ دو حرفوں پر امت کو پڑھائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بات کہی پھر تیسری مرتبہ آئے اور تین حروف پر پڑھنے کو کہا تو پھر وہی جواب دیا پھر چوتھی مرتبہ سات حروف پر پڑھنے کا حکم سنایا۔''

اسی طرح کی روایت جس کو ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث نمبر ۲۹۴۴ پر نقل کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی صحیح سنن ترمذی جلد نمبر ۳ ص ۱۵ پر صحیح کہا ہے اور محقق جامع الاصول نے بھی جلد نمبر ۲ ص ۴۸۳ پر اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے وہ روایت یہ ہے کہ:

"لقی رسول الله ﷺ جبریل فقال یا جبریل بعثت إلی أمة أمیین فیهم العجوز والشیخ والکبیر والغلام والجاریة الرجل الذی لم یقراء کتابا قط فقال یا محمد إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف"

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام! میں ایک ایسی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جوان پڑھ ہیں اور پھر ان میں بوڑھے، بچے اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے کبھی کچھ پڑھا ہی نہیں۔ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔''

اور اس کے بعض طرق میں'' فمره فلیقرأ القرآن علی سبعةاحرف ''یعنی ان کو حکم دیجیے کہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں۔''

چنانچہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو حفظ کرنے میں تلقی وسماع کو کسوٹی بنایا اسی طرح قراءات میں بھی اصل چیز تلقی اور سماع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی طرح پڑھایا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کا حکم دیا گیا تھا اس کے علاوہ وہ حدیث مذکور میں أن تقرأ أمتك کے الفاظ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ بغیر تلقی قرآن کا ثبوت نہیں ہوتا ورنہ تقرأ کے بجائے تأمر بھی کہا جا سکتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تلقی کو اس لیے ضروری قرار دیا کہ جب تک تلقی وسماع نہیں ہوگا اس وقت تک قرآن کریم کی قراءات کے حصول کا تحقق نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح میں جلد نمبر ۱ ص ۲۷۳ پر، احمد بن شیبہ رحمہ اللہ اور طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقراء قراء ۃ أنکرتھا علیه ثم دخل آخر فقرأ قراء ۃ سوی قراء ۃ صاحبه فلما قضینا الصلاۃ دخلنا جمیعا علی رسول الله فقلت إن ھذا قرأ قراء ۃ أنکرتھا علیه ودخل آخرفقرأ سواء قراء ۃصاحبه فلما قضینا الصلاۃ دخلنا جمیعا علی رسول الله فقلت إن ھذا قرأ قراء ۃ أنکرتھا علیه ودخل آخر فقرأ سوی قراء ۃ صاحبه فأمرھما رسول الله فقرأ فحسن النبی شأنھما فسقط فی نفسی فی التکذیب ولا إذا کنت فی الجاھلیة فلما رأی رسول الله ما قد غشی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکأنما أنظر إلی الله فرقا فقال لی یا أبی ارسل إلی ان اقرأ القرآن علی حرف فرددت إلیه أن ھون علی أمتی فرد إلی الثانیة أن اقرء ہ علی حرفین فرددت إلیه أن ھون علی أمتی فرد إلی الثالثة أن أقرأہ علی سبعة أحرف فلك لکل ردۃ رددتکھا مسئله تسألنیھا فقلت اللھم اغفر لامتی اللھم اغفر لامتی وأخرت الثالثة لیوم یرغب إلی الخلق کلھم حتی إبراھیم“

اس حدیث پر غور کریں کہ آپ ﷺ نے جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا معمولی سا ردعمل دیکھا تو فوراً وضاحت کردی کہ اے میرے صحابی! مجھے حکم ہوا تھا کہ میں اپنی امت کو مختلف حروف پر پڑھاؤں جو کہ أن اقرأ القرآن، أقرأ علی حرفین، أقرأہ علی سبعة أحرف سے مترشح ہوتا ہے۔ اصل میں توضیح نبوی ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ دونوں صحابہ کا قراءت میں اختلاف تمہیں پریشان نہ کرے، کیونکہ دونوں قراءات میں نے ان کو حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سکھلائی ہیں۔ اورفحسن قرأتھما سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ نے ویسا ہی پڑھا ہوگا جیسا کہ آپ ﷺ سے حاصل کیا تھا ورنہ آپ ﷺ کبھی بھی تحسین کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ چنانچہ اس حدیث سے بھی سماع وتلقی کے لزوم کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری، جلد نمبر۲ص ۷۴۷ پر حدیث نمبر ۴۹۹۲ اور ۵۰۴۱ میں، امام مسلم رحمہ اللہ حدیث نمبر ۸۱۸ میں، اسی طرح امام مالک، ابوداؤد، نسائی، ترمذی رحمہم اللہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الاصول جلد نمبر۲ص ۴۷۹ پراس چیز کی صراحت کی ہے کہ اس حدیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہے، نیز علامہ خطابی رحمہ اللہ نے نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر کے ص ۱۱۱ پر تواتر کی تصریح کی ہے اوروہ حدیث یہ ہے:

عن عمر بن الخطاب سمعت ھشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول الله ﷺ فاستمعت لقرأته فإذا ھو یقرأ علی حروف کثیرۃ لم یقرأنیھا رسول الله ﷺ فکدت أساورہ فی الصلوۃ فتصبرت حتی سلّم فلببته برداء ہ فقلت من أقرأ ك ھذہ السورۃ التی سمعتك تقرأھا قال اقرأنیھا رسول الله ﷺ فقلت کذبت فإن رسول الله ﷺ قد اقرأنیھا علی غیر ما قراء ت فانطلقت به أقودہ إلی رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله ﷺ إنی سمعت ھذا یقرأ سورۃ الفرقان علی حروف لم تقرأ نیھا فقال رسول الله ﷺ اقرأ یا ھشام فقرأ علیه القراء ۃ التی کنت سمعته یقرأ فقال رسول الله ﷺ ھکذا أنزلت ثم قال النبی اقرأ یا عمر فقرأت قراء ۃ التی اقرأنی فقال رسول الله ﷺ ھکذا أنزلت إن ھذا القرآن أنزل علی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سبعة أحرف فاقرؤا ما تیسر منه“

یہ حدیث اس چیز کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ قراءات تلقی وسماع پر مبنی ہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلائیں۔اسی لیے دونوں صحابہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے۔

اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بذات خود اقرار کرنا کہ ہاں ایسے ہی نازل ہوا ہے۔اگر اپنے پاس سے ہوتا تو کبھی هكذا أنزلت نہ کہتے۔اس حدیث میں لفظ الاقراء کا تکرار اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قراءت توقیف، تلقین، تلقی، اخذ، مشافہہ، نقل، سماع عن رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہیں۔اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کا انکار اس لئے نہیں کیا تھا کہ ان کی لغت میں نہیں تھا بلکہ اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے اس کے خلاف سنا تھا جو انہوں نے خود رسالت مآب ﷺ سے سیکھا تھا۔

اسی طرح طبرانی میں ایک روایت ہے کہ

” أن عمر سمع رجلا يقرأ فخالفت قراء ته قراء ة عمر فاختصما عند النبی ﷺ فقال الرجل الم تقرأ نی یارسو ل الله ﷺ قال بلی فوقع فی صدر عمر شیء عرفه النبی وجهه فضرب الرسو ل ﷺ فی صدر عمر وقال اللهم ابعد عنه الشيطان ثم قال انزل القرآن على سبعة أحرف كلها شاف كاف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جس آدمی سے جھگڑا ہوا تو اس نے کس طرح بانگ دہل کہا کہ الم تقرأنی یارسو ل اللہ ﷺ ”کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: کیوں نہیں، میں نے ہی پڑھائی ہیں۔اگر آپ ﷺ نے پڑھائی نہ ہوتی اور صحابی نے پڑھی نہ ہوتی تو صحابی اتنی جرات نہیں کرسکتا تھا کہ ایسے الفاظ منہ سے کہتا اور آپ ﷺ اس کی تصدیق نہ فرماتے۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں ابوقیس مولی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”أن رجلا قرأ آية من القرآن فقال له عمر وإنما هی كذا وكذا بغير ما قرأ الرجل فقال الرجل هكذا اقرأ نیها رسو ل الله ﷺ فخرجا إلى رسو ل الله ﷺ حتى أتياه فذكرا ذلك له فقال إن هذا القرآن نزل على سبعة أحرف فأی ذلك قراء تم أصبتم فلا تماروا فی القرآن فان المراء فيه كفر“

اس حدیث میں بھی وہی سابقہ حدیث کا معمہ سامنے آیا ہے کہ لڑائی میں صحابی نے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت کے طور پر فورا هكذا أقرأنيها رسول الله ﷺ کہہ ڈالا جس کی بعد ازاں آپ ﷺ نے تصدیق وتوثیق کردی کہ ہاں میں نے پڑھائی ہے۔اور اس لئے پڑھائی ہیں کہ قرآن اترا ہی سات حروف میں ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ مستدرک میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”اقرأنی رسول الله ﷺ سورة من آ ل حم فرحت إلى المسجد فقلت لرجل اقرأها فاذا هو يقرأ حروفا ما أقرأها فقال أقرأنيها رسو ل الله ﷺ فانطلقنا إلى رسو ل الله ﷺ فأخبرناه فتغير وجهه وقال إنما هلك من كان قبلكم الاختلاف ثم أسر إلى على شيئًا فقال على إن رسو ل الله ﷺ يأمركم أن يقرأ كل منكم كما علم قال فانطلقنا وكل رجل منا يقرأ حروفا لا يقرأ صاحبه“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس حدیث میں بھی سابقہ نزاع ہوا اور رفع نزاع کے لئے وہی نکتہ سامنے آیا کہ أقرأنیها رسو ل اللهﷺ جوکہ تلقی وسماع کا بین ثبوت ہے اور پھر آپ کا قول ''أن یقرأ کل منکم کما علم'' سے یہ بات مترشح ہوئی کہ آپ ﷺ کے دور تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی اعلی سطح پر ہوتا تھا۔اسی طرح طبرانی تفسیر معجم میں اور طبری تفسیر زید بن ارقم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

”جاء رجل إلی رسو ل اللهﷺ فقا ل أقرأني ابن مسعود سورة اقرانیها زید، وأقرأنیها أبی بن کعب فاختلف قراء تهم فبقراء ة أیهم آخذ؟ فسکت رسو ل اللهﷺ وعلی إلی جنبه فقال علی لتقراء کل إنسان منکم کما علّم فإنه حسن جمیل “

اس حدیث میں ایک نئی چیز یہ سامنے آئی کہ آپ ﷺ کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی منہج کے ساتھ لوگوں کو قراءات سکھلاتے تھے۔گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سماع وتلقی کا پورا لحاظ کرتے تھے،جوکہ اقرأ نی ابن مسعود، اقراء نیها زید، اقراء نیها أبی بن کعب سے سمجھ آتا ہے اور اسی طرح لیقراء کل إنسان منکم کما علم سے بھی یہی کلیہ اخذ ہوتا ہے۔

اوراسی طرح امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

”لقی رسو ل اللهﷺ جبریل وهوعند أحجار المری فقال إن أمتك یقرؤن علی سبعة أحرف فمن قراء منهم علی حرف فلیقرأ کما علم ولا یرجع عنه“

اس حدیث میں بھی فلیقراء کما علم ہمیں بتلاتا ہے کہ صحابہ نے سماعا قراءات حاصل کی تھیں کیونکہ بغیر سماع اور تلقی کے صرف مصاحف کے اوپر اعتماد کرنے سے قراءت کی صحت کا تحقق نہیں ہوسکتا،جیسا کہ علی السبیل المثال لفظ ﴿لٰكِنَّا هُوَ اللهُ رَبِّیْ﴾ جوکہ سورة کہف میں ہے،اسی طرح لفظ انا جہاں بھی آئے اور لفظ الظنونا ، الرسولا، السبیلا ، قواریرا پہلا جوکہ سورہ دہر میں ہے،ان کو وصل کرکے پڑھیں تو الف کو نہیں پڑھیں گے، اگرچہ کتابت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ الف پڑھا جائے،کیونکہ لکھا ہوا ہے،لیکن سماع وتلقی یوں نہیں۔اور وقف کریں تو پھر الف کو پڑھیں گے جبکہ قواریرا دوسرا جوکہ (سورة دہر میں ہی ہے اور اسی شکل کا ہے) وہاں وصلا وقفا الف حذف ہوگا اسی طرح ﴿وَثَمُوْدَا وَقَدْ تَبَیَّنَ لَكُمْ﴾[العنکبوت] ﴿وَثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾[الفرقان] اس میں وصلاً وقفاً بغیر الف کے پڑھیں گے،کیونکہ سماع یوں ہی ہے،جبکہ کتابت الف کی ادائیگی کا تقاضا کرتی ہے۔اسی طرح ﴿اُوْلٰئِكَ﴾ میں اگرچہ کتابت ورسم اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ واو جو الف کے بعد ہے پڑھی جائے،لیکن اسے دنیا میں سوائے جہلاء کے اور کوئی نہیں پڑھتا ہوگا۔اسی طرح لا إلی الجحیم، لا أنتم أشد رهبة،او لأذبحنه میں لام کے بعد الف نہیں پڑھا جائے گا،اگرچہ رسم میں ہے۔آپ نے خود سکھلانے کے بعد یہ حکم بھی دیا کہ آگے پہنچاؤ۔جیسا کہ بخاری کتاب الانبیاء حدیث نمبر ۳۴۶۲ اور ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر ۲۶۷۱ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ:

«أن رسو ل اللهﷺقال: بلغوا عنی ولوآیة»

''یعنی میری طرف سے لوگوں کو پہنچادو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔''

اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فضائل قرآن کے صفحہ نمبر ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ :

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

«فأدوا القرآن قرآنا والسنة سنة لم يلبسوا هذا بهذا»
یعنی انہوں نے قرآن کو سنت کو الگ لوگوں تک پہنچایا اور التباس نہیں کیا۔
پھر فرماتے ہیں کہ
فلهذا نعلم بالضرورة أنه لم يبق من القرآن مما أداه الرسول إليهم إلا وقد بلغوه إلينا ولله الحمد والمنة
کہ ہم بالیقین جانتے ہیں کہ قرآن کی ہر وہ چیز جو صحابہ کو آپ نے سکھلائی انہوں نے ہم تک پہنچائی ہے۔
چنانچہ صحابہ میں سے جو لوگ قراءت پڑھاتے تھے ان کو اس وقت قراء کہا جاتا تھا، جیسا کہ بخاری کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۰۹۰ میں نقل کرتے ہیں
عن أنس أن رعلا وذكوان وعصية وبنى لحيان استمدوا لى رسول اللهﷺ على عدو فامدهم بسبعين من الانصار كنا نسميهم القراء......الخ.
یعنی انصار کے ۷۰ آدمی لوگوں کو پڑھاتے تھے ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ اسی طرح صحیح مسلم ،كتاب المساجد ومواضع الصلوة حدیث نمبر ۶۷۷ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں جاء ناس إلى النبى فقالوا ابعث معنا رجالا يعلمونا القرآن والسنة فبعث إليهم سبعين رجلا من الانصار يقال لهم القراء ......الخ.
''آپ ﷺ کے پاس چند لوگ آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ چند لوگ بھیجئے جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں تو آپ ﷺ نے انصار میں سے ۷۰ صحابہ کو بھیج دیا جن کو قراء کہا جاتا تھا۔''
اور مسلم رحمہ اللہ الجامع الصحيح اورالذہبی رحمہ اللہ سير أعلام النبلاء کے ص ۲۸۱ پر اور ترمذی کے حوالے سے دکتور ذہبی رحمہ اللہ التفسير والمفسرون:۹۲/۱ پر نقل کرتے ہیں کہ عن أنس بن مالك قال قال رسو ل اللهﷺ لابى إن الله أمرنى أن أقرأ عليك القرآن قال الله سمانى لك ؟ قال نعم فجعل يبكى......الخ.
یعنی آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ تجھ پر قرآن پڑھوں تو انہوں نے سوال کیا کہ اللہ نے میرا نام لیا ہے تو فرمایا ہاں: تو وہ رونے لگ گئے۔
اور خود آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں فرمایا جیسا کہ ذہبی سير أعلام النبلاء میں اور الدکتور الذہبی التفسیر و المفسرون:۹۱/۱،۹۲ پر لکھتے ہیں:
أقرأ امتى أبى ''یعنی میری امت کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں''
اور یہ بعید نہیں کہ افضلیت کا سبب یہ ہو کہ خود آپ ﷺ نے ان کو قراءت سکھلائی۔
اسی طرح ابن ہشام رحمہ اللہ اپنی کتاب سيرة النبى:۲۰۵/۱ پر لکھتے ہیں کہ
"كتب النبى لعمرو بن حزم حين وجهه إلى اليمن كتابا أمره فيه بأشياء منها أن يعلم الناس القرآن ويفقهم فيه"
''آپ ﷺ نے جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ایک خط لکھا جس میں چند چیزوں کا حکم دیا ان میں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی تھی کہ لوگوں کو قرآنی کی تعلیم دے۔''

اور ابن سعد رحمہ اللہ الطبقات الکبری: ۱۱۸،۱۱۷/۸ اور علامہ زرقانی رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة کی: ۳۷۹/۱ اور ابن سعد رحمہ اللہ الطبقات الکبری: ۲۰۶/۱۴ طبع بیروت پر لکھتے ہیں:

"روی البخاری عن أبی إسحاق عن البراء قال أول من قدم علینا من أصحاب النبی مصعب بن عمیر وابن مکتوم فجعلا یقرئنا القرآن وکان مصعب یسمی المقری"

''براء ابن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وعبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لوگ مقری کہتے تھے۔''

اسی طرح ابوعلی القالی رحمہ اللہ شرح العقیلة کے ص ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ

"وکان الرجل من المسلمین إذا هاجر إلی المدینة دفعه النبی ﷺ إلی رجل من الحفظة لیعلمه القرآن"

''جب کوئی مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرتا تو آپ ﷺ اس کو حفاظ میں سے کسی ایک کی طرف بھیجتے کہ اس کو قرآن کی تعلیم دے۔''

اور اسی کتاب میں ابوالقالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ولما فتح النبی مکة خلف علیها معاذ بن جبل یقرئیهم القرآن ویفقههم"

''جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تعلیم اور تفقہ کرنے کے لئے اپنا نائب مقرر کیا۔''

اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات القسم الاوّل کے ص ۳۵۷ پر لکھتے ہیں کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اہل صفہ کو قرآن سکھلاتے تھے اور جب شام کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبادہ، معاذ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ لوگوں کو وہاں جا کر قرآن سکھلائیں۔

اسی طرح ابن الجزری رحمہ اللہ النشرفی القراء ات العشر جلد نمبر ۱ ص ۳ اور ابونعیم رحمہ اللہ نے حلیة الاولیاء: ۱۹۴/۴ پر نقل کیا ہے کہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ ۴۰ سال کوفہ کی جامع مسجد میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کتاب نمبر ۶۵ باب نمبر ۵ اور کتاب نمبر ۹۶ اور باب نمبر ۲ میں نقل کرتے ہیں کہ

"وکان یقرأ أصحاب مجلس عمر بن الخطاب واصحاب مشورة"

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس کے آدمی اور اصحاب مشورہ قراء ہوتے تھے۔''

صحابہ کے بعد یہی کام تابعین میں رائج ہوا، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے شاگرد سعید بن جبیر رحمہ اللہ المتوفی ۹۵ھ کے بارے میں ابن الجزری رحمہ اللہ غایة النہایة جلد نمبر ۱ ص ۳۰۶،۳۰۵، وفیات الاعیان جلد نمبر ۱ ص ۳۶۵، اور دکتور الذہبی التفیسر والمفسرون جلد نمبر ۱ ص ۱۰۲ پر نقل کرتے ہیں کہ

"کان سعید بن جبیر یوم الناس فی شهر رمضان فیقرأ لیلة بقراء ة عبد الله بن مسعود ولیلة بقراء ة زید بن ثابت ولیلة بقراء ةغیره وهکذا ابدا"

''سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان المبارک میں لوگوں کو تراویح پڑھاتے تو ایک رات قراءت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں پڑھتے اور ایک رات زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قراءت پڑھتے اور تیسری رات کسی اور صحابی کی قراءت پڑھتے جو کہ مستند إلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

النبی ہوتی تھیں اور ہمیشہ ایسا کرتے۔“

یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا جوکہ اتنا لمبا ہے کہ اس مضمون میں پورے سلسلہ کا احصار ممکن نہیں، اس لئے ہم صرف مشہور قراء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھا جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور تابعین اپنے اپنے علاقہ میں بھیجے گئے مصاحف کے مطابق پڑھتے ،کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف لکھوائے تو مصاحف کے ساتھ قراء بھی بھیجے جوکہ تلقی وسماع کی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے بھیجے تھے ،جیسا کہ جعبری رحمہ اللہ ابوعلی رحمہ اللہ سے تاریخ رسم المصحف جزء الثانی ۸۳ص ۲۰۳،۲۰۶ پر لکھتے ہیں کہ

”ولما أرسل عثمان مصاحفه الائمة الخمسة إلى الأمصار لم يكتف بها وإنما أرسل مع كل مصحف عالما لاقراء الناس بما يحتمله رسمه فأمرزيد بن ثابت أن يقرأ بالمدينة وبعث عبد الله بن السائب إلى مكة والمغيرة بن شهاب إلى الشام وعامر بن عبد قيس إلى البصرة وأباعبدالر حمن السلمى إلى الكوفه“

”جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف بھیجے تو صرف مصاحف بھیجنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ قراء کو بھیجا جوان مصاحف کے مطابق لوگوں کو پڑھائیں۔ چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مدینہ والوں کو پڑھانے کے لئے کہا اور مکہ والوں کے لئے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بھیجا اور عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور ابوعبدالرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی طرف بھیجا۔“

چنانچہ تابعین رحمہم اللہ نے پھر وہ منہج اختیار کیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دورِ نبوت کے بعد اختیار کیا تھا جیسا کہ ابن جزری رحمہ اللہ النشر جلد نمبر ا ص ۸ پر اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ جمال القراء وکمال الاقراء کی جلد نمبر ۲ ص ۴۲۵ پر کتاب القراءات لابی عبید کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ تابعین پھر مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ چنانچہ مدینہ میں سعید بن مسیّب [التوفی بعدستین] عروۃ ابن الزبیر [التوفی اوائل خلافہ عثمان] سالم بن عبداللہ [م ۱۰۶ ھ] ابن شہاب الزہری [م ۱۲۴ ھ] ،عبدالرحمٰن ہرمز الاعرج [م ۱۱۷ ھ] اور مکہ میں عبید اللہ بن عمیر اللیثی [م ۱۱۳ ھ] ،عطاء بن ابی رباح [۱۱۴ ھ]، طاؤس [م ۱۰۶ ھ]، عکرمہ مولی ابن عباس [م ۱۰۵ ھ] ،عبداللہ بن ابی ملیکہ [م ۱۱۷ ھ] ، اور کوفہ میں علقمہ بن قیس [التوفی بعدستین] ،اسود بن یزید [م ۷۵ ھ]، مسروق بن الاجدع [م ۶۳ ھ] ،عبیدہ السلمانی [م ۷۰ ھ]، عمرو بن شرحبیل [م ۶۳۰ ھ] ، اور بصرہ میں عامر بن عبداللہ، ابوالعالیہ الریاضی [م ۹۳ ھ] ، ابورجاء العطاردی [م ۱۰۵ ھ] ، نصر بن عاصم اللیثی [م ۹۰ ھ] ، یحییٰ بن یعمر [المتوفی قبل تسعین] .اور شام میں مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی [م ۹۱ ھ] اور خلید بن سعد رحمہم اللہ قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔

تابعین کے بعد پھر یہی سلسلہ چلتا رہا چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ جمال القراء وکمال الاقراء :۲/ ۳۲۸ پر کتاب القراءات لابی عبید کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تابعین کے بعد وہ لوگ اس میدان میں اترے جنہوں نے اپنے آپ کو اس قرآنی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا، جن سے لوگ پڑھتے تھے۔لوگوں نے ان کو اس دور میں امام مانا اور خود اقتداء کرنے لگے، چنانچہ مدینہ میں ابوجعفر یزید بن القعقاع رحمہ اللہ [م ۱۳۰ ھ] اس سلسلہ میں معروف ہوئے، جن کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں امامت کے لئے آگے کیا اور تقریباً ۵۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال تک نمازیں پڑھاتے رہے۔خود عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ قراءعشرہ کے آٹھویں قاری ہیں۔ دوسرے شخص شیبہ ابن نصاح رحمہ اللہ [م ۱۳۰ ھ] ہیں، جنہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پڑھا۔ تیسرے شخص نافع ابن ابی نعیم رحمہ اللہ [التوفی ۱۶۹ ھ] ہیں، جنہوں نے ۷۰ تابعین کرام سے سماعا قراءت پڑھی اور یہ قراءت عشرہ کے پہلے قاری ہیں۔

مکہ مکرمہ میں نمایاں امام عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ [التوفی ۱۲۰ ھ] تھے،جنہوں نے عبداللہ بن سائب المخزومی رحمہ اللہ پر پڑھا اور یہ قراءات عشرہ کے دوسرے قاری ہیں۔ ابن سائب رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قراءات اخذ کی تھیں۔ اسی طرح مکہ میں نمایاں افراد میں حمید بن قیس الاعرج رحمہ اللہ [م ۱۲۰ ھ] اور محمد بن محیصن رحمہ اللہ [م ۱۲۳ ھ] شامل تھے۔

کوفہ میں یحییٰ بن وثاب رحمہ اللہ [م ۱۰۳ ھ] اور عاصم بن ابی النجود معروف ہوئے، جنہوں نے عبداللہ بن حبیب السُّلمی رحمہ اللہ اور زربن حبیش رحمہ اللہ سے پڑھا۔ امام عاصم رحمہ اللہ کی قراءت کو بعد ازاں امت میں یہ قبولیت بھی حاصل ہوئی کہ آپ قراءات عشرہ کے پانچویں امام ٹھہرے۔ کوفہ کے دیگر نمایاں شخصیات میں سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ [م ۱۴۸ ھ]، حمزہ الزیات رحمہ اللہ [م ۱۵۷ ھ] وغیرہ شامل ہیں۔ امام حمزہ رحمہ اللہ نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے اور انہوں نے چند واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرآن اخذ کیا اور یہ قراءات عشرہ کے چھٹے قاری ہیں۔ کوفہ کے قراء میں ایک اور نمایاں نام امام کسائی رحمہ اللہ [م ۱۸۹ ھ] کا ہے۔ ان کی سند عیسی بن عمر رحمہ اللہ کے واسطے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ یہ قراءات عشرہ کے ساتویں قاری ہیں۔

بصرہ کی نمایاں شخصیات میں عبداللہ بن ابی اسحاق الحضرمی رحمہ اللہ [م ۱۱۷ ھ]، عیسی بن عمر الثقفی رحمہ اللہ [م ۱۴۹ ھ] اور ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ [م ۱۵۴ ھ] وغیرہ شامل ہیں۔ امام ابوعمرو رحمہ اللہ قراءات عشرہ کے تیسرے قاری ہیں، انہوں نے تابعین کی ایک جماعت پر پڑھا، جن میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح بصرہ کے دیگر قراء میں عاصم الجھدری رحمہ اللہ [م ۱۳۰ ھ]، یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ [م ۲۰۵ ھ] وغیرہ کا نام شامل ہے۔ امام یعقوب رحمہ اللہ نے مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر قرآن پڑھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی انہوں نے قراءت پیش کی تھی اور یہ قراءعشرہ میں نویں قاری ہیں۔

شام کے معروف قراء میں حضرت عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ [م ۱۱۸ ھ] کا نام سامنے آتا ہے، جنہوں نے مغیرہ بن شہاب رضی اللہ عنہ پر پڑھا، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پڑھا۔ یہ قراءاتِ عشرہ کے چوتھے قاری ہیں۔ شام کے دیگر معروف قراء میں عطیہ بن قیس الکلابی رحمہ اللہ [م ۱۲۱ ھ]، یحی بن حارث الذماری رحمہ اللہ [م ۱۴۵ ھ]، شریح بن یزید الحضرمی رحمہ اللہ [م ۲۰۳ ھ] وغیرہ نے قرآن کی قراءات پر اپنی زندگیاں وقف کیں اور قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح تمام تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کا یہی منہج رہا ہے کہ وہ قراءات کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے اور انہیں باقاعدہ متصل اسانید کے ساتھ صحابہ تک پہنچاتے، جیسا کہ مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ [م ۳۴۷ ھ] نے التبصرة فی القراءات السبع کے صفحہ ۴۴ تا ۴۷ پر اس ضمن میں باقاعدہ ایک فصل قائم کی ہے، جو کہ ذکر اتصال قراءة من ذکرنا من الائمة بالنبی وشرف وکرم کے نام سے موجود ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح امام خطابی رحمہ اللہ الاعلام:۲/۲۷۳ پر رقمطراز ہیں کہ

"إن أصحاب القراء ات من أهل الحجاز والشام والعراق كل منهم عزا قراء ته التى اختارها إلى رجل من الصحابة قرأها على رسول الله لم يتثتن من جملة القرآن شيئا "

''حجاز، شام اور عراق کے علماء قراءات نے اپنی قراءات کی نسبت ان صحابہ کی طرف کی ہے جن صحابہ کی قراءات انہوں نے اختیار کی اور ہر چیز کو مسند بیان کیا ہے۔''

چنانچہ عاصم کوفی کی قراءات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف مستند ہے اور ابن کثیر مکی کی قراءۃ اور ابوعمرو بصری کی قراءۃ کی سند ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اور ابن عامر شامی کی قراءۃ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ وعلى هذا القياس

اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کی جلد نمبر ا ص ۵۹ پر نقل کرتے ہیں کہ

"وهولاء كلهم يقولون قرانا على رسو ل الله ﷺ وأسانيد هذه القراء ات متصلة ورجالها ثقات فالقراء ات سنة متبعة يأخذ الاخر عن الاول عن رسول الله ﷺ"

''تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پڑھا اور ان قراءات کی اسانید متصل ہیں اور رجال ثقات ہیں اور یہ سنت متواترہ ہے، متاخرین متقدمین سے حاصل کرتے ہیں۔''

انہوں نے قراءات نقل وسماع پر مبنی اصول کے مطابق حاصل کیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلایا کہ بغیر نقل وسماع صرف مصاحف پر اعتماد کرنا اور قرآن پڑھنا صحیح نہیں۔ چنانچہ جمیع قراءات اسلامی ممالک میں متداول رہیں، جیسا کہ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''دوسری صدی کی ابتداء میں لوگ بصرہ میں ابوعمرو اور یعقوب رحمہم اللہ کی، کوفہ میں حمزہ وعاصم رحمہم اللہ کی، شام میں ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی، اور مکہ میں ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کی اور مدینہ میں نافع رحمہ اللہ کی قراءات پڑھتے تھے لیکن تھی نقل وسماع پر مبنی کیونکہ بغیر نقل وسماع کے قراءات کی صحت ممکن نہیں۔''

چنانچہ تصحیفات المحدثین مجلد نمبر ا ص ۶ پر سلیمان بن موسی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ

" قا ل كان يقال لاتاخذوا القرآن من المصحفيين ولا العلم من الصحفيين "

''کہ قرآن ان سے نہ لو جنہوں نے مصاحف سے بغیر کسی استاد کے قرآن پڑھا ہو اور ایسے ہی ان لوگوں سے علم حاصل نہ کرو جو کتابوں سے بغیر استاد کے حاصل کرتے ہیں۔''

اور مذکورہ حوالہ ص ۷ پر سعید بن عبدالعزیز التنوخی رحمہ اللہ کا قول روایت کیا ہے کہ

''لاتحملوا العلم عن صحفي ولا تاخذوا القرآن من مصحفي"

''کہ علم کو میرے صحائف سے اور قرآن کو میرے مصحف سے مت حاصل کرو۔''

چنانچہ یہ قاعدہ مقرر ہوگیا کہ طالب علم مشائخ ضابطین متقنین سے بالمشافہ حاصل کرے جیسا کہ لبیب السعید رحمہ اللہ نے الجمع الصوتی الاوّل کے ص ۱۳۲ پر نقل کیا ہے:

''کیونکہ بغیر معلم کے علم کا صحیح حصول ممکن نہیں بلکہ کلام میں تصحیف ہوجاتی ہے۔''

چنانچہ علماء وتابعین وتبع تابعین کو یہ کہنا پڑا کہ لاتاخذوا القرآن من مصحفي ولا العلم من صحفي کہ قرآن کو صرف میرے مصحف سے اور علم کو میرے اوراق سے مت لو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

علماء کے اقوال میں سے ایک یہ بھی قول ملتا ہے کہ
"من أعظم البلبيه تشيخ الصحيفه أى يتعلم الناس من الصحف"[تذكرة السابع:ص٨٧]
''سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کتاب کو استاد بنالیا جائے۔''
اور اس کتاب میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول منقول ہے کہ
" من تفقه من بطون الكتب ضيع الاحكام "
''یعنی جس نے صرف کتابوں کے اوراق سے فقاہت حاصل کی اس نے احکام کو ضائع کیا۔''
حتی کہ علماء تو بغیر حفظ اور شیخ کے کتابت پر اکتفاء کرنے کو مذموم گردانتے تھے جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کتاب تقیید العلم کے ص ۵۸ پر لکھتا ہے کہ بئس المستودع العلم القراطيس
''کہ علم کے لیے سب سے بری حفاظت کی جگہ اوراق ہیں۔''
اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ جامع بيان العلم :۶۹/۱ پر لکھتے ہیں کہ یونس بن حبیب رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے سنا کہ!

استودع العلم قرطاسا وضيعه
وبئس مستودع العلم القراطيس

''جس نے علم کی امانت کو اوراق کے سپرد کر دیا اس نے علم کو ضائع کیا اور سب سے بڑی حفاظت کی جگہ اوراق ہیں، کیونکہ اوراق ضائع ہو سکتے ہیں، جل سکتے ہیں جبکہ سماع و تلقی پر مبنی علم تاحیات ساتھ رہتا ہے الا یہ کہ کوئی عارضہ پیش آجائے۔''
اور علامہ زرکشی رحمہ اللہ برهان فى علوم القرآن کی جلد نمبر ۲ ص ۱۵۳ پر یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ
"أفواه الرجال حوانيتها وأسناتها صنائعها فإذا فتح الرجل باب حانوته تبين العطار من البيطار والتمار من الزمار
''یعنی انسان کا منہ دوکان کی مانند ہے اور دانت ان دوکانوں کے ماہرین ہیں۔ جب آدمی دوکان کا دروازہ کھولتا ہے تو یہ عطار (عطر بیچنے والا) اور بیطار (نعل بندی کرنے والا) کے درمیان، تمار (کھجوریں بیچنے والا) اور زمار (بانسری بجانے والا) کے درمیان فرق کرتا ہے۔''
یعنی ادائیگی سے ہر چیز کا فرق واضح ہو جاتا ہے جبکہ عدم ادائیگی سے یہ چیز میسر نہیں آسکتی۔
اور لبیب السعید رحمہ اللہ نے الجمع الصوتی الاول ص ۱۳۸ پر اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام العسکری رحمہ اللہ کے حوالے سے خلف الاحمر رحمہ اللہ کا شعر نقل کیا ہے۔

لا يهم الحاء فى القراءة بالخاء
ولا يأخذ إسناده عن الصحيف

''حاء کی قراءت کرتے وقت خاء کے ساتھ ملتبس مت کی جائے اور نہ ہی اس کی سند کتب سے حاصل کی جائے۔''
یعنی حاء اور خاء کا فرق اگر سمجھ آسکتا ہے تو سماع و تلقی من المشائخ سے آسکتا ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ نے بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوب کہا ہے ولیس بینه وبین ترکه : الا ریاضة أمری بفکه

''کہ قاری اور غیر قاری میں فرق منہ کی مشق اور ریاضت کا ہے گویا اصل ادائیگی ہے قواعد نہیں۔''

چنانچہ علامہ العسکری رحمہ اللہ شرح مایقع فیه التصحیف والتحریف کے ص ۱۲، ۱۳ پر نقل کرتے ہیں کہ حمزہ زیات رحمہ اللہ مصحف سے قرآن یاد کرتے تھے تو ایک دن انہوں نے باپ کے سامنے پڑھا: ﴿الم ذلك الكتاب لا ریب فیه﴾ لا زیت فیه تو ان کے والد نے کہا دع المصحف وتلقین من أفواه المشائخ کہ مصحف کو چھوڑ دے یعنی صرف قرآنی مصحف پر اعتماد نہ کرو بلکہ علماء وقراء سے بالتلقی والمشافحه پڑھو۔

اور حماد بن الزبرقان رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بغیر قاری کے مصحف سے قرآن یاد کرتے تھے تو تصحیف کا شکار ہوئے چنانچہ ﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ﴾ کو ﴿فی غرة وشقاق﴾ پڑھتے اور ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ کو ﴿یعنیه﴾ پڑھتے۔

تذکرة الحفاظ جلد نمبر ۲ ص ۳ پر امام الذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبۃ رحمہ اللہ [م ۲۳۹ ھ] ﴿وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ کو ﴿فظل﴾ پڑھتے تھے بعد میں انہوں نے مشائخ سے صحیح کیا۔ اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے ہی ذکر کیا ہے کہ وہ ﴿مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ کو ﴿من الخوارج﴾ پڑھتے تھے اسی طرح ﴿بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ﴾ کی ﴿خبارین﴾ پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے سورة المدثر کو سورة المدبر لکھا ہوا تھا اور ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾ کو ﴿رجل اخيه﴾ پڑھتے۔ اسی طرح ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ﴾ باب کی جگہ ﴿بسنور له﴾ پڑھتے جو کہ بعد میں مشائخ سے سن کر صحیح کیا۔ اور ابن الجوزی رحمہ اللہ اخبار الحمقی والمغفلین میں محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان محمد بن جمیل الرازی قرأ ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ کی جگہ ﴿یجرحوك﴾ ''محمد بن جمیل الرازی رحمہ اللہ ﴿يُخْرِجُوْكَ﴾ کی جگہ ﴿یجرحوك﴾ پڑھا'' اور اسی طرح لکھتے ہیں کہ الدارقطنی رحمہ اللہ نے ابوبکر الباغندی رحمہ اللہ کو ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ کی جگہ ﴿هويا﴾ لکھوایا اور مزید لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ عدم سماع کی وجہ سے ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ﴾ کو چالیس سال تک ﴿میزاب السموات﴾ پڑھتے رہے، پھر شیوخ نے صحیح کیا اور اللہ سے توبہ کی۔

اسی طرح ایک شخص کا نام مشکدانہ تھا جو ۲۳۶ ھ کے قریب فوت ہوا وہ ﴿يَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ کو بشرا پڑھتا تھا تو اس کے معاصر نے مزاحاً اس کے بارے کہا کہ ذاك الذي يصحف على جبريل۔

اور ایک شخص ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾ کو صبحا پڑھتا تھا تو اس کا امتحان لیا گیا تو پتہ چلا کہ عدم سماع وتلقی کی وجہ سے یہ ﴿مِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾ کو یغرسون اور ﴿وَعَدَهَا اِيَّاهُ﴾ کو اباه اور ﴿اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ کو اصبت به من أن أشاء اور ﴿فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ﴾ کو فباذوا ولات حين مناص اور ﴿فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ کو اول العائدين اور ﴿كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ کو خبار اور ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا﴾ کو شيخا طويلا پڑھتا تھا جو کہ بعد میں اس نے مشائخ سے سن کر صحیح کیا۔

اسی طرح کسائی رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ مجھے ری میں پڑھانے کے لئے بلایا گیا تو ایک قاری بچے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو﴿ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ ﴾کی جگہ اتل پڑھا رہا تھا،اسی طرح ایک اعرابی نے امام کو پڑھتے سنا جس نے کسی شیخ پرنہیں پڑھا تھا﴿وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا﴾تو وہ کہنے لگا سبحان اللہ یہ اسلام سے قبل قبیح تھا تو بعد میں کیسے ہے تو اس کو کہا گیا کہ یہ لحن ہے اصل میں ﴿تُنْکِحُوْا﴾ ہے تو وہ کہنے لگا کہ قبحه الله لا تجعلوه بعدها اماما فإنه يحل ماحرم الله۔

ان تمام روایات کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم میں اصل تلقی وسماع وادائیگی ہے نہ کہ کتابت۔یہ تو عام قرآن پڑھنے کے بارے میں روایات تھیں تو قراءات کا تو اس سے بھی مسئلہ پیچیدہ ہے تو اس کے لئے تو بالاولی سماع اور تلقی لازمی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا اور آج تک چلا آتا ہے۔اگر تلقی وسماع نہ ہوتا تو یہی کچھ ہوتا آتا اور بغیر قصد کے بھی غلطیاں ہوتیں۔چنانچہ شائد اسی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ الشیخ محمد علی بن خلف الحسینی الشهير بالحداد رحمہ اللہ نے القول السديد في بيان حكم التجويد کے ص ۵ پر یوں کہا ہے کہ

”من يأخذ العلم عن شيخ مشافهة يكن عن الزيغ والتصحيف في حرم ومن يكن آخذ للعلم من مصحف فعلمه عند أهل العلم كالعدم“

”جو علم کو مشائخ سے بالمشافہ حاصل کرتا ہے،تلقی کو اعتماد بناتا ہے وہ گمراہی اور تحریف سے محفوظ رہتا ہے اور جو شخص محض مصحف اور کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے اہل علم کے نزدیک اس کا علم لاشیء اور بے حقیقت ہے۔“

چنانچہ اس تصحیف کے ڈر سے علماء نے کتابیں لکھیں جیسا کہ عبدالرحمٰن البسطامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں أول من تكلم في التصحيف للامام علی اسی طرح پھر أبو احمد الحسن بن عبد الله بن سعيد العسكری [م۳۸۲ھ] نے کتاب لکھی وما إلى غير ذلك من الكتاب۔

اس تمام بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ قراءات منزل من اللہ ہیں اور مبنی علی التلقی والسماع والرواية ہیں اور اصل مصدر ان کا تلقی اور ادائیگی ہے اگرچہ اس کی تدوین کی شکل بھی ہوئی جس پر دوسرے مرحلہ میں گفتگو کرتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ

یہ مرحلہ تدوین کا مرحلہ ہے کہ قراءات کی تدوین بھی ہوئی۔علوم اسلامیہ کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قرآن مجید اور اس کی اشاعت وترویج کے لئے امت مسلمہ نے سب سے پہلے جس علم کو مدون کیا وہ علم تجوید وقراءات ہے، کیونکہ نظم قرآنی کی حفاظت ان دونوں کے بغیر ناممکن تھی۔جب قرآن مجید کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو سکھلانے کے ساتھ کاتبین وحی کو بلا کر لکھا بھی دیتے تھے جیسا کہ محمد محمد ابی شہبہ رحمہ اللہ نے المدخل لدراسة القرآن الكريم کے ص ۳۴ پر اس بات کی صراحت کی ہے اور اس روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھا بھی جاتا تھا جس کے ضمن میں قراءات بھی تھیں جس کو ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے المصاحف مجلد نمبر ۵ ص ۱۸۰،۱۸۱ پر نقل کیا ہے کہ

”عن نافع عن ابن عمر نهى رسو ل الله ﷺ أن يسافر بالمصاحف إلى أرض العدو مخافة أن ينالوا وفي رواية مخافة أن يتناول منه شيء وفي رواية مخافة أن ينالوا العدو“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

’’ آپ ﷺ نے مصحف کے ساتھ دشمن کے خطہ میں سفر کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ وہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کریں۔‘‘

مصاحف کا کسی نہ کسی شکل میں وجود تھا تو آپ کی نہی کا تحقق ہوسکتا ہے ،خواہ وہ باریک پتھروں پر تھا، اونٹ کی بڑی ہڈیوں پر تھا یا کسی بھی شکل میں تھا۔جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ کاتبین وحی جن میں ابوبکرصدیق ،عمر فاروق ، عثمان ،علی ،ابان بن سعید، خالد بن الولید ،معاویہ بن ابی سفیان ،زید بن ثابت ،ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو جو چیز میسر آتی اس پر لکھ لیتے تھے،مثلاً کھجور کے پتے اور چمڑے کے ٹکڑے وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی صریح روایت ہے کہ

”كان رسو ل اللهﷺ إذا أنزلت عليه سورة دعا بعض من يكتب فقال ضعوا هذه السورة فى الموضع الذى يذكر فيه كذا وكذا “

’’جب کوئی سورت نازل ہوتی تو کاتبین میں سے کسی کو بلا کر حکم دیتے کہ اس کو فلاں جگہ پر لکھو۔‘‘

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں كنا عند رسو ل اللهﷺ نؤلف القرآن من الرقاع ”کہ ہم قرآن کو چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے۔‘‘

اور صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۰۰۴ ہے

«لاتكتبوا عنى غيرالقرآن ومن كتب غير القرآن فليمحه»

’’یعنی قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو جس نے لکھا ہے وہ مٹا دے۔‘‘(تاکہ قرآن اور سنت ملتبس نہ ہو جائے،اگر چہ التباس کے رفع ہونے کے بعد اجازت دے دی تھی)

الغرض قرآن کریم آپ ﷺ کے زمانے میں مکمل لکھا جاچکا تھا اوراس کی کتابت سبعہ احرف کے ساتھ تھی جیسا کہ ابوشہبہ رحمہ اللہ نے المدخل کے ص ۲۶۸ پر نقل کیا ہے۔

دورِنبوی ﷺ کے بعد پھر صدیقی دور میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی لمبی روایت ہے جس میں یہ حروف ہیں وإنى أراى أن تاب جمع القرآن

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیجیے تو پھر ان کے حکم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کام کو مکمل کیا۔

اور تاریخ بغداد جلد نمبر ۱۱ص ۱۲۴ پر عبد خیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

’’سمعت عليا بقول أعظم الناس أجرا فى المصاحف أبوبكر ورحمة الله على أبى بكر هوأوّل من جمع اللوحتين“

’’سب سے زیادہ اجر تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے،ان پر اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا۔‘‘

اس اثر کو ابوعبید رحمہ اللہ نے فضائل القرآن کے ص ۲۱۳ ،۲۱۷ پر اور ابوداؤد رحمہ اللہ نے کتاب المصاحف ص ۱۱ پر علامہ دانی رحمہ اللہ نے المقنع ص ۱۳ پر اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فضائل القرآن ص ۱۶ پر صحیح کہا ہے اور فتح الباری مجلد نمبر ۹ ص ۱۲ پر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

دورِنبوی کی طرح دورِ صدیقی میں بھی قرآن کی کتابت سبعہ حروف کو شامل تھی جیسا کہ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ سے الاعلام جلد نمبر ۶ ص ۶۹ پر اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے الاعلام جلد نمبر ۸ ص ۲۴۰ اور ابوالعباس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

المهدوی رحمہ اللہ سے غاية النهايه مجلد نمبر ۱ ص ۹۲ پر اور مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے الاعلام جلد نمبر ۷ ص ۲۸۶ پر اور امام شاطبی رحمہ اللہ سے الاعلام جلد نمبر ۵ ص ۱۸۰ پر اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے وذلك أن المصاحف التی کتبت فی زمن أبی بکر کانت محتویة علی جمیع الاحرف السبعة

اس کو محمد بن عمر بن سالم بازمول نے القراء ات وأثرها فی التفسیر والاحکام کے ص ٦٦ پر بھی ذکر کیا ہے۔ دورِصدیقی کے بعد دورِعثمان غنی میں پھر قرآن کو مرتب شکل میں جمع کیا گیا جو کہ سابقہ نہج کے مطابق سبعہ اَحرف کو مشتمل تھا۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع فتاوی مجلد نمبر ۱۳ ص ۳۹۵،۳۹۷ پر اور منجد المقرئیین کے ص ۲۱،۲۲ پر اور النشر مجلد نمبر ۱ ص ۷ پر علامہ جزری رحمہ اللہ اور فقہاء وقراء واہل الکلام سے قاضی ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ [م ۴۰۳ ھ] نے اس کو ثابت کیا ہے۔

نوٹ: اگرچہ مصاحف کے بارے لمبی اور تحقیقی تفصیل ہے جو کہ عنقریب ہدیہ ناظرین کی جائے گی یہاں صرف اجمالی طور پر چند نکات ذکر کیے جاتے ہیں۔

مصاحف میں قراءات کی کتابت کے بعد ہم اب حسب ضرورت تسلسل الازمنہ تدوین پر بحث کرتے ہیں۔

متعین آئمہ کے حوالے سے لکھی گئی بعض کتب قراءات کا تعارف

یہ بات قارئین کو جان لینی چاہیے کہ قرون اولی میں تدوین کی چونکہ ابتداء تھی اس لئے کسی بھی علم میں کتابیں بڑے محدود عدد میں لکھیں گئیں، اگرچہ قراءات کے بارے میں آج تک اتنی کتابیں لکھیں گئیں کہ جن کے بارے لایعد ولایحصی کہنا خلاف حقیقت نہیں ہوگا، لیکن ہم اس مختصر مضمون میں علی سبیل المثال صرف ان کتب کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جو معین امام کی قراءۃ پر لکھیں گئیں:

من المصنفات فی قراء ۃ الامام نافع

① التقریب والحواشی لقراء ۃ قالون وورش...... أبو الاضع عیسی بن محمد بن فتوح الهاشمی البلنسی [۴۰۳]

② القصیدة الحصریة فی قراء ۃ نافع ......أبوعلی الحسن علی بن عبد الغنی الهری [۴٦۸]

③ بلوغ الامانی فی قراء ۃ ورش من طریق الاصبهانی......شهاب الدین أحمد بن بدر الدین أحمد العتیبی ، [۹۷۹]

④ المقراء النافع الحادی لقرأۃ نافع ......جمال الدین ناصر بن عبدالحفیظ بن عبدالله الیمنی [۱۰۸۱]

⑤ مختصر قراء ۃ قالون عن نافع ......أبومحمد عبد الله بن أحمد بن اسعد

⑥ مقرأ نافع بن عبد الرحمن المدنی......أبوعبد الله محمد بن أحمد بن یوسف بن موسی

⑦ رسالة ورش......علامه المتولی [۱۳۱۳]

⑧ النجوم الطوالع علی الدر اللوامع فی اصل مقرا الامام نافع ......إبراهیم المارغنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

[۱۳۴۹]

⑨ نظم ماخالت فیه قالون ورشا ......لعلی بن محمد الضباع [۱۳۷۶]

⑩ شرح رسالة قالون ......لعلی بن محمد الضباع [۱۳۷۶]

⑪ الطریق المامون إلی أصول روایة قالون......عبدالفتاح المرصفی

⑫ الاکتفاء فی قراء ة نافع وابن عمرو......حافظ عمریوسف بن عبد الله القرطبی [م۴۶۳]

⑬ قصیده حصریه فی قراء ة نافع ...... ابو الحسن علی بن عبد الغنی حصری [م۴۸۸]

⑭ بلوغ لامانی فی قراء ة ورش ازشهاب الدین احمد بن بدر الدین الطیبی [م۹۸۹]

⑮ الاختلاف بین القراء ة نافع ویعقوب از شریح بن محمد شریح الرعینی [م۱۱۴۴]

⑯ رساله ورش القاری فیما خلف فیه حفصان القاری ......شیخ محمد آمین آفندی

⑰ ایجاز البیان عن أصول قراء ة ورش عن نافع ......عثمان بن سعید ابن عثمان اندلسی [م۴۴۴]

⑱ شرح النظم الجامع القراء ة الامام نافع ......الشیخ عبد الفتاح القاضی [م۱۴۰۳]

⑲ الفتح المبین فی قراء ة ورش وضیء الجبین ......محمد احمد الغزال الدنپوری الشافعی [۱۳۰۳]

⑳ الدر اللوامع فی اصل فقراء الامام نافع ......علی بن محمد الحسین ابن بری[م۷۳۰]

㉑ المفرد النافع الحاوی لقراء ة نافع جمال الدین ناصر بن عبد الحفیظ الیمی [م۱۸۰۱]

㉒ خلاف قالون والدوری شمس الدین عثمان بن عمر الناشری[م۸۴۸]

㉓ شرح الدرر اللوامع فی قراء ة نافع ابو عبد الله محمد بن عبد الملك بن علی المثوری [م۸۳۴]

㉔ التلخیص لأصول قراء ة نافع عبد الرحمن ابو عمرو وعثمان بن سعید الدانی[م۴۴۴]

㉕ التنبیه علی أصول قراء ة نافع أبو محمد مکی بن أبی طالب [م۴۳۷]

㉖ التهذیب لاختلاف نافع فی روایة ورش وأبی عمرو بن العلاء فی روایة الیزیدی واختلاف ورش وقالون عن نافع ...... أبو الخطیب بن عیون [م۳۸۹]

㉗ القراء ة نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم اللیثی [م۱۶۹]

㉘ فصول فی قراء ة نافع بن عبدالرحمن...... احمد بن محمد الهادی

㉙ القصر النافع فی قراء ة نافع ...... محمد بن محمد بن ابراهیم الجزار

㉚ قصیدة أبی الحسن بن علی فی قراء ة نافع ......أبو الحسن بن عبد الغنی القهری الحصری

من المصنفات فی قراء ة الامام ابن کثیر

① الاثیر فی قراء ة ابن کثیر......ابوحیان محمدبن یوسف الاندلسی [۷۴۵]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

② النفح المسکی فی قراء ۃ ابن کثیر المکی ......ابن عزوز محمد المکی التونسی
③ البد رالمنیر فی قراء ۃ ابن کثیر......علی بن محمد الضباع [۱۳۷۶]
④ الدر النثیر فی قراء ۃ ابن کثیر ......جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی [م۹۱۱]
⑥ تسھیل العسیر فی قراء ۃ الامام ابن کثیر ...... احمد بن محمد بن عثمان النبوزی
⑦ قاعدہ ابن کثیر

من المصنفات فی قراء ۃ الامام أبی عمرو

① قراء ۃ أبی عمرو...... ابوزید سعید بن اوس الخزرجی [۲۱۵]
② افراد قراء ۃ الامام ابی عمرو بن العلاء ......أبومعشر عبد الکریم بن عبد الصمد الطبری [۴۷۸]
③ قراء ۃ أبی عمرو ......شھاب الدین احمد بن وھبان [۵۸۵]
④ رسالۃ فی حرف ابی عمرو بن العلاء ......سعد الدین اسعد بن البصیر بعد [۵۶]
⑤ افراد قراء ۃ ابی عمروبن العلاء ...... محمد بن ابی القاسم البجائی المغربی المالکی [۸۶۵]
⑥ مختصر فی مذھب ابی عمروبن العلاء البصری ...... محمدبن سلیمان المقری
⑦ القطر المصری فی قراء ۃ ابی عمرو بن العلاء البصری ...... سراج الدین ابوحفص محمدبن قاسم بن شمس الدین محمد الانصاری [م۹۰۰]
⑧ علم النصرۃ فی تحقیق قراء ۃ امام البصرۃ ...... عبدالرحمن بن محمد الشھیر بلقاضی
⑨ قراء ۃ أبی عمرو حفص بن عمیر الدوری ...... عبد اللہ بن محمد المدنی المصری المعروف بالتکراوی
⑩ قراء ۃ أبی عمر و بن العلاء ازیحییٰ بن مبارک یزیدی [م۲۰۲]
⑪ تنویر الصدر بقراء ۃ الامام أبی عمرو ...... محمد محفوظ بن عبد اللہ القرسی [۱۳۲۴] میں زندہ تھے۔
⑫ الکوکب الدری فی قراء ۃ أبی عمرو البصری شیخ القراء محمد بن أحمد بن عبد اللہ المتولی [م۱۳۱۳]
⑬ منظومۃ فی الزاید علی مذھب ابی عمرو عبد العزیز بن احمد بن سعید الدیرینی [م۶۹۴]
⑭ وصول الخمر إلی اصول قراء ۃ أبی عمرو شیخ علاء الدین أبو الحسن علی بن شیخ شرف الدین قاسم البطارعی الشافعی [م۵۷۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

⑮ علم النصرة فی تحقیق قراء ۃ امام البصرة عبدالرحمن بن محمد القاضی
⑯ قراء ۃ أبی عمرو بن العلاء۔ جامعه الملك السعود میں نسخه مخطوطه ہے۔

من المصنفات فی قراء ۃ ابن عامر

① روایة ابن عامر فی القراء ات ...... أحمد بن جعفر بن احمد الغافقی المشهور بابن الابرازی [۵۶۹]
② أحکام الهمزه لهشام وحمزه از علامه جعبری أبو إسحاق إبراهیم بن عمر [م۷۳۲]
③ حواش علی توطیع المقام فی الوقف علی الهمزه لهشام وحمزة ......رضوان بن محمد بن سلیمان المخلاتی [م۱۳۱۱]
④ رسالة البنا کنی فی الکلام علی وقف وهشام ......محمد بن اسماعیل بن تاج الدین باللبیب

من المصنفات فی قراء ۃ عاصم

① قراء ۃ حفص ...... محمد بن ابی هاشم البزار البغدادی
② رسالة فی روایة حفص عن عاصم ......فائد بن مبارك الابیاری المصری
③ الثغر الباسم فی قراء ۃ عاصم ...... أبومصلح علی بن عطیه العمرینی الشافعی الازهری
④ در الناظم فی مفردات عاصم ......عمر بن محمد بن محمد
⑤ البیان العرفی لقراء ۃ حفص عن عاصم الکوفی ...... أحمد بن أحمد النشوی
⑥ الریاض البواسم فی روایة حفص عن عاصم ......ابن عزوز محمد مکی التونسی
⑦ الثغر الباسم فی قراء ۃ الامام عاصم من روایتی شعبه وحفص من طریق الشاطبیة ابو صالح علی عطیه الفجر ینی مخطوطه [۱۸۸] میں زندہ تھے۔
⑧ فیض الودود بقراء ته حفص عن عاصم بن أبی النجود [م۱۴۲۶]
⑨ القول القاصم فی قراء ۃ حفص عن عاصم الشیخ عبد الغنی النابلسی بن إسمعیل بن عبد الغنی النابلسی [م۱۱۴۳]
⑩ رساله فی ماخذة قراء ۃ حفص من طریق الشاطبیه أبو المواهب محمد بن عبد الباقی بن عبد القادر الحنبلی [م۱۰۲۶]
⑪ القول النص فی روایة حفص محمد بن حمدان الموصلی یہ گیارہویں صدی ہجری میں زندہ تھے۔
⑫ مقدمه فی قراء ۃ حفص فائد بن مبارك [م۱۰۸۶]
⑬ الدر المکنون فی روایة الدوری وحفص وقالون شمس الدین عثمان بن عمر بن الناشری [۸۴۸]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑭ ذکر الخلاف بین صاحبی عاصم أبوبکر عبد اللہ بن منصور بن عمران الباقلانی [م۵۹۳]
⑮ مفرد عاصم بن لھدلہ بن أبی النجود أبوعمر حفص بن سلیمان الاسعدی الکوفی [م۱۸۰]
⑯ البیان الوافی بقراءۃ حفص عن عاصم الکوفی أحمد بن احمد بن عمر النشوی مخطوطہ مکتبہ ازہر میں ہے۔
⑰ درۃ الناظم فی مفرد عاصم (منظومۃ) عمر بن محمد بن محمد
⑱ رسالۃ قراءات الامام عاصم

من المصنفات فی قراءۃ حمزۃ

① قراءۃ حمزہ الکبیر......ابوطاهر عبد الواحد بن عمر بن محمد ابن أبی هاشم البزار البغدادی [م۳۴۹]
② قراءۃ حمزہ ......أبو عیسی بکار بن احمد بن بکار البغدادی[م۳۵۲]
رسالۃ حمزہ ......علامہ متولی
③ الطریقہ البهیۃ فی تحریر ما زادہ حمزہ من الشاطبیہ علی الشاطبیۃ......أحمد بن عبد الحمید شعبان
④ کتاب مذاهب حمزہ فی الهمز فی الوقف ......أبوبکر أحمد بن حسین ابن مهران [م۳۸۱]
⑥ تحفۃ الانام فی الوقف علی الهمز لحمزۃ وهشام ......نورالدین ابو البقا علی بن عثمان بغدادی [م۸۰۱]
⑦ حل الرمز فی وقف حمزۃ وهشام علی الهمز ......برهان الدین إبراهیم بن موسی بن شافعی [م۸۵۳]
⑧ کنز فی وقف حمزہ وهشام علی الهمز ...... شهاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی شافعی[م۹۲۳]
⑨ اتحاف الأعزۃ بتعمیم قراءۃ حمزہ [۱۳۷۰] کے بعد فوت ہوئے۔
⑩ فتح المجید فی قراءۃ حمزۃ من الفصیر محمدبن احمد بن عبد اللہ المتولی[م۱۳۱۳]
⑪ الخلاف بین قراءۃحمزہ وأبی عمرو علی بن عساکر بن المرجب [م۵۷۲]
⑫ رسالۃ مشتملۃ علی سائل لحمزۃ وهشام وورش عثمان بن سعید بن عبد اللہ مصری [م۱۹۷]
⑬ مسائل فی مذهب حمزۃ وهشام۔ جامعہ الملك السعود میں نسخہ مخطوطہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من المصنفات فی قر اء ة الامام کسائی

① قر ا ء ةالکسائی ......أبوالحسن علی بن حمزہ الکسائی [۱۸۹]

② قر اء ة الکسائی ...... أبوطاهر عبد الواحد بن عمر بن محمد بن أبی هاشم البزار البغدادی [۳۴۹]

③ تقریب النائی فی قراء ة الکسائی ......أبوحیان الاندلسی [۷۴۵]

④ قراء ة الکسائی أبو عیسی بکار بن أحمد بن بکار البغدادی[م۳۵۲]

من المصنفات فی قراء ة یعقوب

① مفردہ یعقوب ......علامہ دانی [۴۴۴]

② مفردہ یعقوب ......عبدالرحمن بن عتیق بن خلان بن الضحام [۵۱۲]

③ مفردہ یعقوب ......أبومحمد عبدالباری بن عبد الرحمن الصعیدی [۶۵۰]

④ غایة المطلوب فی قراء ة یعقوب ......ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی [۷۴۵]

⑤ منظومة فی قراء ة یعقوب ......محمد بن محمد بن عرفہ الورغمی التونسی [۸۲۳]

⑥ لمطلوب فی بیان الکلمات المختلف فیها عن ابی یعقوب...... علی بن محمد الضباع [۱۳۷۶]

⑦ مفردہ لیعقوب ......عثمان بن سعید ابن عثمان اندلسی [م۴۴۴]

⑧ مفردہ یعقوب ......أبو القاسم عبد الرحمن بن ابی بکر[م۵۱۲]

⑨ مفردہ یعقوب ...... أبو العلاء حسن بن احمد همدانی [م۵۶۹]

⑩ مفردہ یعقوب ......أبو محمد عبد الباری بن عبد الرحمن اسکندری[م۶۵۰]

⑪ قراء ة یعقوب ...... محمد بن محمد بن عرفہ مالکی[م۸۳۳]

⑫ قراء ة یعقوب بن إسحاق الحضرمی ...... أبو محمد بن شیب بن عیسی بن علی الأشجعی ۱۰۲۱ کے بعدفوت ہوئے۔

⑬ غایة المطلوب فی قراء ة خلف وأبی جعفر ویعقوب عبد الرحمن ابن عباس الدمشقی [م۶۵۳]

⑮ الجمع والتوجیه کما انفرد به الامام یعقوب محمد بن شریح بن محمد الرعیسی [م۵۳۹]

ولی غیر ذلك من الکتب المحررہ والموسوعة لکل من الامام القراء۔

وفیه کفایة لمن له درایة۔ولله الحمد والمنة

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر نبیل بن محمد ابراہیم ☆
مترجم: محمد عمران اسلم ☆☆

اَحکام فقہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اَثرات

جس طرح اس میں کسی بھی شخص کی دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ قراءاتِ قرآنیہ (متواترہ ہوں یا شاذہ) شرعی اَحکام ومسائل پر اَثرات مرتب کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح اَحکام فقہ میں بھی قراءات کی اثر پذیری سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قراءاتِ قرآنیہ کو فقہاء کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کس طرح سے یہ فقہی اَحکام پر اثر انداز ہوتی ہیں اس بحث کو ہم دو عناوین میں پیش کرتے ہیں:

① قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف
② اَحکام فقہیہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اَثرات کی مثالیں

قراءاتِ قرآنیہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف

اَئمہ فقہاء قراءاتِ قرآنیہ کے علماء ہونے کی وجہ سے بھرپور اہتمام کے ساتھ ان کو نقل کرتے ہیں اور انہی کی روشنی میں اَحکام شرعیہ مستنبط فرماتے ہیں۔ اب ہم قراءاتِ متواترہ اور شاذہ کے بارے میں فقہاء کا مؤقف پیش کرتے ہیں:

قراءاتِ متواترہ کے بارے میں فقہاء کی آراء

علم فقہ اور علم قراءات کی مدد سے احکام شرعیہ کی تبیین ووضاحت کرنے والوں میں سے ایک نام جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے جن کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لو أشاء أن أقول إن القرآن نزل بلغة الحسن البصري لقلت لفصاحته“

[أحسن الأثر لمحمود الحصري: ص۹۹]

’’حسن بصری رحمہ اللہ کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے اگر میں یہ بھی کہنا چاہوں کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا، تو میں کہہ سکتا ہوں۔‘‘

قراءاتِ قرآنیہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ آئمہ فقہاء مقام ومرتبے کے اعلیٰ معیار پر ہونے کے باوجود علماء قراء ات کی تعظیم کرتے اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام حمزہ رحمہ اللہ (جو کہ قراءسبعہ میں سے ہیں) کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’دو چیزوں کا علم آپ میں بدرجہ اَتم موجود ہے ایک قرآن اور دوسرا علم وراثت۔‘‘ [أحسن الأثر للحصری: ص۵۳]

◉ مالک بن انس رحمہ اللہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

☆ مؤلف کتاب علم القراء ات نشأته، أطواره، أثره في العلوم الشرعية
☆☆ فاضل كلِّية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”کان أبو جعفر رجلا صالحا یقرئ الناس فی المدینة“ [غایة النهایة لابن جزری:۳۴۲/۲]

’’ابوجعفر رحمہ اللہ صالح آدمی تھے اور مدینہ میں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔‘‘

◉ اسی طرح امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت کے بارے میں آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قراء ة أهل المدینة سنة“ [أحسن الاثر:ص۱۲] ’’اہل مدینہ کی قراءت سنت ہے۔‘‘

آپ رحمہ اللہ سے مزید دریافت کیا گیا کہ کیا اس سے مراد امام نافع رحمہ اللہ کی قراءۃ ہے تو آپ نے اِثبات میں جواب دیا اور جب امام موصوف سے نماز کے شروع میں بسملہ جہر سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”سلو نافعا فکل علم یسأل عنه أهله، ونافع إمام الناس فی القراء ة“ [لطائف الارشادات:۹۴/۱]

’’یہ سوال امام نافع رحمہ اللہ سے کرو، کیونکہ ہر علم سے متعلق اس کے اہل سے سوال کرنا چاہیے اور نافع قراءۃ میں لوگوں کے امام ہیں۔‘‘

◉ امام شافعی رحمہ اللہ امام نافع کی قراءت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”قراء ة نافع سنة“ [لطائف الارشادات:۹۴/۱] ’’امام نافع کی قراءت سنت ہے۔‘‘

◉ جب امام احمد رحمہ اللہ سے آپ کی پسندیدہ قراءت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اہل مدینہ یعنی امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

سابقہ بحث کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ فقہاء کرام متعدد قراءات کا خصوصی التزام کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قراءت متواترہ اور غیر متواترہ، قراءتِ مقبولہ اور غیر مقبولہ کے مابین خوب تمیز روا رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فقہاء کرام دو مختلف المعنی متواتر قراءات پر عمل کو واجب قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ان دونوں میں سے ایک کو دوسری پر اولویت حاصل نہیں ہے۔ احکام القرآن میں ہے:

”والقراء تان کالآیتین یجب العمل بهما“ [أحکام القرآن لابن العربی:۱۴۹/۱]

’’دو قراءات دو آیات کی طرح ہیں ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔‘‘

◉ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قراءاتِ قرآنیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

’’قراءات کی معرفت اور ان کو حفظ کرنا ایسی سنت ہے جس کی اتباع کی گئی ہے اور بعد میں آنے والوں نے اسے پہلوؤں سے اَخذ کیا ہے۔‘‘ [مجموع الفتاوی:۴۰۴/۱۳]

علاوہ ازیں شیخ موصوف رحمہ اللہ قراءِ عشرہ سے متعلق علماء کرام کا مؤقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’علماء کرام میں سے کسی ایک نے بھی قراءتِ عشرہ کا انکار نہیں کیا، لیکن سوائے اس کے جو علم قراءت سے ناواقف ہے یا جس تک قراءاتِ قرآنیہ پہنچ نہیں سکیں۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ

’’اگر کوئی شخص مغربی بلادِ اسلامیہ میں سکونت پذیر ہے اور اس تک بعض قراءات نہیں پہنچیں تو وہ ایسی قراءات پڑھنے سے گریز کرے جن سے وہ نابلد ہے۔‘‘ [مجموع فتاوی:۳۹۴،۳۹۳/۱۳]

قراءاتِ شاذہ سے متعلق فقہاء کی آراء

قراءاتِ شاذہ کو بطورِ دلیل اختیار کرنے میں فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

1. قراءاتِ شاذہ حجت ہیں اوران پرعمل کرنا جائز ہے۔
2. قراءاتِ شاذہ حجت نہیں ہیں اوران پرعمل کرنا بھی جائزنہیں۔

پہلے مذہب کے قائلین:

- احناف[فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت للأنصاری:۱۶/۲]
- حنابلہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ [روضة الناظر:۸۱/۱]
- امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی مذہب بیان کیا گیا ہے۔[شرح الکوکب المنیر للفتوحی:۱۴۰/۲۰]
- جمہور شافعیہ جن میں ابوحامد، ماوردی، ابن یونس، رافعی، ابن سبکی اور اسنوی رحمہم اللہ شامل ہیں، اور متاخرین شافعیہ نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے۔
- کمال بن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”القراء ة الشاذة حجة ظنية خلافا للشافعی“ [کتاب التحریر مع شرحیه:۹/۳]

’’امام شافعی رحمہ اللہ کے (مذہب کے) برخلاف قراءۃِ شاذۃ ظنی حجت ہیں۔‘‘

- امام ابن قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”والصحیح أنه حجة، لأنه یخبر۔ أی الصحابی الذی روی القراء ة الشاذة ۔ أنه سمع من النبی فإن لم یکن قرآن فهو خبر“ [روضة الناظر:۱۸۱/۱]

’’صحیح یہ ہے کہ قراءاتِ شاذۃ حجت ہیں، کیونکہ یہ خبر ہیں۔یعنی وہ صحابی جو قراءاتِ شاذۃ بیان کررہا ہے اس نے ضرور وہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔اگر وہ قرآن نہیں تو کم از کم خبر تو ضرور ہوگی۔‘‘

- ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” أما إجراؤہ مجری الأخبار الآحاد فی الاحتجاج فهو صحیح“ [جمع الجوامع:۲۳۱]

’’قراءتِ شاذہ کو دلیل میں خبر واحد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔‘‘

- ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”والقراء ة الشاذة یحتج بها فی الأحکام کخبر الواحد علی المعتمد“

[تحفة المحتاج بشرح المنهاج:۲۸۹/۸]

’’احکام میں قراءۃ شاذۃ کو بطورِ دلیل اختیار کیا جائے گا جیسا کہ خبر واحد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔‘‘

دوسرے مذہب کے قائلین:

- امام مالک رحمہ اللہ[مختصر ابن الحاجب مع شرحیة العضن:۲۱/۲]
- ایک قول کے مطابق امام شافعی اور آپ کے بعض اصحاب کا یہی مؤقف ہے۔[الأم للشافعی:۶۲/۷]
- امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی مؤقف روایت کیا گیا ہے۔[اُصول مذہب امام احمد:ص۱۸۶]
- امام ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[الأحکام فی أصول الاحکام:۱۷۰/۴،۱۷۱]

راجح مؤقف

ان دونوں مذاہب کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قراءاتِ شاذۃ کو اس وقت بطورِ دلیل اختیار کیا جائے گا جب وہ کسی حکم کی ترجیح کے طور پر استعمال ہو اور اس وقت اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا جب وہ کسی حکم کی ابتدائی دلیل کے طور پر وارد ہو۔

اَحکام فقھیہ میں قراءاتِ قرآنیہ کے اثرات کی مثالیں

① اَحکام فقہیہ میں قراءات متواترہ کے اثرانداز ہونے کی اَمثلہ

② اَحکام فقہیہ میں قراءات شاذۃ کے اثرانداز ہونے کی امثلہ

اَحکام فقھیہ میں قراءاتِ متواترہ کے اثرانداز ہونے کی امثلہ

* فرمانِ الٰہی ہے:

﴿...وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ [البقرۃ:۲۲۲]

① آیت میں موجود کلمہ 'یطھرن' کو 'ط' کی تخفیف اور سکون، اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ 'یَطْھُرْنَ' پڑھا گیا ہے۔ یہ قراءت جمہور کی ہے۔

② طا اور ھاء کی تشدید اور ان کے فتحہ کے ساتھ 'یَطَّھَّرْنَ'۔ یہ قراءۃ امام حمزہ، کسائی اور خلف البزار کی ہے۔

[النشر فی القراءات العشر:۲/۲۲۷]

اس آیت کریمہ میں دو مختلف قراءتوں کی بناء پر دو مختلف حکم اَخذ کیے گئے ہیں:

❶ جنہوں نے 'طا' اور 'ھا' کی تشدید اور ان کے فتحہ کے ساتھ 'یَطْھُرْنَ' پڑھا ہے۔ انہوں نے اس کا معنی حیض کے خون کے زائل ہونے کا لیا ہے۔ یعنی انقطاع دم کے ساتھ ہی عورت پاک ہوجائے گی اور غسل سے قبل اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا۔

❷ جنہوں نے تشدید کے ساتھ 'یَطَّھَّرن' پڑھا ہے۔ انہوں نے اس قراءۃ سے یہ معنی اخذ کیا ہے کہ عورت اس وقت تک پاک نہ ہوگی جب تک کہ غسل نہ کرلے اور غسل سے قبل اس سے جماع درست نہ ہوگا۔

[تفسیر الکبیر للرازی:۶/۷۲]

قراء کرام کا یہاں تشدید والی قراءۃ پر اجماع واقع ہوا ہے۔ پس آیت معنوی طور پر اس طرح ہوگی:

﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ﴾

[جامع البیان للطبری:۲/۳۸۷]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے انقطاع دم کے ساتھ ہی عورت کو خاوند کے لیے حلال قرار دیتے ہیں، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کی اجازت دو چیزوں کے ساتھ مقید ہے:

① خون کا انقطاع اس وقت ہو جب مدت حیض گزر چکی ہو (امام موصوف رحمہ اللہ کے ہاں زیادہ سے زیادہ مدت حیض دس دن ہے)

② خون کا انقطاع دس روز سے قبل ہو تو ایسی صورت میں غسل سے قبل بیوی کے ساتھ مخصوص افعال سرانجام دینا جائز نہ ہوگا۔ یا پھر عورت کو حیض کا خون نظر نہ آئے اور ایک نماز کا وقت گزر جائے۔

[أحکام القرآن للجصاص:۱/۳۳۶]

جبکہ جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے تشدید والی قراءت سے استدلال کرتے ہوئے انقطاع دم کے بعد غسل سے قبل بیوی کے ساتھ جماع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

جمہور کے مؤقف کی دو وجوہ سے تائید ہوتی ہے:

پہلی وجہ: انقطاع دم، یہ ان کی تشدید والی قراءۃ 'یَطَّھَرنَ' کی تفسیر ہے۔

دوسری وجہ: پانی سے غسل کرنا، انہوں نے یہ تفسیر 'فَإذا تَطَّھرن' سے لی ہے، کیونکہ اس کو دوبارہ اس لیے لائے ہیں تاکہ طہارت کا حقیقی مقصد حاصل ہو جائے اور وہ تب ہی ہوگا جب غسل کر لیا جائے۔

ہم اس ضمن میں ایک مثال پیش کرتے ہیں جس کی مدد سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَابْتَلُوْا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوْا النِّكَاحَ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾[النساء:٦]

مذکورہ آیت میں یتیموں کو ان کے اَموال لوٹانے کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا گیا ہے:

① بلوغت اور ② سن تمیز کو پہنچنا

یعنی جس طرح یتیموں کو ان کے اَموال لوٹانے کے لیے ان دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے بالکل اسی طرح بیوی کے ساتھ قربت اختیار کرنے کے لیے انقطاع دم کے بعد غسل کر لینا ضروری ہے۔

ذکر کردہ خیالات و آراء کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جمہور کا مؤقف قوی دلائل سے مزین ہونے کی بناء پر راجح ہے۔ آیت﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[البقرۃ:۲۲۲] میں ظاہر الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ طہارت سے مراد طہارت حسی ہے اور طہارت حسی پانی کے ساتھ غسل کے علاوہ حاصل نہیں ہوسکتی۔

☜ حق بات یہی ہے کہ تعارض سے بچتے ہوئے دونوں قراءتوں پر عمل کو ترجیح دی جائے۔

✳ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مُقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى﴾[البقرۃ:۱۲۵]

اس آیت کے لفظ 'واتخذوا' میں دو متواتر قراءات بیان کی گئی ہیں۔

❶ خاء کے فتحہ کے ساتھ 'واتَّخَذُوا'۔ فعل ماضی بمعنی خبر۔

❷ خاء کے کسرہ کے ساتھ 'واتَّخِذُوا'، فعل امر بمعنی انشاء۔

پہلی قراءۃ کے قائلین کے دلائل:

اس قراءت کو پڑھنے والے امام نافع رحمہ اللہ اور ابن عامر رحمہ اللہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اولاد ابراہیم علیہ السلام کی خبر ہے کہ انہوں نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لیا اور ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ کا عطف ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى﴾ پر ہو رہا ہے اور ان آیات میں مذکور 'جعلنا' اور 'واتخذوا' فعل ماضی ہیں اور ان دونوں میں فعل ماضی خبر کا معنی دے رہا ہے۔[حجة القراءات لابن زنجلة:ص۱۱۳]

یہ قراءت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قراءت امر کا فائدہ دے رہی ہے اور امر کسی بھی چیز کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ الحرام کا طواف کیا تو مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا فرمائیں۔مزید فرمایا:

«لتأخذوا مناسككم» [صحيح مسلم:۳۱۳۷] ''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔''

فقہاء کرام نے اس آیت میں مختلف قراءات کی بناء پر مختلف استدلالات کیے ہیں جنہوں نے اسے صیغۂ خبر کے طور پر لیا ہے ان کا کہنا ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس رکعات ادا کرنا سنت ہے۔اس کے قائلین امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔[المغنی لابن قدامة:۳۸۴/۳]

ان کا استدلال اعرابی کے اس قصہ سے بھی ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی کوئی چیز فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«لا، إلا أن تطوع» [صحيح البخاري:۴۶] ''نہیں،اس کے سوا نوافل ہیں۔''

☜ علاوہ ازیں ان رکعات کی کوئی جماعت بھی مشروع نہیں ہے۔لہٰذا انہیں واجب نہیں بلکہ نفل ہی شمار کیا جائے گا۔

دوسری قراءۃ کے قائلین کے دلائل:

جنہوں نے اسے 'خا' کے کسرہ کے ساتھ 'واتَّخِذُوا' پڑھا ہے انہوں نے اسے صیغۂ امر کے معنی میں لیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مقام ابراہیم کے قریب نوافل ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ اَمر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔[شرح فتح القدير:۴۵۶/۶]

فقہاء کرام اس پر تو متفق ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا کرنا مشروع ہے۔محل اختلاف یہ ہے کہ یہاں نماز اَدا کرنا سنت ہے یا واجب؟ یہ دونوں قراءتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تھا اور وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے وہ نماز کے لیے مخصوص نہ تھا۔

یہ قراءت اس آیت کو ایک اور معنی دیتی ہے اور وہ یہ کہ یہ خطاب مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہے۔ پھر ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى﴾...... ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ اور ﴿وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ﴾ کے مابین جملہ معترضہ ہوگا۔

لہٰذا پھر اس بات کا بھی احتمال ہے کہ نماز بعد میں مشروع ہوئی پہلے مشروع نہیں تھی۔

◉ مالکیہ نے دونوں قراءتوں میں ایک سبیل یہ نکالی ہے کہ

''إن الصلاة خلف المقام تكون واجبة في الطواف الواجب، وتكون مندوبة في الطواف المندوب'' [شرح مختصر خليل للزرقاني:۳۷۴/۲]

''مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرنا فرضی طواف میں فرض ہے جبکہ نفلی طواف میں نفل ہوگا۔''

◉ احناف کے نزدیک مقام ابراہیم کے پاس دو رکعات اَدا کرنا واجب ہے، جو کہ فرض اور واجب کے مابین فرق کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے:

''الفرض ما ثبت بدليل قطعي، والواجب ما ثبت بدليل ظني'' [بدائع الصنائع:۱۱۴۵/۳]

''فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا یہ حکم چونکہ دلیل قطعی سے معلوم ہو رہا ہے اس لیے فرض ہے۔اس کی تائید نیل الأوطار کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

''فتحہ والی قراءت خبر پر دلالت کرتی ہے اور کسرہ والی روایت اَمر پر اور اَمر یہاں وجوب کا تقاضا کر رہا ہے۔''

علماء کے مابین اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ مقام اِبراہیم سے مراد کیا ہے۔فتح الباری میں ہے: ''خانہ کعبہ کی تمام جہات میں نماز ادا کرنے پر اجماع ہے۔'' جوکہ عدم تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات ہیں، کیونکہ جمیع جہات تب ہی کہیں گے جب ایک جہت مقام ابراہیم ہوگی۔

◉ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''المراد بمقام ابراهيم: الحرم كله، والأول أصح''[فتح الباري:۵۵/۳]

''مقام ابراہیم سے مراد سارے کا سارا حرم ہے اور اول زیادہ صحیح ہے۔''

راجح مؤقف

درج ذیل وجوہ کی بناء پر ان رکعات کو سنت قرار دینے والوں کے مؤقف کو راجح قرار دیا جائے گا:

☜ کسی قرینے کی عدم موجودگی میں اَمر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن یہاں قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ اعرابی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے علاوہ باقی نوافل ہیں۔''

☜ اکثر فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنا سنت ہے۔انہوں نے دونوں قراءتوں کو جمع کرکے دونوں پر عمل کو ترجیح دی ہے۔

✳ فرمان الٰہی ہے:

﴿......وَلَا تُقْتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقْتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾[البقرة:۱۹۱]

اس آیت قرآنیہ میں دو متواتر قراءات بیان کی گئی ہیں:

❶ ان الفاظ میں ثبوت الف کے ساتھ: 'تقاتلوهم، يقاتلوكم، قاتلوكم' یہ قراءت جمہور قراء کی ہے۔

❷ دوسری قراءت مذکورہ تینوں افعال میں حذف الف کے ساتھ ہے۔یہ قراءۃ امام حمزہ، کسائی اور خلف البزار رحمہم اللہ کی ہے۔

'قاتل' ثبوت الف کے ساتھ 'فاعل' کے وزن پر باب مفاعلة سے ہے، جبکہ 'قتل' یہ ماضی 'فعل' 'نصر' کے وزن پر ہے۔

پہلی قراءت لڑائی کا سبب بننے سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو لڑائی کی ابتداء سے منع فرمایا ہے، لیکن اگر دشمن لڑائی اور جنگ وجدل کی ابتداء کرے تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ لڑنا واجب ہوگا اگرچہ مسجد حرام کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قراءت جوکہ حذف الف کے ساتھ ہے وہ مشرکین کے حرم میں پناہ لینے پر انہیں قتل سے منع کرنے پر دلالت کرتی ہے، الا یہ کہ مشرکین بعض مسلمانوں کو حرم میں قتل کردیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام میں قتال سے منع فرمایا ہے اور کسی بھی مسلم کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ کسی کافر سے مسجد حرام میں لڑائی کرے ، الا یہ کہ کافر لڑائی کی ابتدا کرے ۔ ایسی حالت میں مسلمان اپنا دفاع کرنے والا ہوگا۔

پہلی قراءت تو بالکل واضح ہے ۔ البتہ جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ بیت اللہ میں حدود وقصاص کو نافذ کرنے کے مسئلہ میں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ نے عمومی طور پر ہر زمان ومکان میں حدود وقصاص کو نافذ کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں حدود کو نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتارا تو ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے قتل کردو'' [صحيح البخاري:١٨٤٥]

فقہاء کرام مذکورہ فرمان سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کے پردوں سے لپٹے ہوئے شخص کے قتل کا حکم دینا اس پر واضح دلالت ہے کہ جو بھی مشرک قتل کا مستحق ہوگا اسے قتل کیا جائے گا، چاہے وہ کسی بھی جگہ پر موجود ہو۔ علاوہ ازیں حدود حرم اِقامت حد کو نہیں روکتی اور نہ ہی حد کو وقت مقررہ سے مؤخر ہی کیا جاسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے قرآن وسنت سے مختلف دلائل دیتے ہوئے بیت اللہ الحرام میں قتال اور نفاذ حدود کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ان کے دلائل ملاحظہ ہوں:

قرآن سے دلیل:

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ [آل عمران:٩٧]

اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اس میں بیت اللہ الحرام میں داخل ہونے والے کو جان ومال کا تحفظ عطا کیا گیا ہے لہٰذا بیت اللہ میں کسی پر کسی قسم کی زیادتی جائز نہیں ہے۔

سنت سے دلیل:

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«فلا يحل لامرىء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً» [صحيح البخاري:١٠٤]

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہاں خون بہائے۔''

احناف اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کی ذکر کردہ دلیل زمان ومکان کے عموم پر دلالت نہیں کرتی (یعنی یہ عمومی دلیل نہیں ہے) بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے ساتھ مقید ہو جاتی ہے جس میں آپ نے بیت اللہ میں خون بہانے سے منع فرمایا ہے۔ مزید برآں فتح مکہ کا دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھا، حلت کا وقت صبح سے عصر تک جاری رہا اور ابن خطل کو اسی دوران واصل جہنم کیا گیا۔

[سبل السلام للصنعانی:٤/٧٢،٧٣]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجح مؤقف

اس مسئلہ میں راجح مؤقف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہی نظر آتا ہے کہ بیت اللہ الحرام میں اِقامت حدود اور خون بہانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کے لیے مجبور کر دیا جائے۔

٭ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ [البقرۃ:۲۸۲]

قراء عشرہ رحمہم اللہ نے اس آیت کے لفظ 'یضار' میں مختلف قراءتیں بیان کی ہیں۔ ابن کثیر، یعقوب اور ابوعمرو بصری رحمہم اللہ 'راء' کے ضمہ کے ساتھ 'یضارُ' جبکہ باقی تمام قراء رحمہم اللہ 'راء' کے فتحہ کے ساتھ 'یضارَ' پڑھتے ہیں۔

البتہ 'یضار' میں ضاد اور راء کے درمیان الف کو مد کے ساتھ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیا گیا اور یہ التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے۔[النشر:۲۲۸]

رفع والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں موجود 'لا' نافیہ ہے اور اس کے بعد مضارع مرفوع ہے اور فتحہ والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل مضارع لائے نہی کے بعد مجزوم ہے اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتحہ دیا گیا ہے۔ فتحہ والی قراءت فائدہ دیتی ہے کہ یہاں 'لا' نافیہ ہے اور لائے نفی لکھنے والے اور گواہ دونوں کو صاحب حق کی جانب سے ضرر کی نفی کرتی ہے اور رفع والی قراءت، لکھنے والے اور گواہ کو صاحب حق کو ضرر پہنچانے سے روکتی ہے۔

◉ شافعیہ کہتے ہیں:

”ومن مضارة الشهيد لصاحب الحق القعود عن الشهادة وليس فيها إلا شاهد أن فعليهما فرض أدائها وترك مضارة صاحب الحق بالامتناع من إقامتها، وكذلك على الكاتب أن يكتب إذا لم يوجد غيره“ [جامع لأحكام القرآن للقرطبی:۱/۴۰۶،۴۰۷]

''گواہ صاحب حق کو اس طرح ضرر پہنچا سکتا ہے کہ وہ بیٹھا رہے اور گواہی دینے کے لیے نہ جائے لہٰذا اسے صاحب حق کو نقصان سے بچانے کے لیے گواہی دینا فرض ہے ایسے ہی کاتب پر لکھنا فرض ہے جب کوئی دوسرا کاتب موجود نہ ہو۔''

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے کتمانِ شہادت سے سختی سے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ [البقرۃ:۳۸۲]

''اور شہادت کو ہرگز نہ چھپاؤ اور شہادت کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔''

کتاب المغنی میں ہے:

''فرمان الٰہی ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ میں موجود 'یضار' کو رفع اور فتحہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ جنہوں نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اسے خبر شمار کیا ہے، اور یہاں خبر دو معنوں پر مشتمل ہے:

① یہ کہ کاتب فاعل ہو، یعنی کاتب اور شہید ضرر نہ پہنچائیں۔ وہ اس طرح کہ جب اس کو بلایا جائے تو حاضر نہ ہو یا کاتب ایسی چیز لکھ دے جو لکھوائی نہ گئی ہو یا گواہ ایسی گواہی دے جس کا اس سے تقاضا نہ کیا گیا ہو۔

② یہ کہ 'یضار' فعل ما لم یسم فاعلہ ہو، ایسی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف میں مبتلا نہ کیا جائے کہ ہر وقت ان کو اسی کام میں مشغول رکھا جائے جس سے ان کی زندگی کے دیگر معمولات معطل ہو جائیں۔[المغنی لابن قدامۃ:۹/۱۴۷]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☜ مذکورہ آیت میں فتحہ والی قراءت صاحب حق کی جانب سے کاتب اور شہید کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھتی ہے، جبکہ رفع والی قراءت کاتب اور شہید کی جانب سے صاحب حق کو ضرر پہنچانے سے روکتی ہے۔ چونکہ دونوں قراءات ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے سے باز رکھتی ہیں لہٰذا دونوں قراءتوں میں کسی قسم کا کوئی تعارض باقی نہیں رہ جاتا۔

* فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾ [النساء:۴۳]

اس آیت کے کلمہ 'لمستم' میں دو قراءتیں بیان کی گئی ہیں:

① الف کے بغیر 'لمستم'۔ یہ قراءت حمزہ، کسائی اور خلف رحمہم اللہ کی ہے۔

② الف کے ساتھ 'لامستم' یہ قراءت قراء عشرہ میں سے دیگر قراء رحمہم اللہ کی ہے۔ [اتحاف فضلاء البشر:۵۱۳/۱]

پہلی قراءت کا معنی

پہلی قراءۃ جو کہ بغیر الف کے پڑھی گئی ہے، اس کا معنی جماع کرنا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: 'نکحت' 'ناکحت' نہیں کہا جاتا۔

دوسری قراءت کا معنی

دوسری قراءت جو ثبوت الف کے ساتھ پڑھی گئی ہے، اس کا معنی ہے ہاتھ کے ساتھ چھونا، کیونکہ عورت مرد کو چھوتی ہے اور مرد عورت کو، اور باب مفاعلہ میں جانبین شریک ہوتے ہیں۔ [اعراب القراءات:۱۳۴/۱]

اور جب لمس کی نسبت خواتین کی طرف ہو تو یہ جماع سے کنایہ ہوتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لمس جماع سے کنایہ ہے۔''

'لامستم' میں مختلف قراءات کی بناء پر مسئلہ نقض وضو میں اختلاف کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ عورت کے ساتھ ایسی مباشرت جس میں جماع نہ ہو، وضو کو نہیں توڑتی۔ لیکن اگر ذکر منتشر ہو جائے تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا۔ [التنبیہ للشیرازی: ص۲۱۰]

امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کا شہوت کے ساتھ عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ [مقدمات ابن رشد:۶/۱، الشرح الصغیر للدریر:۵۴/۱،۵۵]

راجح مؤقف

ہمارے نزدیک راجح مسلک یہی ہے کہ خاتون کو شہوت یا بغیر شہوت چھونا وضو کو نہیں توڑتا اور 'لمستم' اور 'لامستم' دونوں قراءتوں سے مراد جماع کرنا ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''أن النبی ﷺ قبّل امرأة من نسائه ثم خرج إلی الصلاة ولم یتوضأ'' [سنن أبوداؤد:۱۷۹]

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو بوسہ دیا پھر آپ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور وضو نہ فرمایا۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحکام فقہیہ پر قراءتِ شاذہ کے اثرات کا جائزہ

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے قراءاتِ شاذہ پر بھی بہت سے اَحکام فقہیہ کی بنیاد رکھی ہے اور انہیں ایک مصدر کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس کی اَمثلہ پیش خدمت ہیں:

روزوں کی قضا میں متابعت کا حکم:

فرمان الٰہی ہے:﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرۃ:۱۸۴]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہاں ''فعدة من أيام أخر متتابعات'' [تفسیر الکبیر:۱۷۰/۱] پڑھا ہے۔

اسی ضمن میں علماء کرام نے رمضان میں رہ جانے والے روزوں کی قضا میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ مسلسل رکھے جائیں گے یا الگ الگ بھی رکھے جا سکتے ہیں؟

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام نخعی رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ اور دیگر کا خیال ہے کہ ان کا مسلسل رکھنا واجب ہے۔امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''يجب التتابع ولا يشترط'' [المجموع للنووی:۲۶۷/۶]

''بغیر کسی شرط کے متابعت ضروری ہے۔''

تین وجوہ سے قراءت اُبی رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے:

1. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

   «من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه» [سنن الدار قطني]

   ''جس کسی پر رمضان کے روزے ہوں وہ انہیں مسلسل رکھے اور منقطع نہ کرے۔''

2. انسان کو چاہیے کہ اللہ کے حقوق جس قدر جلدی ممکن ہو اَدا کر دے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:

   ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [آل عمران:۱۳۳]

   ''اور اپنے رب کی بخشش کی جانب دوڑ کر چلو۔''

   اور یہ جلدی روزوں کو مسلسل رکھنے سے ہی ہو سکتی ہے، جو کہ واجب ہے۔

3. قضاء اداہی کی مثل ہے، تتابع جس طرح ادا میں واجب ہے بالکل اسی طرح قضاء میں بھی واجب ہے۔

جمہور رحمہم اللہ کا خیال ہے کہ روزوں میں تفریق جائز ہے، لیکن متابعت مستحب ہے۔

[المجموع للنووی:۲۶۷/۶، المغنی:۸۸/۳،المحلی:۲۶۱۳]

ان کی دلیل اللہ کا قول ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ہے۔ یہاں نکرہ سیاقِ اثبات کے لیے ہے جو کہ اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔اس آیت میں روزوں کی قضاء کا مطلق حکم دیا گیا ہے اگر اس سے مراد تتابع ہوتا تو اسے صریح الفاظ میں بیان کیا جاتا جیسا کہ 'قتل' اور 'ظہار' کے کفارہ میں مسلسل روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا﴾ [المجادلۃ:۴]

''اور جو شخص غلام نہ پائے وہ دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

◉ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص مرض یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دے تو وہ ان کی کسی بھی وقت قضائی دے سکتا ہے اور قضاء میں مسلسل روزے رکھنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ میں تتابع کا حکم نہیں دیا گیا۔''

[الأم:۱۰۳/۲]

◉ امام شافعی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''العدة أن يأتي بعدد صوم لا ولاء'' [الأم:۶۶/۷]

''عدت عدد صیام میں ہے نہ کہ ان کو ملا کر رکھنے میں۔''

امام صاحب نے قراءت اُبی رضی اللہ عنہ کو دلیل نہیں بنایا، کیونکہ یہ قراءت منسوخ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ نازل ہوئی تو 'متتابعات' کو ساقط کر دیا گیا'' [مصنف عبدالرزاق:۲۴۱/۴، سنن دارقطنی:۱۹۲/۲] لیکن مطلق حکم باقی رہا۔

آپ کے قول کی تائید درج ذیل فرمان الٰہی سے ہوتی ہے:

﴿يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة:۱۸۵]

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔''

مسلسل روزے رکھنے میں جہاں آسانی کی نفی ہوتی ہے وہاں تکلیف کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ جو آیت کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے۔

تفریق کے جواز پر دلالت کرنے والی اَحادیث

① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں فرمایا:

''إن شاء فرق، وإن شاء تابع'' [سنن الدارقطنی:۱۹۲/۲]

چاہے تو تفریق کر لے اور اگر چاہے تو مسلسل روزے رکھ لے۔''

② ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ قضاء رمضان سے متعلق دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''يقضيه تباعا، وإن فرقه أجزأه'' [سنن الدار قطنی:۱۹۲/۲]

''قضاء مسلسل دی جائے گی اگرچہ روزوں کو مختلف اوقات میں چھوڑا ہو۔''

③ محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے روزوں کی قضائی دیتے ہوئے ان کے مابین تفریق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذلك إليك، أرأيت لو كان على أحدكم دين فقضى الدرهم والدرهمين ألم يكن قضاء؟ فالله أحق أن يعفوا أو يغفر" [سنن الدارقطنی:۱۹۴/۲، سنن بیہقی:۲۵۹/۴]

''اس کا انحصار تم پر ہے، جب تم پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو وہ ایک ایک، دو دو درہم کر کے ادائیگی کرتا ہے تو کیا اس کی طرف سے اَدا نہیں ہو جاتا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ معاف کریں اور بخش دیں۔''

اِن اَحادیث پر اگرچہ استنادی اعتبار سے بحث کی گئی ہے، لیکن یہ تمام مل کر اپنے مؤقف کو تقویت ضرور پہنچاتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

◉ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کہا جائے کہ قراءۃ ابی ''فعدة من أيام أخر متتابعات'' ہے تو ہم کہیں گے کہ قراءۃ اُبی مشہور کی حد تک نہیں پہنچتی۔ لہٰذا اس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور قراءت کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔'' [تبیین الحقائق:۳۳۶/۱]

حنابلہ نے بھی اسی بناء پر تتابع کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کفارۃ یمین والی قراءت کو دلیل بنایا ہے۔ان کے نزدیک قراءت اُبی کی صحت صحیح ثابت نہیں ہے۔

◉ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''فإن قيل فقد روى عن عائشة أنها قالت: نزلت: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ فسقطت متابعات۔ قلنا هذا إن ثبت عندنا صحته، ولو صح فقد سقطت اللفظة المحتج بها''

[المغنى لابن قدامة:۸۸/۳]

''اگر وہ کہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آیت ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مُتَتَابِعَاتٍ﴾ نازل ہوئی تو اس نے متتابعات کو ساقط کر دیا۔ تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ یہ صحت سند کے ساتھ ثابت بھی ہو تو پھر بھی وہ جس لفظ کو بطور دلیل اختیار کرتے ہیں وہ ساقط ہے۔''

شافعی حضرات، جنہوں نے اس شاذ قراءۃ کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، کا کہنا ہے کہ یہ قراءت منسوخ نہیں ہے۔

◉ **صلاۃ وسطیٰ**

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرۃ:۲۳۸]

مصحف عائشہ رضی اللہ عنہا اور اِملاء حفصہ رضی اللہ عنہا میں یہ آیت اس طرح ہے:

''والصلاة الوسطى وهى صلاة العصر'' [جامع البيان للطبرى:۱۷۵/۵]

جبکہ بعض روایات میں ''والصلاة الوسطى وصلاة العصر'' کے الفاظ ہیں۔ [جامع البيان:۲۰۵/۵]

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔

مصحف اُم سلمہ رضی اللہ عنہا وحفصہ رضی اللہ عنہا میں واؤ کے بغیر ''والصلاة الوسطى صلاة العصر'' کے الفاظ ہیں:

[جامع البيان:۱۷۶/۵]

اس آیت میں مختلف قراءات شاذۃ کی بناء پر علماء کرام نے صلاۃ الوسطیٰ سے متعدد معانی کا استنباط کیا ہے۔

جمہور علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ [المبسوط:۱۴۱]

ایک قراءۃ جو کہ ''والصلاة الوسطى صلاة العصر'' کی ہے، اسے دو معاملات پر محمول کیا جائے گا۔

① یہ کہ واؤ زائدہ ہو۔ [فتح الباري:۲۶۴/۹]

② یہ کہ واؤ عاطفہ ہو، لیکن یہ عطف صفت کا صفت پر ہو نہ کہ ذات کا۔ [السابق والمحلى:۲۵۶/۴]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب:۴۰]

''لیکن وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین ہیں۔''

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم النبیین ہیں۔ پس صلاۃ العصر کہنا صلاۃ الوسطیٰ کی وضاحت ہے جو کہ نماز عصر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنفیہ نے نمازِ عصر کے اثبات میں پیش کی جانے والی ان قراءات کو اختیار نہیں کیا، کیونکہ یہ مشہور کی حد تک نہیں پہنچتیں بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں واردشدہ صحیح اَحادیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

بہرحال صلاۃ الوسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی ہے جس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

◉ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا:

«ملأ الله قبورهم وبيوتهم نارا كما شغلونا عن صلاة الوسطى حتى غابت الشمس وهى صلاة العصر» [صحيح بخاري:٦٣٩٦]

''اللہ تعالیٰ ان (کافر مکہ) کی قبروں اور گھروں کو اس طرح آگ سے بھردے جس طرح انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول کردیا۔حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور وہ (صلاۃ وسطیٰ) نماز عصر ہے۔''

◉ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الصلاة الوسطیٰ صلاة العصر" [سنن ترمذی] ''صلاۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔''

مالکیہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ان کی دلیل اسی آیت میں صلاۃ الوسطیٰ کے بعد مذکور الفاظ ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قنوت ہے اور صحیح احادیث کی روشنی میں قنوت صرف صبح کی نماز میں ثابت ہے لہٰذا اس سے مراد فجر کی نماز ہی ہے۔ ذیل میں بیان کردہ نقطوں سے ان کے مؤقف کی مزید تائید ہوتی ہے:

◉ نماز فجر میں ایسے خصائص پائے جاتے ہیں جو دوسری نمازوں میں نہیں:

✧ اللہ تعالیٰ نے فجر کے قرآن کو مشہود بنایا ہے۔فرمایا: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الاسراء:٧٨]
''یعنی یہی وہ نماز ہے جس میں روز وشب کے ملائکہ حاضری دیتے ہیں۔''

✧ ظہر وعصر کو جمع کیا جاسکتا ہے اور سی طرح مغرب وعشاء کو بھی، جبکہ فجر کی نماز میں ایسا نہیں ہے وہ انفرادی طور پر ہی اَدا کی جائے گی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی نماز تمام نمازوں میں سے سب سے اَفضل ہے۔جس کا لازمی مطلب یہی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد فجر کی نماز کو لیا جائے۔

✧ اس میں شک نہیں ہے کہ نماز فجر کو تاکیدی اعتبار سے انفرادی مقام حاصل ہے، اور یہی وہ نماز ہے جو عمومی طور پر سب سے مشکل تصور کی جاتی ہے، کیونکہ اس کا وقت سونے کے اوقات میں ہوتا ہے۔ اہل عرب نے تو فجر کے وقت نیند کو شہد سے تشبیہ دی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد نماز ظہر ہے۔[مواهب الجليل:٤٨٩/١]

بیان کردہ اَمثلہ سے اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ قراءاتِ شاذۃ اَحکام فقہیہ میں اثر پذیری رکھتی ہیں اور ان کی مدد سے بہت سے فقہی اَحکام مستنبط کیے جاتے ہیں۔

◉———◉———◉

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری رشید احمد تھانوی ☆

علم تفسیر پر قراءات کے اثرات

مقالہ نگار قاری رشید احمد تھانوی حفظہ اللہ نے چند سال قبل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر حفظہ اللہ (شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کی زیر نگرانی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالہ کا عنوان تھا: ''تفسیر قرآن حکیم پر اختلافِ قراءات کے اثرات کا ایک جائزہ''۔ زیر نظر مضمون اسی مقالہ کے جامع خلاصہ پر مشتمل ہے، جس کی تلخیص مقالہ نگار نے خود کر کے ہمیں فراہم کی ہے۔ موضوع کی افادیت کے پیش نظر قارئین رُشد کے لئے اس تحریر کو ہم شائع کر رہے ہیں۔ اس اہم موضوع کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلی مطالعہ کے سلسلہ میں شائقین کو اصل مقالہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ [ادارہ]

قرآن حکیم کی تفسیر کے سلسلہ میں قراءات کو ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، خاص طور پر متواتر قراءات کو نظر انداز کرنا قرآن کے ایک حصہ کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ نیز دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے کسی ایک قراءت کا انکار قرآن کی آیت کا انکار ہے۔ اگر دو متواتر قراءتوں میں تعارض آجائے تو ان میں سے ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں نزول میں تقدم یا تاخر معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں میں تطبیق کی صورت نکالنا ضروری ہوگا۔ البتہ شاذ قراءت اگر کسی متواتر قراءت کے معارض ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ قراءتیں زیادہ ہونا 'اختلاف تعدّد' ہے۔ 'اختلاف تضاد' نہیں۔ کوئی متواتر قراءت ایسی نہیں جس سے تضاد لازم آتا ہو۔ اگر ظاہری تعارض ہو تو وہ دراصل 'اختلاف تعدّد' ہے، تاکہ اختصار کے ساتھ ایک ہی آیت کی دو قراءتوں سے دو مختلف اَحکام ثابت ہوسکیں۔

تفسیر میں قراءاتِ متواترہ کی قبولیت میں جمہور علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں ملتا۔ البتہ دو مختلف المعنی قراءتوں میں معنی کی تطبیق کے لحاظ سے ترجیح وغیرہ کا رجحان پایا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک قابل قبول معنی ہی کسی قراءت کے قبول ہونے کا معیار ہے۔ جیسا کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) کا طرز عمل رہا ہے، لیکن جمہور مفسرین نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے۔ بعض علماء نے امام طبری رحمہ اللہ کو اس اعتبار سے معذور مانا ہے کہ قراءاتِ متواترہ کی تدوین کا زمانہ امام طبری رحمہ اللہ کے بعد کا ہے؛ لہٰذا امام طبری رحمہ اللہ کے سامنے متواتر و غیر متواتر میں امتیاز کے وہ معیارات نہیں تھے، جو ائمہ قراءات نے متعین کئے تھے، لیکن بعد کے ادوار میں جب متواتر اور غیر متواتر کا فرق بالکل ظاہر ہوگیا تو پھر متواتر کو شاذ کے ساتھ خلط ملط کر کے رد کرنا یا اس میں تشکیک پیدا کرنا عدم علم اور نا واقفیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

☆ استاذ القراءات دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حاجب رحمہ اللہ (م ۶۴۶ھ) لکھتے ہیں:

”القراء ات السبع متوا ترٌ لو لم تكن متواترةً لكان بعض القرآن غير متواترٍ كمَلِكِ ومٰلِكِ ونحوِها، وتخصيص أحدهما تحكم باطل لاستوائِهما“

[منتهى الوصول والامل فی علمی الاصول والجدل:ص۳۴]

”سات قراءتیں متواتر ہیں۔ اگر یہ متواتر نہ ہوں تو قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر بن جائے گا۔ جیسے ملک اور مالک، اور اس طرح کی اور قراءتیں، اوران دونوں میں سے کسی ایک کی تخصیص کرنا سینہ زوری ہے (باطل فیصلہ ہے) اس لئے کہ یہ دونوں برابر ہیں“۔

آسان الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر روایت حفص قطعی طور پر قرآن ہے، تو جن اَساتذہ سے روایت حفص منقول ہے انہی اساتذہ سے باقی قراءتیں بھی منقول ہیں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے ایک ہی سند سے آنے والی ایک قراءت تو متواتر شمار ہو اور دوسری ناقابل اعتبار بن جائے......؟

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (م ۱۲۵۰ھ) إرشاد الفحول میں لکھتے ہیں:

”والحاصل:أن ما اشتمل عليه المصحف الشريف واتفق عليه القراء المشهورون فهو قرآن، وما اختلفوا فيه فإن احتَملَ رسمُ المصحف قراءةَ كلّ واحد من المختلفين مع مطابقتها للوجه الإعرابی والمعنی العربی، فهی قرآنٌ كلّها، وإن احتمل بعضَها دون بعض، فإن صحّ إسناد ما لم يحتمله، وكانت موافقة للوجه الإعرابی، والمعنی العربی، فهی الشاذّةُ ولها حكمُ أخبار الآحاد فی الدلالة علی مدلولِها، وسواءٌ كانت من القراءات السبع أو من غيرها وأمّا مالم يصحّ إسناده ممّالم يحتمله الرسم فليس بقرآنٍ ولا منزلٍ منزلة أخبار الآحاد“ [إرشاد الفحول الی تحقيق الحق من علم الاصول:۸۲/۱]

”حاصل یہ کہ جس چیز پر مصحف ِشریف مشتمل ہے اورمشہور قراء اس کے اوپر متفق ہیں تو وہ قرآن ہے۔ اورجس میں ان کا اختلاف ہوا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) مصحف کا رسم دونوں مختلف قراءتوں کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ دونوں قراءتیں اعرابی وجہ اورمعنی کے مطابق ہیں تو یہ سب بھی قرآن ہیں۔

(ب) اگر مصحف کا رسم ایک کا احتمال رکھے اور دوسری قراءت کا احتمال نہ رکھے، تو پھر دو صورتیں ہیں:

(أ) اس غیر محتمل قراءت کی اسناد صحیح ہے اور وہ اعرابی وجہ اور معنی عربی کے موافق ہے، تو پھر وہ شاذ قراءت ہے، اوراپنے مدلول پر دلالت کرنے میں اس کا حکم خبر واحد کی طرح ہے۔ عام ہے کہ یہ قراءات سبعہ میں سے ہو یا نہ ہو۔

(ب) اور وہ قراءت جس کا رسم میں احتمال نہ ہو اور اس کی اسناد بھی صحیح نہ ہو تو پھر وہ قرآن نہیں ہے اور نہ ہی اس کو خبر واحد کے درجے میں رکھا جائے گا“

دو قراءتیں مثل دو آیتیں

جب کسی کلمہ قرآنی میں دو متواتر قراءتیں ہوں تو مفسرین وفقہاء کے نزدیک وہ دو آیات کی طرح ہیں۔ ان کی تفسیر اسی طرح کی جائے گی جس طرح ایک مسئلہ میں واردہ دو آیات کی تفسیر کی جاتی ہے۔ چنانچہ أحکام القرآن للجصاص میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

" وهاتان القراء تان قد نزل بهما القرآن جميعا ونقلتها الأمّة تلقّيا من رسو ل الله ﷺ

[أحكام القرآن للجصاص:۳۴۵/۲ ، با ب غسل الر جلين]

'' اور یہ دونوں قراءتیں ایسی ہیں کہ قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امت نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے''۔

اس اصول کے بارے میں امام جصاص رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

"وأيضا فإ ن القرا ء تين كالآيتين ، فى إحداهما الغَسل وفى الأخرىٰ المسحُ لاحتمالهما للمعنيين فلو وردت آ يتا ن إحداهما توجب الغَسل والأخرى المسحَ لَمَا جازَ تركُ الغَسل إلى ا لمَسح " [الجصاص: حوالہ مذکور،۳۴۶/۲]

'' اور دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے ایک میں دھونے کا معنی ہے دوسری میں مسح کا معنی ہے، کیونکہ یہ دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہیں ۔ چنانچہ اگر بالفرض دو آیتیں نازل ہو جاتیں، ایک کا موجب دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح ہوتا، تو بھی دھونے کو مسح کے مقابلہ میں ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔''

تفسیر قرطبی میں ہے: "وليس من المتشابه أن تقرا الآ ية بقرا ء تين ويكو ن الاسم محتملا أومجملا يحتا جُ إلىٰ تفسير؛ لأن الواجب منه قدرُ ما يتناوَلُه الاسم أو جميعه ـ والقراء تا ن كالآ يتين يجب العمَلُ بمُوجبهما جميعا "[الجامع لاحكام القرآن للقرطبى:۱۱/۴]

'' یہ بات متشابہ میں سے نہیں ہے کہ کوئی آیت دو قراءتوں سے پڑھی گئی ہو، اور اسم احتمال یا اجمال کی وجہ سے تفسیر کا محتاج ہو؛ کیونکہ ثابت تو اس میں سے اسی قدر ہوگا جس کو اسم شامل ہوگا یا تمام ثابت ہوگا۔ اور دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، دونوں کے موجب پر عمل کرنا ضروری ہے۔''

اسی طرح فتاوی ابن تیمیہ میں ہے:

"وأما القراء ة الأخرى وهى قراء ة من قرأ وأرجلِكم بالخفض فهى لا تخالف السنّة المتواترة؛ إذالقراء تان كالآيتين"[كتب ورسائل ومجموعه فتاوى فى الفقه:۱۳۱/۲۱،كتاب الفقه]

''اور بہرحال دوسری قراءت جو کہ وارجلکم زیر کے ساتھ ہے، وہ سنت متواترہ کے مخالف نہیں ہے؛ اس لئے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں''۔

تفسیر روح المعانی میں اس اُصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

" ومن القواعد الأصولية عند الطائفتين أن القراء تين المتواترتين إذا تعارضتا فى آية واحدة فلها حكم آيتين" [روح المعانى ازآلوسى:۶۶/۶]

'' اُصولی قواعد میں سے ایک یہ ہے (دونوں طائفوں کے نزدیک) کہ متواتر قراءتیں جب ایک آیت میں متعارض ہو جائیں تو ان کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے''۔

دو قراءتوں میں تعارض کا وقوع

دو قراءتوں میں کبھی تعارض واقع ہو جانا ممکن ہے۔ چنانچہ أصول السرخسی ج۲ ص۱۲ میں ہے:

"يقع التعارض بين الآيتين ، وبين القراء تين . " [فصل: بيان المعارضة بين النصوص]

''دو آیتوں اور دو قراءتوں کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے۔''

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی الاتقان ج۲ ص۳۰ میں ہے: "وتعارض القراء تين بمنزلة تعارض الآيتين"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

’’دو قراءتوں کا تعارض دو آیتوں کے تعارض کی طرح ہے۔‘‘

اسی طرح تفسیر نیل المرام میں علامہ قنوجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقد تقرّر أنّ القراء تين بمنز لة الآ يتين فكما أنّهٗ يجب الجمع بين الآيتين المشتملة اِحداهما على زيا دة العمل بتلك الزيا دة كذلك يجب الجمع بين القراء تين “

[نیل المرام ،ص۵۲]

’’یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، تو جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق کرنا ضروری ہے، جن میں سے ایک آیت کسی زائد معنی پر مشتمل ہو، اسی طرح دو قراءتوں میں بھی جمع و تطبیق واجب ہے۔‘‘

فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

”بين القراء تين تعارضٌ ظا هرٌ ـ والحُكمُ فيما ظاهرهٗ التعارض أنه إن أمكن العمل بهما وجب، وإلا عُمِل با لقدر الممكن ، ولا يتأ تى الجمع بين الغسل والمسح فى عضو وا حد فى حالة واحدة؛ لأ نه يؤدى إلى تكرار المسح لانّ الغسل يتضمن المسح . والأمر المطلق لا يقتضى التكرار، فبقى أن يعمل بهما فى حالين توفيقا بين القراء تين وعملا بالقدر الممكن . “ [فتح الباري:۳۵۶/۱]

’’دونوں قراءتوں میں ظاہری تعارض ہے، اور ظاہری تعارض والی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو یہ ہی واجب ہوگا، ورنہ بقدر امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں ایک عضو میں ’غسل‘ اور ’مسح‘ کو ایک ہی حالت میں جمع نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ ’غسل‘، ’مسح‘ کو بھی شامل ہوتا ہے، جبکہ امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ ہی صورت باقی رہی کہ دونوں قراءتوں پر دو مختلف حالتوں میں عمل کیا جائے، تاکہ دونوں قراءتوں میں موافقت ہو جائے اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔‘‘

اس مضمون میں اولاً ایسی قراءتیں جمع کی گئی ہیں، جن کا معنی ایک حد تک تو مختلف ہے، لیکن ان دونوں قراءتوں کا مصداق اور محل ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کی قراءتیں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ چند مختلف مقامات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ آخر میں ایک شاذ قراءت کی مثال بھی ذکر کی گئی ہے، تاکہ ان قراءتوں کے تفسیر پر اثرات کی وضاحت ہو سکے۔

نمبر ❶ فَيُضَعِّفهٗ/ فيُضَاعِفهٗ

﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قرضًا حسناً فيضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً﴾[البقرۃ:۲۴۵]

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ فیضٰعفہٗ میں چار قراءتیں ہیں:

نمبر ①	فَيُضَعِّفُهٗ	امام ابن کثیر رحمہ اللہ، ابوجعفر رحمہ اللہ
نمبر ②	فَيُضَعِّفَهٗ	امام ابن عامر رحمہ اللہ، امام یعقوب رحمہ اللہ
نمبر ③	فيُضَاعِفَهٗ	امام عاصم رحمہ اللہ
نمبر ④	فيُضَاعِفُهٗ	امام نافع رحمہ اللہ، ابوعمرو بصری رحمہ اللہ، حمزہ رحمہ اللہ، کسائی رحمہ اللہ

[النشر:۲۲۸/۲، نیز مصحف القراء ات العشر، سورۃالبقرۃ:۲۴۵]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کلمہ سورہ حدید میں بھی واقع ہوا ہے، اور اس میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے۔

توجیہ قراءات

امام قیسی رحمہ اللہ (م۴۳۷ھ) تشدید والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وحجة من شدّد وحذف الألفَ أنّه حملَه على الكثير لانّ فعّلتُ(مشدد العين)بابه تكثير الفعل“

’’جن قراء نے تفعیل سے پڑھا ہے تو ان کے نزدیک یہ فعل کثرت پر دال ہے؛ اس لئے کہ تفعیل کی خاصیت تکثیر فعل ہے۔‘‘

اور تخفیف والی قراءت یعنی مفاعلہ والی قرات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”أنّ ضاعفتُ أكثر من ضعّـفتُ؛ لأن ضعّـفتُ معناه مرّتان، وحُكِي أن العرب تقول: ضعّفتُ درهمك أى جعلته درهمين، وتقول ضاعفتهٗ أى جعلته أكثر من درهمين“

[الكشف عن وجوه القراء ات السبع:۱/۳۰۰]

’’صیغہ مفاعلہ ،صیغہ تفعیل سے بڑھ کر ہے۔اس لئے کہ تفعیل والے صیغہ کا معنی ہوتا ہے: دومرتبہ،جیسا کہ عرب کہتے ہیں:ضعّفتُ درهمَكَ میں نے تیرے درہم کو دُوگنا کردیا۔اور جب ضاعفتهٗ کہتے ہیں،تو معنی ہوتا ہے کہ میں نے تیرے درہم کو دوگنا سے بھی زیادہ کردیا۔‘‘

معنی قراءات

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (م۵۹۷ھ) زاد المسیر میں لکھتے ہیں:

”معنى ضاعف وضعّف واحد، والمضاعفة الزيادة على الشيء حتى يصير مثلين أو أكثر“

[زاد المسير:۱/۲۲۱]

’’ضاعف اور ضعّف کا معنی ایک ہی ہے، اور مضاعفہ کسی چیز پر زیادتی اور اتنے اضافہ کا نام ہے، جس سے وہ دوگنی یا زیادہ ہوجائے۔‘‘

تفسیر مظہری میں ہے:

’’اور تشدید اس میں تکثیر کے لیے ہے...اور مفاعلہ مبالغہ کے لیے ہے۔‘‘[تفسير مظهری:۱/۵۵۷]

نتیجہ قراءات

خلاصہ یہ کہ ان دونوں قراءتوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ شخص جو اللہ کے لیے اس قرض والے کام کو اخلاص نیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا اجر اور بدلہ کسی اعتبار سے بھی کم نہیں ہوگا۔ اس میں کثرت بھی دو اعتبار سے ہوگی اور اس میں برکت بھی ہوگی۔ گویا یہ دونوں قراءتیں معنی کے اندر مزید وسعت پیدا کر رہی ہیں۔

نمبر ❷ فَتَبَيَّنُوْا / فَتَثَبَّتُوْا دونوں امر کے صیغے ہیں، لیکن مادہ کا فرق ہے۔

یہ کلمہ دو مقامات پر آیا ہے:

(۱)﴿يٰأَيّها الّذِيْنَ اٰمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيّنُوا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ أَلقٰى إِلَيْكُمَ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤمِناً﴾[النساء:۹۴]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(ب)﴿يَأَيُّها الَّذين اٰمَنُوْا إنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بنبإٍ فتبيّنوا أنْ تُصِيبُوا قومًا بجهالةٍ فتُصبِحُوا عَلٰى ما فَعلتُم نٰدمين﴾[الحجرات:٦]

اختلاف قراءات

ان دونوں آیتوں میں کلمہ قرآنی فتبینوا کے اندر دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① فتثبتوا حمزہ رحمہ اللہ، کسائی رحمہ اللہ، اور خلف رحمہ اللہ

نمبر ② فتبینوا باقی سب قراء۔ [النشر:۲/۲۵۱]

فتبینوا اس کا مادہ بین ہے اور یہ باب تفعّل ہے، اور دوسری قرات فتثبتوا ہے یہ بھی باب تفعّل سے ہے، لیکن اس کا مادہ ثبت ہے۔

توجیہ قراءات

امام ابن خالویہ رحمہ اللہ (م۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”يقرأ بالياء من التبيّن وبالتاء من التثبّت . والأمر بينهما قريبٌ لأنّ مَن تَبيّنَ فقد تثبّتَ ومن تثبّتَ فقد تَبيّنَ“ [الحجة لابن خالوية، ص۶۳]

’’یا سے پڑھا جائے تو تبین سے، اور تا کے ساتھ تثبت سے ہے۔اور امر ان دونوں میں قریب ہے، کیونکہ جو شخص معاملہ کو کھول کر واضح کر دے، تو اس کو ثبوت بھی مل جاتا ہے اور جو ثبوت حاصل کر لے، معاملہ اس پر واضح ہو جاتا ہے۔‘‘

لیکن امام قیسی رحمہ اللہ (م۴۳۷ھ) کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے، لکھتے ہیں:

”وليس كل من تثبّت فى أمر تبيّنه۔ قد يتثبّت ولا يتبيّن له الأمر فالتبيّن أعمّ من التثبت فى المعنى لاشتماله على التثبّت“ [الكشف:۱/۳۹۴،۳۹۵]

اسی طرح امام ابن عطیہ رحمہ اللہ (م۵۴۶ھ) لکھتے ہیں:

”وقال قوم تبيّنوا أبلغُ وأشدّ من تثبّتوا؛لأنّ المتثبّت قد لا يتبيّن ۔“[المحرّر الوجيز:۲/۹۶]

گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک تبیین عام ہے، اس کے معنی میں ثبوت بھی پایا جاتا ہے۔لیکن تثبت خاص ہے، اس میں تبین اور وضاحت ضروری نہیں ہے۔یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی معاملہ کا ثبوت اور دلیل تو مل جائے لیکن وہ واضح اور قابل فہم نہ ہو۔

معنی قراءات

اگر چہ یہ دونوں قراءتیں قریب المعنی تو ہیں لیکن ان دونوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی معاملہ کی وضاحت اور تبیین میں تثبت یعنی تحمل اور اتنا ٹھہراؤ اختیار کیا جائے، اور جلد بازی نہ کی جائے، یہاں تک کہ حقیقت بالکل کھل کر واضح ہو جائے۔

جیسا کہ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (م۱۹۷۴ء) لکھتے ہیں:

’’ فتبینوا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک اس کی پوری وضاحت نہ کر لی جائے اور ایک قراءت میں یہ لفظ فتثبوا پڑھا گیا ہے۔یعنی اس کی دلیل حاصل کرلو۔‘‘ [معارف القرآن،۶/۴۵۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نتیجہ قراءات

ان دونوں قراءتوں کا معنی سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی معاملہ کی تحقیق میں معلومات کو ہر اعتبار سے جانچنا اور بغیر تحقیق کے کسی خبر کو قبول کرنا بعد میں شرمندگی اور افسوس کا باعث ہوسکتا ہے۔

نمبر ③ وَلاتُسْــئَـلُ / وَلاتَسْــئَـلْ

﴿إِنَّا اَرسلنٰكَ بالحقّ بَشيراً وَّنَذيرا وَلَا تُسئَلُ عَن اَصحٰبِ الجَحِيمِ﴾[البقرة:١١٩]

مختلف قراءات

اس آیت میں کلمہ ولا تسئل میں دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① وَلا تَسْئَلْ امام نافع رحمہ اللہ اور یعقوب رحمہ اللہ

نمبر ② وَلا تُسْئَلُ باقی سب قراء۔[النشر:٢٢١/٢]

توجیہ قراءات

امام ابن خالویہ رحمہ اللہ (م۳۷۰ھ) الحجة میں لکھتے ہیں:

” فالحجة لمن رفع أنه أخبر بذلك وجعل لا نافية بمعنى ليس، ودليله قراء ة عبد اللّٰه وأبى ولن تسأل . والحجة لمن جَزم أنّه جعلَه نهياً . “ [ص٣٦]

”جنہوں نے مرفوع سے پڑھا ہے، ان کی قراءت کی توجیہ یہ ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہے، اور لا نافیہ لیس کے معنی میں ہے۔ اور اس کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ’وَلَن تُسألَ‘ ہے۔“

[معجم القراء ات القرآنيه:١٠٨/١]

البتہ جنہوں نے جزم سے پڑھا ہے ان کے نزدیک یہ نہی کا صیغہ ہے۔

معنی قراءات

تفسیر مظہری میں ہے: ”جمہور کی قراءت کے موافق ولا تُسْئلُ عن أصحٰب الجحيم کے یہ معنی ہوں گے:

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے اس کی پوچھ گچھ نہ ہوگی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے۔ آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اور نافع رحمہ اللہ کی قراءت پر سوال سے نہی (منع) کرنا شدت عذاب سے کنایہ ہوگا۔ جیسے کہا کرتے ہیں: اس کا حال مت پوچھ یعنی وہ بہت تکلیف میں ہے۔“[تفسیر مظهری:٢٠٧/١، روح المعانی:٣٣٣/١]

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ صیغہ نہی والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”قرأ نافع ولا تسئَل على صيغة النهى إيذانا بكمال شدة عقوبة الكفار وتهويلاً لها “

[بيان القرآن:٦٥/١]

”نافع رحمہ اللہ نے صیغہ نہی سے پڑھا ہے؛ تاکہ کفار کے عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہوجائے“۔

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ (م۶۷۱ھ) نفی والی قراءت کا معنی بیان کرتے ہیں:

” والمعنى إنّا أرسلنٰك بالحقّ بشيرًا وّنذيرًا غيرَ مَسئُـولٍ عنهُم . “[أحكام القرآن:٩٢/٢]

”اور معنی یہ ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس حال میں کہ ان کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نہی والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وفیه وجهان: أحدهما أنّه نهيٌ عن السؤال عمن عصیٰ وکفر من الأحیاء ؛ لأ نّه قد یتغیر حاله فینتقل عن الکفر إلی الإیمان وعن المعصیة إلی الطاعة، والثاني وهو الأظهر أنّه نهيٌ عن السؤال عمّن ماتَ علی کفره ومعصیته" [ایضا]

''اس میں دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ حکم زندوں میں سے گناہ گار اور کفار کے بارے میں سوال سے روکنے کے لئے ہو، کیونکہ ان کا حال کفر سے ایمان کی طرف، اور گناہ سے اطاعت کی طرف تبدیل بھی ہوسکتا ہے۔ اور دوسرا جو کہ زیادہ ظاہر ہے، کہ یہ حکم کفر اور معصیت پر مرنے والے لوگوں کے بارے میں سوال سے روکنے کے لئے ہو۔''

نتیجہ قراءات

خلاصہ یہ ہوا کہ نفی والی قراءت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحاب جہنم کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال نہیں ہوگا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری صرف پہنچا دینا تھی اور نہی والی قراءت سے یہ معنی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمادیا ہے ،جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس معنی کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿اِسْتَغْفِرْلَهُمْ أوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ،ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ،وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴾[التوبة:۸۰]

''اے نبی ﷺ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے، تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں فرمائے گا؛ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں عطاء فرماتا۔''

گویا اُس آیت میں دو قراءتوں کی وجہ سے دو پہلوؤں سے سوال کرنے سے روکنا ثابت ہوگیا۔ یعنی نہ تو نبی کریم ﷺ سے جہنم والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور نہ ہی آپ ﷺ ان کے بارے میں کوئی سوال کریں گے اس لئے کہ ان کی مغفرت کا کوئی اِمکان نہیں ہے اور اگر یہ سوال زندہ لوگوں کے بارے میں ہو تو ان کا حال تبدیل بھی ہوسکتا ہے۔

نمبر ۴ لِیَذَّکَّرُوْا/لِیَذْکُرُوْا

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوا وَمَا یَزِیْدُ هُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾[الاسراء:۴۱]

''اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے؛ تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لیں، اور وہ نفرت میں بڑھتے ہی جاتے ہے۔''

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ لیذکروا میں دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① لِیَذْکُرُوْا امام حمزۃ رحمہ اللہ، کسائی رحمہ اللہ، اور خلف رحمہ اللہ

نمبر ② لِیَذَّکَّرُوْا باقی سب قراء۔[النشر :۲/۳۰۷]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجیہ قراءات

تخفیف والی قراءت ذِکْرٌ سے مشتق ہے جو کہ نسیان کی ضد ہے۔جبکہ تشدید والی قراءت تذکُّر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے:

تدبّر اور اتّعاظ یعنی غور وفکر کرنا اور نصیحت حاصل کرنا۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

''یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل وشواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے،لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے، یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔'' [تفسیر عثمانی:۸۸۰/۱،الاسراء:۴۱]

معنی قراءات

امام قیسی رحمہ اللہ (م۴۳۷ھ) لکھتے ہیں:

”والتذّکر أولی بنا من الذّکر له بعد النسیان“

''تذکر ہمارے لئے زیادہ مناسب ہے نسیان کے بعد اس کو یاد کرنے سے''۔

آگے لکھتے ہیں:

”فالتشدید للتدبر والتخفیف للذکر بعد النسیان . “ [الکشف:۴۷/۲]

''تشدید تدبر کے معنی کے لئے ،اور تخفیف بھول کے بعد یاد کرنے کے معنی کے لئے ہے۔''

اسی طرح تفسیر زاد المسیر میں ہے:

”والتّذکّر:الا تّعاظ والتّد بّر . “ [زاد المسیر:۲۶/۳]

تفسیر روح المعانی میں ہے:

”وقرأحمزة والکسائی هنا وفی الفرقان لیذکروا من الذکر الذی بمعنی التذکر ضد النسیان والغفلة ، والتذکّر علی القراء ة الأولیٰ بمعنی الا تّعاظ“[روح المعانی:۸۲/۱۵]

''امام حمزۃ رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ نے اس کلمہ کو یہاں اور سورہ فرقان میں مادہ ذکر سے پڑھا ہے،جو کہ تذکر کے معنی میں ہے اور نسیان اور غفلت کی ضد ہے۔جبکہ تذ ّکر پہلی قراءت کے مطابق نصیحت حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔''

نتیجہ قراءات

خلاصہ یہ نکلا کہ اس آیت میں دو قراءتیں ہونے کی وجہ سے حکم کے دو پہلو نکل آئے :

نمبر ① قرآن کا ذکر یعنی اس کی تلاوت کرنا اور یاد کرنا۔

نمبر ② قرآن سے وعظ ونصیحت حاصل کرنا۔

اور یہ دو ایسے معنی ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔یعنی ذکر کے بغیر نصیحت حاصل نہیں ہوسکتی اور نصیحت حاصل کئے بغیر ذکر ناقص ہے۔چنانچہ ان معانی کی تائید ایک اور آیت سے ہوجاتی ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾[القمر:۱۷]

اس آیت میں بھی ان دونوں معانی کو جمع کیا گیا ہے یعنی ذکر جو کہ نسیان کی ضد ہے اور اذتکار یا تذکر جو کہ غفلت کی ضد ہے،لیکن مذکورہ آیت میں یہ دونوں معانی ایک ہی کلمہ میں دو قراءتوں کی بناء پر حاصل ہوجاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نمبر ⑤ یُقاتِلُونَ/یُقاتَلُونَ

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقاتِلُونَ/يُقاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ [الحج:۳۹]

''اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جو قتال کر رہے ہیں، اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔''

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ یقتلون میں دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① یُقاتِلُون معروف۔ابن کثیر رحمہ اللہ، ابوعمرو رحمہ اللہ، شعبہ رحمہ اللہ، حمزہ رحمہ اللہ، کسائی رحمہ اللہ، یعقوب رحمہ اللہ، خلف رحمہ اللہ

نمبر ② یُقاتَلُون مجہول۔نافع رحمہ اللہ، ابن عامر رحمہ اللہ، حفص رحمہ اللہ، اور ابوجعفر رحمہ اللہ۔[النشر:۳۲۶/۲]

توجیہ قراءات

امام قرطبی رحمہ اللہ (م۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

''يُقَاتِلون بكسر التاء أى يقاتلون عدوهم. وقرئ يقاتَلون بفتح التاء أى يقاتلهم المشركون وهم المؤمنون. ولهذا قال:بأنهم ظلموا أى أخرجوا من ديارهم''.

[الجامع لاحكام القرآن:۶۸/۱۲]

یعنی اگر صیغہ مجہول کا ہوتو اس آیت کا معنی بنتا ہے کہ وہ مسلمان جن کے ساتھ کفار قتال کر رہے ہیں، ان کو جواب میں قتال کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔اسی لئے بعد میں یہ کہا گیا ہے کہ ''اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور ان کو گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں تھی حالانکہ مشرکین ان کے ساتھ قتال کرتے رہتے تھے۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔اس سے پہلے مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں تھی۔[ایضا]

تفسیر مدارك التنزيل میں ہے:

وكانوا يأتون رسول الله من بين مضروب ومشجوع يتظلمون إليه، فيقول لهم: اصبروا فإني لم أومر بالقتال حتى هاجر. فأنزلت هذه الآية وهى أول آية اذن فيها بالقتال بعد ما نُهِىَ عنه فى نيف وسبعين آية. [تفسير مدارك :۴۴۳/۲]

''وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زخمی حالتوں میں ظلم کی دادرسی کے لئے آتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: صبر اختیار کرو اس لئے کہ مجھے قتال کا حکم نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کر لی۔تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ پہلی آیت ہے جس میں، ستر کے قریب آیات میں قتال سے ممانعت کے بعد، اب قتال کی اجازت حاصل ہوئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی قراءات

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (م۱۳۶۲ھ) بیان القرآن میں لکھتے ہیں:

”فی قراءۃٍ یقاتلون مبنیا للفاعل أی الذین یریدون للقتال ویحرصون علیه . “

[بیان القرآن:۷/۴۷]

’’ایک قراءت میں یقاتلون معروف ہے۔معنی ہے کہ وہ لوگ جو قتال کا ارادہ اور خواہش کررہے ہیں۔‘‘

علامہ آلوسی رحمہ اللہ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

”أی یریدون أن یقاتلوا المشرکین فی المستقبل ویحرصون علیه“[۱۶۱/۱۷]

’’یعنی ان کو اجازت ہے جو لوگ مشرکین سے مستقبل میں قتال کا ارادہ اور خواہش رکھتے ہیں۔‘‘

نیز صیغہ معروف والی قراءت کے لیے متعدد مؤیدات بھی پائے جاتے ہیں مثلا:

نمبر ① ﴿وجاهدوا فی الله حق جهاده﴾[الحج:۷۸]

نمبر ② ﴿قاتلوا الذین لا یؤمنون بالله﴾[التوبة:۲۹]

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یقاتلون کا ترجمہ یریدون القتال ویحرصون علیه سے کیا ہے،

جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ قتال کی اجازت ہر طرح کے لوگوں کو ہے:

(ا) یعنی وہ لوگ جن کے اوپر مشرکین حملہ آور ہو جائیں۔

(ب) وہ لوگ بھی جو کہ ماضی میں مشرکین و کفار کے ظلم کا شکار رہے ہوں۔

(ج) اور وہ لوگ جن کو ظالم کے ظلم کا یقین ہو۔

نتیجہ قراءات

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (م۱۹۷۴ء) معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

’’حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتی کہ اگر حق مصلحت سمجھے، قبل اس کے کہ باطل سر اٹھائے ،اس کے سر اٹھانے سے پہلے ہی اسکا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق اور کمال تدبر اور دانائی ہے۔اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اسکی مدافعت کرونگا تو یہ کم عقلی ہے۔‘‘

آگے لکھتے ہیں:

’’پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرمایا کہ جس طرح مظلوم کے لئے ظالم کے ظلم کی مدافعت، اجازتِ جہاد کا سبب بنی، اس طرح اجازتِ جہاد کا ایک سبب دینی مصلحت بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر زمانہ میں دین حق، انبیاء کرام، اور ان کے نائبوں کے ہاتھوں غالب ہوتا رہے۔‘‘

[معارف القرآن:۲۶/۵،۲۷]

گویا ان دو قراءتوں کی وجہ سے اس آیت کے معنی میں مزید وسعت پیدا ہوگئی ہے۔

نمبر ❻ لِلْعٰـلِمِیْنَ/ لِلعٰـلَمِینَ

﴿ومن آیته خَلقُ السّمٰوٰت والأرضِ واختلافُ أ لْسِنتِکم وأ لوانِکم اِنّ فی ذٰلك لاٰیٰتٍ لّلعٰلِمِینَ﴾

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

''اللہ کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔اس میں عالموں کیلئے نشانیاں ہیں۔'' [الروم:۲۲]

اختلاف قراءات

اس آیت میں میں کلمہ للعالمین کے اندر دو قراءتیں ہیں:

نمبر① لام کے کسرہ کے ساتھ جو کہ عالِم (جاننے والا) کی جمع ہے۔امام حفص رحمہ اللہ کی روایت ہے۔

نمبر② لام کے فتحہ کے ساتھ، یہ عالَم (جہان) کی جمع ہے، یہ امام حفص رحمہ اللہ کے علاوہ باقی سب کی قراءت ہے۔ [النشر:۳۴۴/۲]

توجیہ ومعنی قراءات

امام ابوحیان نحوی رحمہ اللہ امام حفص رحمہ اللہ کی قراءت بکسر لام کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إِذِ المنتفع بها اِنّما هم أهل العلم كقوله تعالىٰ وما يَعقِلُها إلّا العالِمُونَ﴾ [العنكبوت:۴۳] [البحر المحيط:۱۶۷/۷]

''زبانوں کے اختلاف سے تو صرف علماء ہی فائدہ اٹھاسکتے ہیں، جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے: اس کو صرف عالم سمجھتے ہیں۔''

اسی طرح امام ابن خالویہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والحجة لمن كسر أنه جعله جمعَ عالِمٍ؛ لأنّ العالِم أقرب إلي الاعتبار من الجاهل"

''جس نے کسرہ سے پڑھا ہے، اس نے اس کو عالم کی جمع پڑھا ہے؛ اس لئے کہ عالم جاہل سے زیادہ ادراک کے قریب ہوتا ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

"فإن قيل فما وجه دخول الحيوان والجماد في جملة من يعتبروهما لا يعقلان ذلك ؟ فقيل: إنّ اللفظ وإن كان عاما ، فالمراد به الخاص ممن يعقل" [الحجة،ص ۲۸۱]

''اگر کہا جائے کہ دوسری قراءت جو کہ بفتحہ لام ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس میں تو حیوانات اور جمادات بھی داخل ہوجاتے ہیں، حالانکہ زبانوں کے اختلاف کو بطور اللہ تعالیٰ کی نشانی کے سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا غیر عالم کے لیے مشکل ہے۔تو یہ جواب دیا جائے گا کہ کہ لفظ اگرچہ عام ہے، لیکن اس سے مراد خاص ہے۔''

نتیجہ قراءات

ان دو قراءتوں میں سے بکسر لام والی قراءت کا معنی تو بالکل واضح ہے۔صرف فتحہ والی قراءت پر اشکال ہوتا ہے۔تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت میں چونکہ تین چیزوں کا ذکر ہے:

① زمین وآسمان کی پیدائش ② زبانوں کا اختلاف ③ انسانی رنگوں کا اختلاف

ان میں سے زمین وآسمان کی پیدائش، اور انسانی رنگوں کے مختلف ہونے کا ادراک عالِم اور غیر عالِم دونوں کے لیے آسان ہے۔لہٰذا بفتحہ لام والی قراءت کو اگر عمومی معنی پر بھی رکھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہوتا۔البتہ بکسر لام والی قراءت سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ زبانوں کے مختلف ہونے کا اللہ کی نشانی کے طور پر صحیح ادراک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا عالموں کا کام ہے۔

نمبر ۵ هَل يَستَطِيعُ رَبُّكَ/هَل تَستَطِيعُ رَبَّكَ

﴿إذقَالَ الحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابنَ مَريَمَ هَل يَستَطِيعُ رَبُّكَ/هل تَستَطِيعُ رَبَّكَ أن يُّنَزِّلَ عَلينَا مائدةً مِّنَ السَّمَاءِ، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِن كُنتُم مُّؤمنِينَ﴾[المائدة:١١٢]

''جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب مان لے گا کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل کردے،تو حضرت عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔''

اختلاف قراءات

اس آیت میں دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① هل تَستَطِيعُ رَبَّك امام کسائی رحمہ اللہ کی قراءت ہے۔

نمبر ② هل يَستَطِيعُ رَبُّك باقی سب قراء۔[النشر:۲۵٦/۲]

توجیہ ومعنی قراءات

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ استطاعت سے مراد حکمت وارادہ کا تقاضا ہوسکتا ہے۔قدرت رکھنے کا مفہوم وارد نہیں ہے۔اللہ کی قدرت میں تو حواریوں کو شک نہیں تھا،مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی حکمت وارادہ بھی ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں،کہ آسمانوں سے خوان نازل فرمادے۔

بعض علماء نے کہا کہ کلام کا وہی مطلب ہے جو ظاہری الفاظ سے معلوم ہورہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی ایمان تھا،اس وقت تک ان کے دلوں میں معرفت کا استحکام نہیں ہوا تھا کیونکہ جاہلیت اور کفر کا زمانہ ماضی قریب ہی میں ختم ہوا تھا۔

اور امام کسائی رحمہ اللہ کی قراءت میں هل تَستَطِيعُ رَبَّكَ آیا ہے۔یہ عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے اور ربك مفعول ہے یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام کیا آپ اپنے رب سے یہ درخواست کردیں گے؟اور آپ کے لئے یہ دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ہے؟اور کیا آپ کا رب آپ کی یہ درخواست قبول کرے گا؟

جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:

''استطاعت کا معنی (یہاں) اطاعت ہے،مان لینا یعنی درخواست کے مطابق کردینا۔''[تفسیر مظهری:۱۹۰/۴،۱]

حضرت علی،حضرت عائشہ،حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی یہی قراءت ہے رضی اللہ عنہم[معجم القراءات القرآنية،۲۳۸/۲]

اس قراءت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حواری اللہ (کے رتبہ) سے خوب واقف تھے۔(ثناء اللہ پانی پتی:حوالہ مذکور)

اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے قول کو بڑی گستاخی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اِتَّقُوااللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾

''یعنی اگر مومن ہو تو اللہ سے ڈرو(اللہ کی قدرت میں شک نہ کرو)۔''(ایضا)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کا معنی لکھتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”ھل تستطیع أن تسأل ربَّك“ . [القرآن،۵:۱۱۲]
”کیا آپ اپنے رب سے سوال کر سکتے ہیں“۔

نتیجہ قراءات

اس آیت میں ان دو قراءتوں کی بناء پر ایک ہی آیت سے حواریوں کے سوال کے دو پہلو سامنے آتے ہیں:
(۱) یہ کہ وہ یہ سوال کرنا چاہتے تھے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب آسمان سے کوئی مائدہ نازل کرے گا یا نہیں کرے گا یعنی وہ اپنے قول: ﴿آمنّا واشھد بأ نّنا مسلمون﴾[المائدۃ:۱۱۱] کی بنا پر مومن تو تھے، لیکن ابھی ان کو ایمان کے اندر وہ رسوخ حاصل نہیں ہوا تھا لہذا وہ یہ سوال کر بیٹھے۔

جیسا کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” وفیه علی ماقیل حینئذ تنبیه علی أن ادعاء ھم الإخلاص مع قولھم ھل یستطیع ربك ، لم یکن عن تحقیق منھم ولا عن معرفة باللہ تعالیٰ وقدرته سبحانه لأنھم لو حققوا وعرفوا لم یقولوا ذلك إذ لا یلیق مثله بالمومن باللہ عز وجل . “[روح المعانی:۵۱،۵۰/۷]

یعنی ھل یستطیع والی قراءت ان کے دعویٰ ایمان کے خلاف تھی۔ اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو تنبیہ فرمائی اور کہا اللہ سے ڈرو۔

(ب) لیکن دوسری قراءت یعنی ھل تستطیع ربك یہ ان کے دعویٰ ایمان باللہ کے خلاف تو بظاہر نہیں ہے، لیکن اس سے یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو نہیں پہچان سکے تھے۔ گویا ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست کی قبولیت پر شک تھا، جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں قراءتوں سے حواریوں کے سوال کے دونوں پہلوؤں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

نمبر ۸ المُخلِصِینَ/المُخلَصِینَ

یہ کلمہ مفرد اور جمع تقریباً دس مقامات پر قرآن پاک میں آیا ہے۔ جیسے:

﴿إنّه من عبادنا المخلصین﴾[یوسف:۲۴]
”بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔“

﴿قالَ ربِّ بِمَا أغویتَنی لَا زیّننّ لھُم فی الأرضِ ولأُغوینّھُم أجمعین، إلّا عبادَ ك منھم المُخلَصینَ/المُخلِصینَ﴾[الحجر:۳۹،۴۰]
”شیطان نے کہا اے رب جیسے تو نے مجھے راہ سے ہٹا دیا، میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں، اور ان سب کو راہ سے بھٹکا دوں گا“، ”مگر جو تیرے مخلص بندے ہوں۔“

اسی طرح مفرد کا صیغہ بھی آیا ہے: ﴿واذکرفی الکتاب موسیٰ، إنّه کان مخلصاً وکا ن رسولا نبیاً﴾ [مریم:۵۱]
”اور کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے، کیونکہ وہ مخلص تھے، اور رسول اور نبی تھے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف قراءات

ان تمام مقامات میں اس صیغہ میں دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① المُخلِصِينَ صیغہ اسم فاعل کے ساتھ

نمبر ② المُخلَصِينَ صیغہ اسم مفعول کے ساتھ

امام عاصم رحمہ اللہ ،حمزہ رحمہ اللہ ،کسائی رحمہ اللہ ، اور خلف رحمہ اللہ ہر جگہ اس کو صیغہ اسم مفعول یعنی بفتحہ لام پڑھتے ہیں۔ باقی قراء ان تمام مقامات پر اس صیغہ کو اسم فاعل کے وزن پر بکسر لام پڑھتے ہیں۔[النشر:۲/۲۹۵]

توجیہ ومعنی قراءات

صیغہ اسم فاعل والی قراءت کا معنی تو یہ بنتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے دین اور اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا ہے اور اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

’’مگر وہ لوگ جو تائب ہوئے ،اصلاح کی ،اور اللہ کے ساتھ جڑے رہے ،اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا، تو یہ ہی مومنین کے ساتھ ہوں گے۔‘‘[النسآء:۱۴۶]

اور صیغہ اسم مفعول والی قراءت کا معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ نے ان کی برائیوں اور منکرات سے خالص کر دیا ہے۔ اور اس معنی کی تائید اس آیت سے ہو جاتی ہے:

﴿إنا أخلصنهم بخالصة ذكرى الدار﴾[صٓ:۴۶]

’’ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا اور وہ آخرت کی یاد ہے۔‘‘

کیونکہ مؤمنین میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں یعنی اللہ نے ان کو اخلاص کی توفیق دی ہے۔ اور انہوں نے اپنے دین کو ریاکاری سے خالی رکھا ہے۔ لہٰذا ان تمام مذکورہ مقامات میں یہ کلمہ صیغہ اسم مفعول اور صیغہ اس فاعل دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے تاکہ مؤمنین کی ان دونوں صفات پر دلالت ہو سکے۔

نتیجہ قراءات

گویا یہ دونوں قراءتیں ایک دوسرے کے معنی کی تکمیل کرتی ہیں اور ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین اور اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص رکھا ہے، تو اس اخلاص کی توفیق ان کو خود اللہ ہی نے دی ہے ان کا اپنا کمال نہیں ہے۔ یعنی مخلِص (اسم فاعل) سے صرف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ازخود اخلاص کو اختیار کرنے والا ہے، لیکن مخلَص (اسم مفعول) سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی نعمت عطاء فرمائی ہے، لہٰذا اسکے اخلاص میں ایک خاص روحانی قوت بھی ہوگی۔

نمبر ❾ أن يَغُلَّ/يُغَلَّ

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أن يَغُلَّ/يُغَلَّ ومن يّغلُل يأت بما غلّ يوم القيٰمةِ، ثمّ توفّى كلُّ نفسٍ مّا كسبَتْ وَهُمْ لا يُظلَمُونَ﴾[آل عمران:۱۶۱]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ یَغُلَّ کے اندر دو قراءتیں ہیں:

نمبر ① یَغُلَّ ابن کثیر رحمہ اللہ، ابوعمرو رحمہ اللہ، اور امام عاصم رحمہ اللہ، مضارع معروف کے ساتھ۔

نمبر ② یُغَلَّ باقی سب قراء، مضارع مجہول کے ساتھ۔ [النشر: ۲/۲۴۳]

توجیہ قراءات

أن یَّغُلَّ یہ غَلَّ یَغُلُّ غُلُولاً سے ہے۔

اَنْ یُغَلَّ اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں یہ غُلول سے بھی ہوسکتا ہے اور اغلال سے بھی۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک سرخ چادر (قطیفہ حمراء) کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو یوم بدر کو گم ہوگئی تھی، بعض لوگوں نے یہ کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے رکھ لی ہے۔ [سنن الترمذی: ۲۱/۱۳۰، ابواب التفسیر]

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ (م ۵۴۶ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قیل کانت هذه المقالة من مؤمنین لم یظنوا أن فی ذلك حرجا، وقیل کانت من منافقین، وقد روی أنّ المفقود إنماکان سیفا." [المحرر الوجیز: ۱/۵۳۵]

''کہا گیا ہے کہ یہ بات مؤمنین کی طرف سے ہوئی تھی جو اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات منافقین نے کی تھی۔ ایک روایت ہے کہ تلوار گم ہوئی تھی۔''

معنی قراءات

تفسیر مظہری میں ہے:

آیت کی دوسری قراءت میں أن یُغَلّ فعل مجہول آیا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خائن قرار دینا جائز نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کا خیانت کرنا جائز نہیں۔ [تفسیر مظہری (اردو): ۲/۴۰۰]

امام قرطبی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" فمعنی یَغُلّ یخونَ ومعنی یُغلَّ یُخَوَّنَ. ویحتمل معنیین: أحدهما یخان أی یؤخذ من غنیمته، والآخر یُخوّن أن ینسب إلی الغلول " [الجامع لاحکام القرآن: ۴/۲۵۵، ۲۵۶]

''یَغُلّ (معروف) کا معنی ہے: یخُونَ، کہ وہ خیانت کرتا ہے۔ اور یُغلَّ (مجہول) کا معنی ہے: یُخَوَّنَ.
اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اس سے خیانت کی جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کو خیانت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ صیغہ معروف والی قراءت کا معنی بیان کرتے ہیں:

"فالمعنی ما کان لنبیّ أن یُعطی قومًا من العسکر ویمنع آخرین، بل علیه أن یقسم بین الکلّ بالسّویّة."

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صیغہ مجہول کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وفی توجیهها ثلثة أوجه أحدها أن یکون ماضیه أغللت أی نسبته إلی الغلول . . . والمعنی ما صح لنبی أن ینسبه أحد إلی الغلول . وثانیها أن یکون من أغللته إذا وجدته غالا . . . والمعنی ما صح لنبی أن یوجد غالا . وثالثها أنه من غَلَّ إلی أن المعنی ما کان لنبی أن یغله غیره أی یخونه ویسر ق من غنیمة . “ [روح المعانی:۱۰۹/۴]

’’معنی یہ ہے کہ کسی نبی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ فوجیوں میں سے کچھ کو دے، اور کچھ کو نہ دے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ برابر تقسیم کرے اور مجہول والی قراءت میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ اس کی ماضی باب افعال سے ہو جس کا معنی ہے کہ اس کو میں نے خیانت کی طرف منسوب کیا اور مطلب یہ ہوگا کہ کسی نبی کے بارے میں ایسی نسبت درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کا باب افعال خائن پانے کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہو کہ کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ خائن پایا جائے اور تیسرا یہ کہ اس کا باب مجرد کا ہو۔تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی نبی کے ساتھ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو کوئی دوسرا دھوکہ دے جائے،اور اس کے مال غنیمت میں سے کچھ لے جائے۔‘‘

نتیجہ قراءات

اس آیت میں دو قراءتیں ہونے کی وجہ سے غلول کی تین پہلوؤں سے نفی ہو رہی ہے:

نمبر ① یہ ممکن نہیں کہ نبی ﷺ مال غنیمت میں کوئی خیانت کریں۔

نمبر ② یہ جائز نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی طرف خیانت کو منسوب کیا جائے۔

نمبر ③ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص نبی ﷺ کو دھوکا دے سکے اور ان کے ساتھ خیانت کر سکے۔

گویا کہ اس ایک آیت کے ایک کلمہ میں دو قراءتیں ہونے کی وجہ سے اختصار کے ساتھ غلول،یعنی دھوکہ دینا یا دھوکہ کھانا یا دھوکہ کی نسبت ہوجانا،اس سلسلہ میں جتنے بھی پہلو ممکن ہو سکتے تھے تمام کی نفی ہوگئی ہے۔

نمبر ⑮ فإن الله من بعد اِکراههنّ (لهنّ) غفور رحیم

﴿وَلَا تُکرِهُوا فَتَیٰتِکُم عَلَی البِغَآءِ اِنۡ أَردنَ تَحصُّنًا لّتبتَغُوا عرضَ الحَیوٰةِالدّنیا،ومن یّکرهّنّ فإنّ اللّهَ مِن بعدِ اِکراهِهِنّ (لهنّ) غفورٌ رحیمٌ﴾[النور:۳۳]

’’اور اپنی لڑکیوں کو اگر وہ پاکدامنی چاہیں تو بدکاری پر مجبور مت کرو تاکہ دنیاوی مقصد حاصل کرو،اور جس نے ان کو مجبور کیا تو اللہ ان کی مجبوری کے بعد ان کو معاف کرنے والا ہے۔‘‘

آیت کا معنی

اس آیت میں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے جن کو جبر و اکراہ کے ساتھ زنا کا شکار بنا دیا جائے۔اور اس میں یہ جو شرط ہے: اگر وہ پاکدامنی چاہیں،اس سے مراد یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ اور بھی بڑا گناہ اور ظلم ہے،ورنہ اگر یہ کام ان کی رضامندی سے بھی کرایا جائے تب بھی گناہ ہے۔ ہاں اگر وہ کسی کے مجبور کرنے سے ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے۔اور اگر وہ بھی رضامندی سے کریں تو سوائے سچی توبہ کے ان کو معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُكۡرِهُوۡا فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ﴾[النور:۳۳]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اور اپنی لڑکیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔''

لیکن اگلی آیت میں یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ جو لوگ کسی عورت کو زبردستی زنا پر مجبور کردیں ،تو یہ مغفرت اور رحمت ان کیلئے ہے، یا صرف ان عورتوں کیلئے ہے۔ چنانچہ تفسیر عثمانی میں ہے:

''زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر واکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرہ کی بے بسی اور بے چارگی دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مُکرِہ پر سخت عذاب ہوگا۔'' [تفسیر عثمانی:۱۹۴/۲، النور:۳۳]

شاذ قراءت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءت سے یہ معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مغفرت اور رحمت ان عورتوں کیلئے ہے جن کو مجبور کیا جائے ، نہ کہ مجبور کرنے والوں کیلئے کیونکہ وہ پڑھا کرتے تھے:

﴿فإنّ اللّہَ من بعدِ إکراھھن لھنّ غفور رّحیمٌ ﴾ [معجم القراء ات القرآنیہ:۲۵۱/۴]

تفسیر مدارك التنزیل میں ہے:

”ومن یکرھّن فإن اللّٰہ من بعد إکراھھنّ غفور رحیم أی لھنّ، وفی مصحف بن مسعود کذلك، وکان الحسن یقول لھن واللّٰہ۔ . . أولھم إذا تابوا“۔ [۵۰۵/۲]

یعنی امام نسفی رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مغفرت اور رحمت کا حکم تو ان عورتوں ہی کے لیے ہے، لیکن مجبور کرنے والوں کی مغفرت بھی ہوسکتی ہے، اگر وہ توبہ کرلیں۔ چنانچہ اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس قراءت شاذہ کو ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔ جیسا کہ معارف القرآن میں مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ نے اسی قراءت شاذہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے:

''اور جو کوئی ان پر زور کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر مجبوری اور بے بسی کی حالت میں یہ گناہ کیا جائے، تو اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔'' [معارف القرآن:۱۲۵/۵]

اس ترجمہ میں زور زبردستی کرنے والوں کے لئے معافی کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

” عن مجاھد أنّہ قال غفور رحیم لھنّ ولیست لھم وکان الحسن إذا قرأ الآیۃ یقول:لھنّ واللّٰہ لھنّ . . . والتقدیر ومن یکرھھّن فعلیہ وبال إکراھھنّ لا یتعدّی إلیھنّ فإنّ اللّٰہ من بعد إکراھھنّ غفور رّحیم لھنّ . “ [روح المعانی:۱۵۸/۱۸، ۱۵۹]

''مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ان مجبور عورتوں کو معاف کرنے والا ہے، نہ کہ ان جابر مردوں کو، اور حضرت حسن جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے اللہ کی قسم ان عورتوں کے لئے ،ان عورتوں کے لئے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو ان کو مجبور کرے گا تو اسی پر اس کا وبال ہوگا، یہ وبال ان عورتوں تک نہیں پہنچے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی مجبوری کی بنا پر ان کو معاف کرنے والا ہے۔''

نتیجہ قراءت

اس شاذ قراءت سے آیت کے معنی کی بالکل وضاحت ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ معافی سب کیلئے عام ہوتی تو یہ عدل خداوندی کے خلاف ہوتا۔ ہاں البتہ توبہ کے بعد یہ معافی سب کو حاصل ہوسکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الأستاذ محمد شملول ☆☆
مترجم: حافظ مصطفیٰ راسخ ☆

رسمِ قرآنی کا اِعجاز اور اس کے معنوی اثرات

قرآن کریم کا رسم خاص اہل فن کے ہاں توقیفی ہے اور توقیف کا مطلب یہ ہے کہ من جملہ نصوص شریعت کے قرآن کا رسم الخط بھی شارع متین کی طرف سے طے کردہ ہے۔ اسی نظریہ کے پیش نظر زمانہ قدیم سے رسم قرآن کا رسم مالوف سے فرق اور اس میں موجود حکمتوں کا بیان اہل علم میں زیر بحث رہا ہے۔ جمہوریہ مصر کے ممتاز محقق الاستاذ محمد شملول حفظہ اللہ نے إعجاز رسم القرآن علی المعانی کے نام سے قرآن کریم کے اُن تمام کلمات کا استحصاء واستقصاء کرنے کی کوشش فرمائی ہے، جن میں دو مختلف مقامات پر ایک ہی کلمہ کو متنوع اندازوں سے لکھا گیا ہے یا بعض کلمات قرآنی کو رسم مالوف سے ہٹ کر لکھا گیا ہے۔ فاضل مولف نے خصوصاً اِن مخصوص کلمات میں حذف واثبات وغیرہ کی حکمتوں کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ اپنے موضوع پر انفرادیت کی حامل اس تحریر کو تلخیص وترجمہ کے ساتھ ہم ہدیہ قارئین کررہے ہیں۔ مکمل کتاب اس مضمون سے کئی گنا طویل ہے، جس کا ترجمہ فاضل مترجم مکمل کر چکے ہیں، جو کہ عنقریب کتابی صورت میں ادارہ ہذا سے دستیاب ہوگا، ان شاء اللہ! [ادارہ]

قرآن مجید وہ عظیم الشان کتاب ہے، جس کے عجائب لامتناہی ہیں اور وہ ہر پہلو سے ایک چیلنج اور معجزہ ہے۔ اس کتاب نے عرب وعجم، جن وانس اور قیامت تک تمام سلف وخلف کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اس جیسی کوئی ایک سورت بنا کر لے آئیں اور یہ چیلنج ابھی تک قائم ہے۔ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک نہ تو کوئی ایسا کرسکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کرسکے گا۔ تمام کلماتِ قرآنیہ اپنی کتابت، تلاوت اور بیان میں معجزہ ہیں اور کتابت کا اعجاز کلمات کی بناوٹ میں کمی وزیادتی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض حروف کتابت میں موجود ہوتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے، اسی طرح بعض حروف لکھے نہیں ہوتے مگر پڑھے جاتے ہیں۔ معروف قواعد املائیہ کے خلاف کلمات قرآنیہ کی کتابت بھی رسم قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ جو اپنے اندر متعدد حکمتوں اور اسرار ورموز کو سموئے ہوئے ہے۔

کلماتِ قرآنیہ کا ایک بڑا حصہ تلفظ کے موافق مکتوب ہے، لیکن چند کلمات ایسے بھی ہیں جو تلفظ کے خلاف لکھے ہوئے ہیں۔ تلفظ کے خلاف لکھے جانے والے ان کلمات کے رسم کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا ان کلمات کو (معروف قواعد املائیہ کے خلاف) جیسے منقول ہیں ویسے ہی لکھنا ضروری ہے، یا معروف قواعد املائیہ کے موافق بھی لکھا جاسکتا ہے؟ ہم نے گذشتہ شمارے میں اپنے 'رسم عثمانی اور اس کی شرعی حیثیت' نامی مضمون میں

☆☆ جمہوریہ مصر کے ممتاز محقق عالم
☆ فاضل كلية القرآن الكريم، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ رسم عثمانی چونکہ توقیفی ہے لہٰذا اس میں تبدیلی کر کے قواعد املائیہ کے موافق لکھنا ناجائز ہے کیونکہ رسم عثمانی میں عظیم مقاصد کے تحت بعض پوشیدہ معانی پر دلالت کرنے کے لیے معروف قواعد املائیہ کے خلاف لکھا گیا ہے۔

قرآن مجید کے وہ کلمات جو معروف قواعد املائیہ کے خلاف لکھے گئے ہیں، درج ذیل چھ قواعد پر مشتمل ہیں۔

① قاعدة الحذف ② قاعدة الزيادة

③ قاعدة الهمز ④ قاعدة البدل

⑤ قاعدة الفصل ⑥ قاعدة ما فيه قراء تان فكتب إحداهما

زیر نظر مضمون دراصل مصر کے معروف عالم دین محمد شملول حفظہ اللہ کی کتاب ' إعجاز رسم القرآن' کا اُردو ترجمہ و تلخیص ہے۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے رسم قرآن کے اعجاز و حکمت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ﴾[محمد:۲۴] پر عمل کرتے ہوئے انتہائی محنت کے ساتھ اس [رسم] کے خفیہ عظیم معانی اور اسرار و رموز کو احسن انداز میں منکشف کیا ہے۔ ان کی بیان کردہ حکمتیں اگرچہ اجتہاد اور ان کی ذاتی رائے پر مبنی اور 'نکات بعد الوقوع' ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی ان حکمتوں کی تائید میں قرآن وسنت سے دلائل پیش کئے ہیں اور اپنی رائے کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور ایسی رائے پیش کرنا جو قرآن و سنت کے ساتھ متصادم نہ ہو' تفسیر بالرائے محمود' کہلاتی ہے، جو اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔

اس مضمون کا مطالعہ کرنے سے قارئین کو معلوم ہوگا کہ رسمِ قرآنی کتنے عظیم الشان معانی اور اسرار و رموز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کلماتِ قرآنیہ کا (قواعد اِملائیہ کے مخالف) یہ مخصوص رسم کتنے عظیم الشان مقاصد پر مبنی ہے اور خلافِ قواعد کلماتِ قرآنیہ کے حروف میں کمی و زیادتی کن کن عظیم معانی پر دلالت کرتی ہے۔

کلماتِ قرآنیہ کی کتابت کا اعجاز

① قاعدة الحذف:

✳ حذف الألف:

بعض کلماتِ قرآنیہ کے وسط سے حذفِ الف متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے، اور یہ معانی سیاق وسباق سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً:

- ✳ حذف الف بسا اَوقات قرب اور اِلتصاق پر دلالت کرتا ہے: جیسے [صَحِبَة] ، [أَصۡحَٰبُ] ، [أَزۡوَٰجٌ]
- ✳ کبھی دلالتِ کلمہ کے مستحکم وجود پر اشارہ کرتا ہے، جیسے: [مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ]، [مَكَّنَٰكُمۡ]
- ✳ کبھی اِستمرار زمانی، مکانی یا نوعی کے وجود پر دلالت کرتا ہے، جیسے [مَنَٰفِعُ]
- ✳ کبھی قرب اور اُلفت پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [لِإِيلَٰفِ قُرَيۡشٍ]، [أُمَّهَٰتِكُمۡ] ، [ٱلۡأَرۡضَ فِرَٰشًا]
- ✳ کبھی تفصیل سے بُعد، پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [سمٰوٰت]، [العٰلمين]
- ✳ کبھی ذلت و رسوائی پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [كَيۡدُ سَٰحِرٍ]، [قَالَ فَمَا خَطۡبُكَ يَٰسَٰمِرِيُّ]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* کبھی کسی شے کے چھوٹے پن پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [غُلٰم]، [كِذّٰبًا]
* کبھی سرعت پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [الصّٰعِقَة]، [الخٰلِق]، [أو إِطعٰمٌ فِي يَوۡمٍ ذِي مَسۡغَبَةٍ]
* کبھی تخلیق میں کمزوری اور جلد بازی پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [وَالۡقَوٰعِدُ مِنَ النِّسَآءِ]، [الۡيَتٰمٰى]
* کبھی متعدد صفاتِ مشترکہ کو جمع کرنے والے کے وجود پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [الظّٰلِمِين]، [الكٰفِرِين]
* کبھی سکون اور اطمینان پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [أَمۡوٰتًا]
* کبھی حکم دینے اور معنی کی قطعیت پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [الإسلٰم]، [الإيمٰن]، [ميثٰقكُمۡ]
* کبھی کسی شے کی حدود کی تنگی پر دلالت کرتا ہے، جیسے: [الطّٰلَق]

حذف الف کی چند معروف مثالیں

وَالصّٰاحِب، لِصٰحِبه، صٰحِبَة

قرآن مجید میں کلمہ [صَاحِبُه] ثبوت الف کے ساتھ آٹھ (۸) مقامات پر وارد ہے اور کلمہ [صٰحِبَة] ثبوت الف کے ساتھ کہیں بھی وارد نہیں ہے۔ (یعنی ہر جگہ بحذف الف وارد ہے)

اسی طرح کلمہ [لِصٰحِبه] بدون الف چار (۴) مقامات پر وارد ہے۔

* بعض آیات قرآنیہ میں کلمہ [صٰحِبه] اور کلمہ [صٰحِبَة] بدون الف وارد ہے، جو قرب اور التصاق کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۳۴ میں اللہ تعالیٰ دو باغوں کی مالک کی گفتگو کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔﴿ فَقَالَ لِصٰحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهُۥٓ ﴾ یہاں کلمہ [لِصٰحِبه] بدون الف وارد ہے۔ جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اپنے ساتھی کو ایمان وصحت میں اپنا قریبی اور ہم خیال تصور کرتا تھا۔ لیکن جب وہ شخص (باغوں کا مالک) اللہ کا کفر کرنے لگا اور قیامت کا انکار کر دیا تو فوراً قرآن مجید کا رسم اور کتابت متغیر ہوگئی۔ اسی لیے اگلی آیات میں کلمہ [صَاحِبُه] ثبوت الف کے ساتھ وارد ہے، جو ان کے درمیان زمانی ومکانی صحبت کے باوجود انفصالِ ایمانی پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت کی آیت نمبر ۳۷ میں فرماتے ہیں: ﴿قَالَ لَهُۥ صَاحِبُهُۥ وَهُوَ يُحَاوِرُهُۥٓ أَكَفَرۡتَ بِٱلَّذِي خَلَقَكَ﴾

اس معنی کی وضاحت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کی قوم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے، وہاں کلمہ [صَاحِبُكُمۡ، صَاحِبِهِمۡ] ثبوت الف کے ساتھ وارد ہے۔ جو آپ ﷺ اور قوم کے درمیان انفصالِ ایمانی پر دلالت کرتا ہے۔ باوجودیکہ آپ ﷺ زمان و مکان میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

...... ﴿مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ﴾ [سبأ:۴۶]

...... ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوَىٰ﴾ [النّجم:۲]

...... ﴿وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجۡنُونٖ﴾ [التّكوير:۲۲]

...... ﴿مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ﴾ [الأعراف:۱۸۴]

مگر نبی کریم ﷺ کے ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کلمہ [لِصٰحِبه] بدون الف وارد ہے۔﴿ إِذۡ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یَقُوْلُ لِصَحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ [التوبة:۴۰] جو ان دونوں کے درمیان انتہائی محبت اور رفاقت و ایمان میں حقیقی صحبت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح کلمہ [صَحِبَة] بمعنی زوجہ پورے قرآن مجید میں بدون الف ہی وارد ہے جو اپنے مقصودی معنی یعنی قرب کامل اور زوجین کے درمیان التصاق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بیوی اپنے خاوند کے لیے سکون اور لباس ہے۔ ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ﴾ [البقرة:۱۸۷]

خلاصۂ کلام

مذکورہ کلمات پر مشتمل آیات کریمہ کا مطالعہ اور تحقیق کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں جہاں بھی یہ کلمات ثبوت الف کے ساتھ وارد ہیں وہاں انفصال کا معنی پایا جاتا ہے خواہ انفصال زمانی ہو، مکانی ہو، ایمانی ہو یا نفسی ہو۔ اور جہاں حذف الف کے ساتھ وارد ہیں وہاں قرب اور التصاق کا معنی پایا جاتا ہے۔

أَصۡحَٰبُ

کلمہ [أَصۡحَٰبُ] قرآن مجید میں اٹھتر [۷۸] مرتبہ آیا ہے اور تمام جگہ ہی بدون الف وارد ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

[أَصۡحَٰبُ النار]	بیس مرتبہ
[أَصۡحَٰبُ الجنة]	چودہ مرتبہ
[أَصۡحَٰبُ الجحيم]	چھ مرتبہ
[وأَصۡحَٰبُ اليمين]	چھ مرتبہ
[أَصۡحَٰبُ الأيكة]	چار مرتبہ
[أَصۡحَٰبُ السعير]	تین مرتبہ
[أَصۡحَٰبُ الميمنة]	تین مرتبہ
[وأَصۡحَٰبُ المشئمة]	تین مرتبہ
[وأَصۡحَٰبُ الشمال]	دو مرتبہ
[وأَصۡحَٰبُ الرأس]	دو مرتبہ
[وأَصۡحَٰبُ مدين]	دو مرتبہ

مذکورہ تمام مقامات پر کلمہ [أَصۡحَٰبُ] بدون الف وارد ہوا ہے جو [أَصۡحَٰبُ النار]، [أَصۡحَٰبُ الجنة]، [أَصۡحَٰبُ الجحيم] اور [أَصۡحَٰبُ السعير] میں خلود اور التصاق پر دلالت کرتا ہے۔ خواہ جنت میں ہو یا جہنم میں۔ اسی طرح دیگر مقامات میں بھی التصاق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مثالیں بیان کی ہیں اور انہیں ہمیشہ کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا ہے۔

کلمہ قرآنی کا رسم، معنی واضح کرنے کے ساتھ ساتھ قاری کے لیے ذہنی صورت بھی نقل کرتا ہے، جو مقصودی معنی پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلالت کررہی ہوتی ہے۔ بایں طور پر کہ کلمہ قرآن میں کسی قسم کا التباس یا غموض باقی نہیں رہتا۔ [ومن أصدق من الله حديثًا]

بِسۡمِ ... بِاسۡمِ

کلمہ [بِسۡمِ] بدون الف قرآن مجید میں درج ذیل تین مقامات پر وارد ہوا ہے۔

...... ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ [الفاتحة:۱]

...... ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰهَا﴾ [هود:۴۱]

...... ﴿اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ [النمل:۳۰]

اور کلمہ [بِاسۡمِ] ہمزہ وصلی کے ساتھ قرآن مجید میں درج ذیل چار مقامات پر وارد ہوا ہے:

...... ﴿بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ [الواقعة:۷۴]

...... ﴿بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ [الواقعة:۹۶]

...... ﴿فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ﴾ [الحاقّة:۵۲]

...... ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ﴾ [العلق:۱]

جب ہم کلمہ [بِسۡمِ] بدون الف کے مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد لفظ جلالہ [الله] واقع ہے اور یہ ابتداء کرنے کے معنی میں مستعمل ہے جیسے [بِسۡمِ الله] لہٰذا ان مقامات پر حذف الف اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے جلدی جلدی نیک اعمال کرنے پر اشارہ کرتا ہے۔

جبکہ وہ مقامات جن پر کلمہ [بِاسۡمِ] الف وصلی کے ساتھ وارد ہوا ہے، وہاں تسبیح وقراءۃ مقصود ہے اور یہ امور تفکر، تدبر اور تمہل کے متقاضی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کلمہ سے کوئی حرف حذف کردینے سے اس میں سرعت کا معنی پیدا ہوجاتا ہے یعنی نیکی کرنے میں جلدی کرو یہ بھی رسم قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔

إِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّـَٔاتِ

کلمہ [الۡحَسَنَتِ] قرآن مجید میں تین مقامات پر وارد ہوا ہے اور تینوں جگہ ہی درمیان میں حذف الف کے ساتھ وارد ہے۔

اور کلمہ [السَّيِّئَات] قرآن مجید (۳۶) مقامات پر وارد ہوا ہے اور تمام مقامات پر باالالف وارد ہے۔

کلمہ [الۡحَسَنَت] کا بدون الف وارد ہونا اس امر پر اشارہ کرتا ہے کہ نیکی اگرچہ قلیل ہو پھر بھی انسان کے ساتھ ملصق رہتی ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس کلمہ [السَّيِّئَات] کا الف کے ساتھ وارد ہونا اس امر پر اشارہ کرتا ہے کہ برائی ہمیشہ انسان کے ساتھ نہیں رہتی۔ اگر انسان توبہ کرلے تو وہ نیکی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بذات خود اس آیت کریمہ ﴿إِنَّ الۡحَسَنَتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّئَاتِ﴾ [هود:۱۱۴] سے بھی سمجھ آتا ہے، کہ تھوڑی سی نیکیاں زیادہ برائیوں کا خاتمہ کردیتی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے۔

الطَّلَٰقُ

کلمہ [الطَّلَٰق] بدون الف، قرآن مجید میں درج ذیل دو مقامات پر وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَٰقَ فَإِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة:٢٢٧]

﴿الطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَٰنٍ﴾ [البقرة:٢٢٩]

اس کلمہ [الطَّلَٰق] کے وسط میں عدم الف سے رسم، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جس طرح الف کے حذف سے یہ کلمہ مختصر اور تنگ ہوجاتا ہے، اسی طرح طلاق کا معاملہ بھی انتہائی تنگ حدود میں واقع ہونا چاہیے، اور جتنا ممکن ہو جلد از جلد رجوع کرلیا جائے۔ نیز حذف الف اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ابھی تک (عدت کے زمانے میں) میاں بیوی کے درمیان ربط قائم ہے اور ان کے درمیان انفصال نہیں ہوا۔

کلمہ [مرتان] میں الفِ صریح کا وجود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں طلاقیں علیحدہ علیحدہ ہوں گی، ایک ہی دفعہ میں نہیں ہونگی۔ گویا کہ الف ان دونوں طلاقوں کے درمیان فاصلہ ہے۔

قرآن مجید کے لطائفِ علمیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے: ﴿الطَّلَٰقُ مَرَّتَانِ﴾ ''طلاق دو مرتبہ ہے'' فرمایا ہے، اور عملاً پورے قرآن مجید میں لفظ طلاق بھی دو مرتبہ ہی واقع ہوا ہے۔

☆'یاء' حرفِ ندا اور 'ھاءِ' تنبیہ کے آخر سے الف کا حذف:

قرآن مجید میں ہر جگہ حرفِ ندا ''یاء'' اور ''ھاءِ'' تنبیہ کے آخر میں واقع الف کو حذف کر کے لکھا گیا ہے۔ جیسے يَٰقَوْمِ، يَٰرَبِّ، يَٰأَيُّهَا النَّاسُ، يَٰصَلِحُ، هَٰأَنتُمْ، هَٰؤُلَاءِ، هَٰذَا، هَٰهُنَا وغیرہ۔

یہاں الف کا حذف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ندا اور تنبیہ قریب سے ہونی چاہیے، تاکہ مؤثر ہو اور امور مُلتبس نہ ہوں۔

☆حذفِ یاء کی چند مثالیں:

إِبْرَٰهِمَ ... إِبْرَٰهِيمَ

کلمہ [إِبْرَٰهِمَ] بدون الیاء قرآن مجید میں پندرہ [١٥] مرتبہ وارد ہوا ہے اور پندرہ [١٥] مرتبہ ہی سورۃ البقرہ میں وارد ہے۔

جبکہ کلمہ [إِبْرَٰهِيمَ] بالیاء قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کے علاوہ دیگر سورتوں میں چون (٥٤) مرتبہ وارد ہوا ہے۔

تورات میں سفرِ تکوین کے پارٹ نمبر ١٧ میں مذکور ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پہلا نام 'ابراھم' تھا۔ اس وقت ان کی عمر ٨٦ برس تھی۔ جب سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ان کا بیٹا اسماعیل علیہ السلام جنا اور ان کی عمر ٩٩ سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کرتے ہوئے فرمایا: عنقریب ابراہیم علیہ السلام جمہور اُمت کے باپ ہوں گے۔ لہٰذا آج کے بعد انہیں 'ابراَھم' کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجائے 'ابراھیم' کے نام سے پکارا جائے گا کیونکہ ان کی کثیر التعداد نسل ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں امام بنائے گا۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا نام پہلے 'ابراھم' تھا۔ اولاد کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا نام 'ابراھیم' بالیاء رکھ دیا، کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔
یہاں ایک منفرد امر یہ بھی ہے کہ کلمہ [إبرٰھمَ] بدون الیاء قرآن مجید کی ابتدائی سورت صرف سورۃ البقرہ میں وارد ہے، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی عمر میں ان کا نام تھا۔

إنَّ وَلِـِّۧىَ اللّٰهُ

کلمہ [وَلِـِّۧىَ] منسوب إلى یاء المتکلم، قرآن مجید میں درج ذیل دو مقامات پر وارد ہوا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ إن وَلِـِّۧىَ اللهُ الَّذِى نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ﴾ [الاعراف:۱۹۶]
﴿ أنتَ وَلِـِّۧى فِى الدُّنْيَا وَالأخِرَةِ﴾ [یوسف:۱۰۱]
یہاں [وَلِـِّۧى] میں یاء کا حذف اللہ کے ساتھ قربِ شدید پر دلالت کرتا ہے۔ پہلی آیت مبارکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبان پر جاری ہوئی ہے۔

النَّبِيِّنَ... الْأُمِّيِّنَ... رَبَّنِيِّنَ

ان تمام کلمات میں دو یاؤں میں سے ایک یاء کا حذف، قوتِ اتصال وارتباط پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً [النَّبِيِّنَ] تمام انبیاء علیہم السلام آپس میں ایک ہیں اور سب مسلمان ہیں اور ان کے درمیان گہرا تعلق اور ربط ہے۔

☆ضمیر متکلم کی طرف لوٹنے والے حرفِ یاء کا حذف

بعض کلمات کے آخر سے ضمیر متکلم یاء کو حذف کردیا جاتا ہے، جیسے: فَاتَّقُونِ، فَارْهَبُونِ، وَلَا تَكْفُرُونِ، إذَا دَعَانِ، وَمَنِ اتَّبَعَنِ وغیرہ وغیرہ
ان کلمات کے آخر میں یاء کا حذف سرعت پر دلالت کرتا ہے۔ یا بسا اوقات معاملے کی اہانت پر دلالت کرتا ہے۔

☆فعل کی یائے اصلی کا حذف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إلَّا بِإذْنِهِ ﴾ [ھود:۱۰۵]
یہاں اس آیت مبارکہ میں کلمہ [یأت] کے آخر سے فعل کی یائے اصلیہ محذوف ہے اور یہاں روز قیامت کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ اس کلمہ کے آخر سے یاء کا حذف معاملے کی سرعت اور فوریت پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت ایک دن اچانک واقع ہوگی۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ سفر کرنے والے نوجوان کا تذکرہ کیا ہے کہ جب مچھلی عجیب وغریب طریقے سے سمندر میں چلی گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ [الکھف:۶۴]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یہاں اس آیت مبارکہ میں کلمہ [نبغ] کے آخر میں فعل کی یائے اصلیہ محذوف ہے۔سرعت اور جلدی پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نیک بندے کو جلد از جلد ملنا چاہتے تھے۔

☆اسم کی یائے اصلی کا حذف:

الْمُهْتَدِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿مَن يَهْدِ اللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ [الکھف:١٧]

اس آیت مبارکہ میں کلمہ [المهتد] کے آخر سے اسم کی یائے اصلی محذوف ہے۔ جو سرعت ہدایت پر دلالت کرتی ہے،ایسی ہدایت جس کے بعد گمراہی نہ ہو۔

الْجَوَارِ

کلمہ [الْجَوَارِ] بحذف الیاء،قرآن مجید میں تین مقامات پر وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [الشوریٰ:٣٢]

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [الرحمن:٢٤]

﴿الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ [التکویر:١٦]

اس کلمہ کے آخر سے یاء اصلی کا حذف،پہلی دونوں آیات میں کشتیوں اور تیسری آیت میں ستاروں کی سرعت حرکت پر دلالت کرتا ہے۔

☆حرفِ تاء کا حذف

تَسْتَطِعْ ... تَسْطِعْ

کلمہ [تَسْتَطِعْ] اپنے اس معروف رسم پر،قرآن مجید میں فقط ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ [الکھف:٧٨]

یہاں وہ نیک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گذشتہ دنوں میں پیش آنے والے واقعات کے خفیہ اسباب بیان کرنے لگے تھے اور طبعی طور پر یہ مناسب تھا کہ یہ کلمہ اپنے معروف رسم کے مطابق آتا کیونکہ انہوں نے حکمت کے ساتھ ان واقعات کے خفیہ اسباب کو نقل کیا تھا۔جیسا کہ اگلی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔لہٰذا اس کلمہ کا معروف رسم کے مطابق آنا،ان کی حکمت اور صبر وتحمل پر دلالت کرتا ہے۔

جبکہ کلمہ [تَسْطِعْ] بحذف التاء،بھی اپنے معروف رسم کے خلاف،قرآن مجید میں ایک مرتبہ ہی وارد ہوا ہے۔جہاں موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی انتہا ہے اور وہ نیک آدمی موسیٰ علیہ السلام پر اپنے موقف کا خلاصہ بیان کرتا ہے اور تفصیل سے آگاہ کرتا ہے۔جس پر موسیٰ علیہ السلام جلدی کر رہے تھے اور صبر نہیں کر رہے تھے۔چنانچہ اس نیک آدمی نے اس جلدی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:﴿ ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴾ [الکہف:۸۲]
گویا کہ اس آیت مبارکہ میں کلمہ [تَسْطِعْ] سے تا کا حذف موسیٰ علیہ السلام کی جلد بازی اور قلت صبر پر دلالت کرتا ہے۔اسی مناسبت سے یہ کلمہ ناقصۃ الحروف آیا ہے۔

اسْطَعُوا ... اسْتَطَعُوا

اللہ تعالیٰ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے بنائے ہوئے بند کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو انہوں نے یاجوج وماجوج سے قوم کو بچانے کے لیے بنایا تھا۔[فَمَا اسْطَعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَعُوا لَهُ نَقْبًا﴾[الکہف:۹۷]
پہلی جگہ اللہ تعالیٰ نے بدون تاء کلمہ [اسْطَعُوا] استعمال کیا ہے اور اس کلمہ کا اختصار، ان کے تیزی سے بند پر چڑھنے اور چھلانگیں لگاتے ہوئے نیچے اُترنے پر دلالت کرتا ہے۔یعنی کہ اس کلمہ سے تاء کا حذف سرعتِ حرکت پر دلالت کرتا ہے جبکہ بند کو سوراخ کرنے کی حالت میں کلمہ [اسْتَطَعُوا] بالتاء استعمال کیا ہے کیونکہ سوراخ کرنے کا معاملہ ایک طویل وقت کا متقاضی ہے چنانچہ اس طوالت پر دلالت کرنے کے لیے کلمہ [اسْتَطَعُوا] بدون نقص، بالتاء استعمال کیا ہے۔

☆لام کا حذف:

الَّيْلِ ... النَّهَارِ

کلمہ [الَّيْلِ] قرآن مجید میں (۷۴) مرتبہ وارد ہوا ہے اور ہر جگہ بدون لام [الَّيْلِ] ہی وارد ہے۔
جبکہ کلمہ [النَّهَارِ] قرآن مجید میں (۵۴) مرتبہ وارد ہوا ہے اور ہر جگہ ہی اپنی اسی کامل صورت [النَّهَارِ] میں وارد ہے۔
کلمہ [الَّيْلِ] سے لام کا حذف، یعنی کلمہ کے حروف اصلیہ میں نقص، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رات دن کے مقابلے میں بہت تیزی سے گزر جاتی ہے اور انسان رات کو بہت کم حرکت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو انسان کے لیے لباس اور باعثِ سکون بنایا ہے۔اس کے برعکس، دن کو اللہ نے ذریعہ معاش بنایا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾[غافر:٦١]
﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا﴾[الفرقان:۴۷]
جبکہ کلمہ [النَّهَارِ] کا اپنے معروف رسم پر آنا، طبعی عمل پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس کلمہ کا کامل الحروف ہونا دن کی روشنی پر بھی دلالت کرتا ہے۔

............❋............

☆واؤ کا حذف:

قرآن مجید میں چار مرفوع افعال کے آخر سے واؤ کو حذف کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ﴾ [الإسراء:۱۱]
﴿وَيَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ﴾ [الشوریٰ:۲۴]
﴿يَدۡعُ الدَّاعِ﴾ [القمر:۶]
﴿سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ [العلق:۱۸]

امام دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں واؤ کو ضمہ کی موجودگی کے سبب حذف کیا گیا ہے۔ کیونکہ ضمہ واؤ سے کفایت کر جاتا ہے، یا کسی اور معنی کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔

مگر امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام مراکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان چاروں افعال کے آخر سے واؤ کا حذف، سرعتِ وقوع الفعل اور سہولت عمل الفاعل پر دلالت کرتا ہے۔

کلمہ [يَدۡعُ الانسان] میں واؤ کا حذف، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شر انسان پر آسان ہے اور انسان اس کی طرف جلدی کرتا ہے، جیسا کہ نیکی کی طرف جلدی کرتا ہے۔

کلمہ [يَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ] میں باطل کے بہت جلد مٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

کلمہ [يَدۡعُ الدَّاعِ] میں تیزی سے دُعا کرنے اور اس کے بہت جلد قبول ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

کلمہ [سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ] میں سرعتِ فعل اور شدتِ پکڑ کی طرف اشارہ ہے۔

وَصَٰلِحُ الۡمُؤۡمِنِينَ

کلمہ [وَصَٰلِحُ] اسم کے آخر سے واؤ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَصَٰلِحُ المؤمنين﴾ [التحریم:۴] یہ اصل میں ﴿وَصَٰلِحو المؤمنين﴾ تھا۔

امام دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں واحد کا صیغہ، جمع کا معنی دیتا ہے۔ نیز اس اسم کے آخر سے واؤ کا حذف سرعت اور مومنوں کی وحدت پر دلالت کرتا ہے۔

وَأَكُن مِّنَ الصَّٰلِحِينَ

کلمہ [وَأَكُنۡ] فعل کے وسط سے واؤ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اصل فعل تھا [وأكون من الصالحين]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّٰلِحِينَ﴾ [المنافقون:۱۰]

یہاں اس کلمہ [وَأَكُنۡ] کے وسط سے واؤ کا حذف، دونوں افعال کی جلد از جلد ادائیگی پر دلالت کرتا ہے۔

☆نون کا حذف:

◉ قرآن مجید میں دو کلموں کے شروع سے نون کو حذف کر دیا گیا ہے۔

﴿فَنُجِّيَ مَن نَّشَآءُ﴾ [یوسف:۱۱۰]
﴿وَكَذَٰلِكَ نُجِّي الۡمُؤۡمِنِينَ﴾ [الأنبياء:۸۸]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں ان کلمات کے شروع سے نون کا حذف، سرعت پر دلالت کرتا ہے۔

◉ بعض کلمات کے آخر سے نون کو حذف کیا گیا ہے مثلاً [یَكُ، تَكُ] اور یہ کسی شے کی تصغیر پر دلالت کرتا ہے۔

❷ قاعدہ الزیادۃ:

☆ **حرفِ الف کی زیادتی:**

شَیْءٍ ... لِشَایْءٍ

کلمہ [شَیْءٍ] اپنی اس معروف شکل پر قرآن مجید میں (۲۰۱) مرتبہ وارد ہوا ہے۔

جبکہ کلمہ [لِشَایْءٍ] الف کی زیادتی کے ساتھ غیر معروف شکل پر صرف ایک مقام پر وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَّشَاءَ اللهُ﴾ [الکھف:۲۳،۲۴]

یہاں غیر معروف شکل لا کر اس عظیم امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالی کی مشیت، ہر مشیت پر برتر ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلآ أَنْ يَّشَآءَ اللهُ﴾

وَجِایْٓءَ

کلمہ [وَجِایْٓءَ] الف کی زیادتی کے ساتھ، اس غیر معروف شکل پر، قرآن مجید میں دو مرتبہ وارد ہوا ہے اور اس شکل کے علاوہ وارد ہی نہیں ہوا۔

اس کلمہ کا غیر معروف شکل پر وارد ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو شے لائی جارہی ہے وہ کوئی عظیم شے ہے۔ برابر ہے کہ اس کی عظمت، شان میں ہو، قیمت میں ہو، اخلاق و رتبہ میں ہو یا خوف و ترہیب میں ہو۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دو مثالیں بیان کی ہیں۔جن میں سے ایک مثال انبیاء علیہم السلام و شہداء کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہمارے لیے نمونہ ہیں جبکہ دوسری مثال جہنم کی ہے جو کہ ڈرانے کے لیے ایک ضرب المثل ہے اور انتہائی بُرا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ [الزمر:۶۹]

﴿وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾ [الفجر:۲۳]

أُولُوا الْأَلْبَاب

کلمہ [أُولُوا] الف کی زیادتی کے ساتھ، وارد ہوا ہے، اور اس کلمہ میں الف کی زیادتی، عقل مندوں کی عظمت وانفرادیت اور امتیاز پر دلالت کرتی ہے۔[أُولُوا الألباب]

حرفِ یاء کی زیادتی:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فَإِنْ ... أفَإِينْ

کلمہ [فَإِنْ] اپنی معروف شکل پر، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے۔
جبکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے تذکرہ کے موقع پر کلمہ [أفَإِينْ] یاء کی زیادتی کے ساتھ، اس غیر معروف شکل پر وارد ہے۔
یہاں اس مقام پر کلمہ [أفَإِينْ] میں یاء کی زیادتی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب تمام انسانوں کی مانند مرجائیں گے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد اپنے دین سے مرتد نہ ہوں اور اس حادثہ سے عدم توازن کا شکار نہ ہوں بلکہ دین کو تھامے رکھیں اور یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس کے لیے دائمی حیات نہیں بنائی۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ اپنی اس غیر معروف شکل [أفَإِينْ] پر دو جگہ وارد ہوا ہے اور دونوں جگہ ہی نبی کریم ﷺ کی موت کے ساتھ خاص ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِين مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ﴾ [الانبیاء:۳۴]
﴿ أَفَإِين مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ ..... ﴾ [آل عمران:۱۴۴]

وَرَآءِ ... وَرَآئِ

کلمہ [وَرَآءِ] اپنی اس معروف شکل پر قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ وارد ہوا ہے۔
جبکہ کلمہ [وَرَآیِٔ] اپنی اس غیر معروف شکل پر قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآیِٔ حِجَابٍ﴾ [الشوریٰ:۵۱]

وَإِيْتَآءِ ... وَإِيتَآیِٔ

کلمہ [وَإِيتَآءِ] اپنی اس معروف شکل پر قرآن مجید میں دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔
جبکہ کلمہ [وَإِيتَآیِٔ] یاء کی زیادتی کے ساتھ قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہے۔ اس کلمہ کا یاء کی زیادتی کے ساتھ ورود، اس عطا اور انفاق کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرنا۔ قرآن مجید نے صلہ رحمی کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کلمہ [وَإِيتَآیِٔ] اپنی معروف شکل سے ہٹ کر آیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسٰنِ وَإِيتَآیِٔ ذِي الْقُرْبٰى﴾ [النحل:۹۰]

حرف واؤ کی زیادتی:

رُشد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أريكُمْ ... سَأوريْكُمْ

کلمہ [أُريْكُمْ] اپنی اس معروف شکل پر، قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيْكُمْ إِلَّا مَا أرىٰ﴾ [غافر:۲۹]

جبکہ کلمہ [سَأُورِيْكُمْ] اپنی اس غیر معروف شکل (بزیادۃ الواؤ) پر، قرآن مجید میں دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔

﴿وأمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [الأعراف:۱۴۵]

﴿خُلِقَ الإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَأُورِيْكُمْ ءايٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ﴾ [الأنبياء:۳۷]

مذکورہ آیات کریمہ میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کلمہ [أُرِيْكُمْ] فرعون کی زبان سے جاری ہوا ہے وہاں وہ عام رسم کے ساتھ مکتوب ہے۔ اور جہاں کلمہ [سَأُورِيْكُمْ] اللہ تعالیٰ کی زبان سے جاری ہوا ہے وہاں وہ غیر معروف رسم (بزیادہ الواؤ) کے ساتھ مکتوب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان پر دلالت کرے۔

الرّبوٰا

کلمہ [الرِّبوٰا] حرف واؤ کی زیادتی کے ساتھ، قرآن مجید میں سات مرتبہ وارد ہوا ہے۔

جبکہ کلمہ [رِبًا] اپنی اس معروف رسم پر قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔

اس کلمہ [الرِّبوٰا] کا واؤ کی زیادتی کے ساتھ ورود، سود کے خطرات پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

جبکہ کلمہ [رِبًا] قلیل شے کے ساتھ خاص ہے۔ جس پر لفظ [رِبًا] کا اطلاق ہوتا ہے۔

مَلَكُوْت

کلمہ [مَلَكُوْتَ] میں واؤ اور تاء زائد ہیں۔ جو اصل کلمہ [ملك] پر اضافہ ہیں۔ اس کلمہ میں واؤ اور تاء کی زیادتی، اللہ کی بادشاہت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان سمیت ہر شے کا بادشاہ ہے۔

۳ قاعدة الهمز

امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'المقنع في رسم مصاحف الأمصار' میں ذکر کرتے ہیں کہ بعض کلمات قرآنیہ کے آخر میں ہمزہ کو واؤ کی صورت میں لکھا جاتا ہے اور اگر وہ کلمہ مرفوع ہو تو اس واؤ کے بعد الف زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے: [نَبَؤُا عَظِيم]، [تَفْتَؤُا]، [الْمَلَؤُا]، [الْبَلَؤُا]، [شُفَعَٰؤُا] وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد امام دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید اس کا سبب اتصال اور تسہیل ہے۔

لیکن ہم ایک اور نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہمزہ کا مذکورہ صورت میں آنا کئی خفیہ معانی پر دلالت کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمَلَأُ ... الْمَلَؤُا

کلمہ [الْمَلَأُ] اپنی اس معروف شکل پر قرآن مجید میں (۱۸) مرتبہ وارد ہوا ہے۔

جبکہ کلمہ [الْمَلَؤُا] اپنی اس غیر معروف شکل پر قرآن مجید میں چار مرتبہ وارد ہوا ہے۔

کلمہ [الْمَلَأُ] سے قوم کے اشراف اور معزز لوگ مراد لیے جاتے ہیں جبکہ کلمہ [الْمَلَؤُا] کی آیات مبارکہ میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے عام کافروں کے سردار نہیں بلکہ کفر کے امام اور کفر کے بادشاہ و وزراء مراد لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قالت يأيها الْمَلَؤُا إني ألقي إلي كتٰب كريم﴾ [النمل:۲۹]

الْعُلَمٰٓؤُا

کلمہ [الْعُلَمٰٓؤُا] قرآن مجید میں فقط دو مرتبہ وارد ہوا ہے اور دونوں مقامات پر ہی اسی شکل میں وارد ہے۔ تا کہ علماء کرام کی عظمت و منزلت پر دلالت کرے۔ کیونکہ یہ عام لوگوں کی مانند نہیں ہیں۔ [قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر:۹]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِي إِسْرٰٓءِيلَ﴾ [الشعراء:۱۹۷]

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر:۲۸]

بَلٰٓؤٌا ... الْبَلٰٓؤُا

کلمہ [بَلَآءٌ] مرفوع، اپنی اس معروف شکل پر قرآن مجید میں تین مرتبہ وارد ہوا ہے۔

جبکہ کلمہ [الْبَلٰٓؤُا] مرفوع، اپنی اس غیر معروف شکل پر قرآن مجید میں دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔

اس کلمہ کی یہ غیر معروف شکل، بڑی آزمائش کی تبیین و وضاحت کے لیے ہے۔ خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے، جب انہیں اللہ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دے کر آزمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ﴾ [الصافات:۱۰۶]

❷ قاعدة البدل

الف کی واؤ کی شکل میں کتابت:

امام دانی رحمہ اللہ اپنی کتاب 'المقنع' میں فرماتے ہیں کہ بعض کلمات قرآنیہ میں الف کو واؤ کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ جیسے [الصَّلٰوة، الزَّكٰوة، الْحَيٰوة، الرِّبٰوا]

ان کلمات میں واؤ کی شکل میں، الف کی کتابت متعدد اسرار و رموز پر دلالت کرتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصَّلٰوة

کلمہ [الصَّلٰوة] اپنی اس غیر معروف شکل پر، قرآن مجید میں (٦٧) مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اس کلمے کا یہ رسم نماز کی شرعی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے۔ بندے اور اللہ کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اس کلمہ کا رسم غیر معروف طریقے پر آیا ہے تا کہ قاری اس کی اہمیت سے متنبہ ہو جائے۔

اسی طرح جب اس کلمہ کی نسبت انبیاء کرام کی طرف ہوتی ہے اور وہ اہل باطل سے مجادلہ یا مومنوں کے لیے دعا کر رہے ہوتے ہیں تو اس صورت میں بھی اس کی کتابت اسی مخصوص طریقے پر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ [التوبة:١٠٣]

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ اَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَآءُنَا﴾ [هود:٨٧]

مگر جب یہ کلمہ عام شکل میں وارد ہو تو اس کی کتابت معروف طریقے کے مطابق ہوگی اور اپنی اس معروف شکل پر یہ کلمہ قرآن مجید میں چھ مقامات پر وارد ہے۔ جیسے:

﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيْحَهُ﴾ [النور:٤١]

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [الاسراء:١١٠]

﴿وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ [الانعام :٩٢]

الزَّكٰوة

کلمہ [الزَّكٰوة] اپنی اس غیر معروف شکل پر قرآن مجید میں (٣٢) مرتبہ وارد ہوا ہے اور پورے قرآن مجید میں اسی مخصوص شکل پر ہی وارد ہے۔

یہ کلمہ بھی مثل [الصَّلٰوة] اپنی اس مخصوص شکل کے ساتھ زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی عظمت و اہمیت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔

بِالْغَدٰوةِ

یہ کلمہ [بِالْغَدٰوةِ] بھی اپنی اس غیر معروف مخصوص شکل کے ساتھ صبح کے وقت کی اہمیت اور اس وقت دعا کرنے اور نماز پڑھنے کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور یہ کلمہ اپنی اس مخصوص شکل کے ساتھ قرآن مجید میں فقط دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ [الانعام:٥٢]

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ [الكهف:٢٨]

ہائے مؤنث کی تاء کی شکل میں کتابت:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نِعۡمَةَ ... نِعۡمَتَ

کلمہ [نِعۡمَةَ] تائے مربوطہ کے ساتھ، قرآن مجید میں (۲۵) مرتبہ وارد ہوا ہے۔
جبکہ کلمہ [نِعۡمَتَ] تائے طویلہ کے ساتھ، قرآن مجید میں (۱۱) مرتبہ وارد ہے۔
جب ہم ان آیات کریمہ میں غور کرتے ہیں جن میں یہ کلمہ [نِعۡمَةَ] وارد ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ظاہر اور نظر آنے والی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے جو تمام انسانوں کے لیے برابر ہیں۔

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾ [النمل:۵۳]
﴿واذكروا نِعۡمَةَ الله عليكم ﴾ [المائدة:۷]

جبکہ کلمہ [نِعۡمَتَ] بالتاء الطویلہ۔ ان خاص نعمتوں پر دلالت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے صرف مومنوں پر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاذۡكُرُوا نِعۡمَتَ اللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَاءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ﴾ [آل عمران:۱۰۳]
﴿وَءَاتَىٰكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلۡتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعۡمَتَ اللَّهِ لَا تُحۡصُوهَا﴾ [ابراهيم:۳۴]

كَلِمَةَ ... كَلِمَتُ

کلمہ [كَلِمَةَ] تائے مربوطہ کے ساتھ، قرآن مجید میں (۲۱) مرتبہ وارد ہوا ہے۔
جبکہ کلمہ [كَلِمَتُ] تائے طویلہ کے ساتھ، قرآن مجید میں پانچ مرتبہ وارد ہے۔
جب ہم ان آیات کریمہ کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں یہ کلمات وارد ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ [كَلِمَتُ] کی خصوصیت، اہمیت اور دلالت غیر معمولی ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَعَدۡلًا﴾ [الأنعام:۱۱۵]
﴿كَذَٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ﴾ [یونس:۳۳]
﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُونَ﴾ [یونس:۹۶]

وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُولِ

کلمہ [وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُولِ] قرآن مجید میں دو مرتبہ وارد ہے۔ اور دونوں جگہ ہی تائے مفتوحہ کے ساتھ وارد ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی جیسے گناہ کبیرہ کی وضاحت کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَمَا ءَاتَىٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَانتَهُوا﴾ [الحشر:۷]
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيَتَنَٰجَوۡنَ بِالۡإِثۡمِ وَالۡعُدۡوَٰنِ وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُولِ﴾ [المجادلة:۸]
﴿يَٰأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا تَنَٰجَيۡتُمۡ فَلَا تَتَنَٰجَوۡا بِالۡإِثۡمِ وَالۡعُدۡوَٰنِ وَمَعۡصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَٰجَوۡا بِالۡبِرِّ وَالتَّقۡوَىٰ﴾ [المجادلة:۹]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف کی یاء اور یاء کی الف کی شکل میں کتابت:

رَءَا ... رَأىٰ

کلمہ [رَءَا]قرآن مجید میں (۱۱) مرتبہ وارد ہوا ہے اوران تمام مقامات پر انسانی بصارت کی رؤیت کے معنی میں مستعمل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فلما جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَءَا كَوۡكَبًا﴾ [الانعام:۷۶]

﴿فلما رَءَا القمر بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي﴾ [الانعام:۷۷]

یہاں ان آیات مبارکہ میں انسانی رؤیت مراد ہے اور انسانی رویت محدود ہوتی ہے۔کبھی درست ہوجاتی ہے تو کبھی خطا ہوجاتی ہے۔ہر شے کا احاطہ نہیں کرسکتی۔نیز اس کلمہ [رَءَا] کے آخر میں الف کا وجود، رکاوٹ اور حد پر دلالت کرتا ہے۔

مگر جہاں قرآن مجید رؤیت بصیرت مراد لی گئی ہے وہاں کلمہ [رَأىٰ]مستعمل ہے۔اس کلمہ کے آخر میں یاء کا وجود، لامحدودیت پر دلالت کرتا ہے۔اسی لیے یہ کلمہ قرآن میں صرف دو مرتبہ وارد ہوا ہے۔اور دونوں مقامات پر ہی نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔جب نبی کریم ﷺ اپنے معراج کے دوران ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ سے گذر گئے اور وہاں پر آپ نے جو کچھ دیکھا،حق دیکھا۔﴿مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾

اللہ تعالیٰ واقعۂ معراج کی اشارہ کرتے ہوئے سورۃ النجم میں فرماتے ہیں:

﴿مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَأىٰ﴾ [النجم:۱۱]

﴿لَقَدۡ رَأىٰ مِنۡ ءَايٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى﴾ [النجم:۱۸]

لَدَا ... لَدَى

کلمہ [لَدَا]اس مخصوص رسم پر قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدَّتۡ قَمِيصَهُ مِنۡ دُبُرٍ وَّأَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ﴾ [یوسف:۲۵]

اس کلمہ [لَدَا] کے آخر میں ي اور کلمہ [الباب] کے شروع میں الف کا وجود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا خاوند دروازے کے بالکل قریب ہی موجود تھا، دروازے اور اس کے درمیان کوئی مسافت نہیں تھی۔

جبکہ کلمہ [لَدَى]بھی قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡآزِفَةِ إِذِ الۡقُلُوبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ كٰظِمِينَ﴾ [غافر:۱۸]

اس کلمہ [لَدَى] کے آخر میں ي اور کلمہ [الحناجر] کے شروع میں الف کا وجود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں (دل اور ہنسلی) کے درمیان التصاق کامل نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆نون کی الف کی شکل میں کتابت:

وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّٰغِرِينَ

کلمہ [وَلَيَكُونًا] قرآن مجید میں صرف ایک جگہ وارد ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّٰغِرِينَ﴾ [یوسف:۳۲]

اس آیت مبارکہ میں کلمہ [وَلَيَكُونًا] اصل میں [وَلَيَكُونَنْ] تھا۔اس سے نون تاکید کو حذف کر دیا گیا ہے۔اور اس جگہ تنوین لگا دی گئی ہے۔اس کلمہ کی بناء کا اختصار معاملہ کی فوری تنفیذ اور سرعت پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ عزیز مصر کی بیوی اپنی خواہش کی تکمیل میں سنجیدہ تھی۔

❺قاعدة الفصل والوصل

أَلَّا ... أن لَّا

کلمہ [أَلَّا] موصولہ،قرآن مجید میں (۴۸) مرتبہ وارد ہوا ہے۔

جبکہ کلمہ [أن لَّا] مقطوعہ،قرآن مجید میں دس (۱۰) مرتبہ وارد ہے۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب "فنون الأفنان في عجائب علوم القرآن" میں ذکر کرتے ہیں کہ یہ دس حروف اپنی اصل پر لکھے گئے ہیں۔کیونکہ ان کی اصل [أن لَّا] مقطوعہ ہے جبکہ موصولہ حروف کو تلفظ کے مطابق لکھا گیا ہے اور قرب مخرج کے سبب نون کا لام میں ادغام کر دیا گیا ہے۔

ہماری رائے کے مطابق اس میں متعدد اسرار و رموز ہیں جو خفیہ معانی پر دلالت کرتے ہیں۔کلمات کو قطع کر کے لکھنا،فکر وتدبر کے تنوع کا فائدہ دیتا ہے۔اسی لیے یہ کلمات مقطوعہ لکھے گئے ہیں۔تاکہ اس امر پر دلالت کریں کہ کوئی بھی قول وفعل اور قرار طویل غور وفکر کے بغیر سامنے نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ [الاعراف:۱۰۵]

﴿وأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ [هود:۱۴]

﴿أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ﴾ [القلم:۲۴]

إِنَّمَا ... إِنَّ مَا

کلمہ [إِنَّ مَا] مقطوعہ،قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ مَا توعدون لَآتٍ﴾ [الانعام:۱۳۴]

امام ابن البناء المراکشی رحمہ اللہ اپنی کتاب،"عنوان الدليل من مرسوم خطِّ التنزيل" میں ذکر کرتے ہیں کہ [إنّ] تاکید یہ کا [ما] سے مقطوع ہونا تفصیل پر دلالت کرتا ہے۔یعنی اہل خیر کے لیے خیر،اور اہل شر کے لیے شر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُلَّمَا ... كُلَّ مَا

کلمہ [كُلَّمَا] سوائے دو مقامات کے قرآن مجید میں ہر جگہ موصولہ ہی وارد ہوا ہے۔ وہ دو مقامات درج ذیل ہیں:

﴿كُلَّ مَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا﴾ [النسا:۹۱]

﴿وَءَاتَىٰكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾ [ابراہیم:۳۴]

امام مراکشی رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کلمہ [كُلَّ مَا] کا مقطوع آنا پہلی آیت مبارکہ میں اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا لوٹنا ایک شے کی طرف نہیں تھا بلکہ متنوع اشیاء کی طرف تھا نیز ان کا لوٹنا ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار تھا۔ اسی لیے لفظ [كُلَّ] اور لفظ [مَا] کے درمیان فاصلہ ہے۔

اسی طرح دوسری آیت مبارکہ میں اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے مسائل متفرق اور مختلف تھے۔

❻ وہ کلمات جن میں دو قراءات ہیں مگر انہیں ایک پر لکھا گیا ہے

بعض کلمات قرآنیہ ایسے بھی ہیں جن میں دو دو قراءات ہیں مگر ان کی کتابت صرف ایک قراءت کے تلفظ کے موافق کی گئی ہے۔ مثلاً [مَٰلِكِ يوم الدين]، [يُخَٰدِعُونَ]، [وَٰعَدْنَا]، [الرِّيَٰح]، [تُفَٰدُوهُمْ]، [تَظَٰهَرُونَ]، [لَٰمَسْتُمُ]، [قِيَٰمًا]، [سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ]، [سِرَٰجًا] وغیرہ وغیرہ۔ مذکورہ اور ان جیسے دیگر کلمات ایسے رسم پر لکھے گئے ہیں جس سے دونوں قراءات نکل سکتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر احمد مکی الانصاری ☆☆
مترجم: مرزا عمران حیدر ☆

نظریہ النحو القرآنی ......ایک تحقیقی جائزہ

عربی گرائمر کا دوسری زبانوں کی گرائمر سے ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ اس کے مصادر ومنابع میں قرآن کریم اور حدیث نبوی سرفہرست شامل ہیں۔ دیگر زبانوں سے اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں مختلف مکاتب فکر (Schools of Thought) پائے جاتے ہیں، جن میں بصری، کوفی، بغدادی، اَندلسی اور مصری مکاتب فکر کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ ہر مکتبہ فکر کا مخصوص طرزِ تفکر ہے۔ ان مکاتب فکر کے مابین پائی جانے والی متعصّبانہ کشاکشی وجہ ہو یا بالعموم ان نحاۃ کا مختلف بدعتی فرقوں معتزلہ، جھمیہ، قدریہ وغیرہ سے متعلق ہونا، بہرحال عربی گرائمر میں ایسے قواعد شامل ہوگئے ہیں، جن میں قرآن کریم اور قراءاتِ قرآنیہ سے عدول پایا جاتا ہے۔ جب نحویوں نے ملاحظہ کیا کہ ان کے وضع کردہ بعض نحوی قواعد اور قرآن کریم میں تضاد پایا جاتا ہے تو یہ لوگ بالعموم قواعد کی مرکزیت کے قائل ہوئے اور مخالف آیات وقراءات کی یا تو بدعتی فرقوں کی طرح تاویل کی یا انہیں کسی نہ کسی طرح تنقید کا نشانہ بنا ڈالا۔ اس روش سے شائد ہی کوئی نحوی مکتب فکر مستثنیٰ ہو۔

قرآن کریم اور قراءاتِ قرآنیہ کی یہ اہانت کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے کسی صورت میں قابل برداشت نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس موضوع پر کئی اصحابِ علم وفضل نے قلم اٹھایا ہے، جن میں سے نمایاں نام جناب ڈاکٹر احمد مکی الانصاری کا ہے۔ انہوں نے تدوین قواعد کے مذکورہ موقف پر تنقید کرتے ہوئے نحو مالوف کے بالمقابل النحو القرآنی کو بطور نظریہ متعارف کروانے کے لئے ذکر کردہ عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں اس نظریہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ موضوع کی نزاکت واہمیت کے پیش نظر ہم مقدمہ الکتاب کا ترجمہ اور باقی کتاب کی جامع تلخیص پر مبنی یہ مضمون قارئین رشد کی نظر کررہے ہیں۔ اس موضوع پر شرعی فریضہ ودینی غیرت کے اظہار کے لئے ہم مزید تین مضامین رُشد قراءات نمبر (حصہ سوم) میں شامل اشاعت کریں گے، جن میں ان شاء اللہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا جامع جائزہ پیش کرنے کی کاوش بروئے کار لائی جائے گی۔ [ادارہ]

موضوع بحث

اس مضمون کا موضوع 'النحو القرآني' ہے۔ یا ہم دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں 'نظرية النحو القرآني' اس کا آغاز، ارتقاء اور اَساسی بنیادیں ہے۔

☆☆ سابق پرنسپل کلیة اللغة و القراء ات، جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ
☆ فاضل کلیة الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ